تزک عثمانیہ

صفر المظفر ۱۳۴۳ھ

جلد دوم



انیسویں سالگرہ مبارک اعلیحضرت قدر قدرت جہان پناہ ظل سبحانی نظام الملک آصفجاہ نواب میر عثمان علی خان بہادر جی۔سی۔ایس۔آئی فرمانروائے ملک دکن کی

مبارک یادگاریں

بسرپرستی عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی۔سی۔آئی۔ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی تلمیذ حضرت آصف غفران مکان

محبوب پریس علاقہ پیشکاری سے شائع ہوا

فہرست مضامین تزک عثمانیہ جلد ۲ نمبر (۸)

عورت سے

(از جناب مولوی ظفر احسن صاحب علوی - ناظم دائرۃ الادب)

او سراب نشاط تیری فتنہ سامانیوں نے خدا جانے کیا کیا بلا خیز ہنگامے راحت بخشی کے پردہ میں اب تک برپا کئے ہیں اور کون جانتا ہے کہ ابھی تیری عجیب و غریب ذات سے کیا کیا مظالم و مصائب اُٹھانے ہونگے، مجکو اب تک تیری سب سے پہلی نوازش یاد ہے جبکہ تیرے لئے میرے بائیں پہلو کو چاک کیا گیا تھا۔ اور تو نامعلوم و غیر محسوس طریقے سے میرے پہلو، میرے سکون نصیب خلوت پر قابض تھی۔

او فریب نشاط۔ ہابیل و قابیل کی سب سے پہلی عداوت مین تیرے ہی رخسار آتشین کا جلوہ تھا!

او ہنگامہ خاموش۔ بنی اسرائیل مین فسادات کی ابتدا تیری ہی نگاہ فسون ساز سے رو براہ ہوئی تھی۔

او شربت سم آلود - او میٹھی چھری - تیری ہی نامعلوم دہار برسون مصر کے قید خانہ مین ایک معصوم کی آزادی پر پڑتی رہی۔ کیا تو وہ نہین ہے جس نے ہفت خانہ بنا کر ایک نبی کی عصمت اور ناموس آلہی کو پھسلا کر لوٹ لینا چاہا تھا۔

او زاہد فریب شیخ رصفا، کا طویل زہد کس نے بیک اشارۂ ابرو ہمیشہ کیواسطے پامال کر ڈالا۔ ارے کیا تو نہ تھی۔

او برش بیہم، غریب فرہاد کا خون اب تک تیری فقرے بازیون کا نوحہ خوان ہے

او مقابل مجہول۔ اچھا بتا، لنکا کس کے نام پر راکھ کا ڈھیر بنائی گئی۔

او زنجیر فراغت۔ کیا تجکو یاد نہین رہا۔ غریب رتن سین پر تو نے کیا کیا مصائب ڈالے۔ اچھا وہ کون تھا جس نے نل سے حکومت چھڑائی۔

او آتش سرو۔ شیر افگن کا رخت ہستی کس کی چنگاری سے خاک ہوا۔

او تصویر قیامت، تجھ کو موقع ملنا شرط ہے، تو بلائے ناگہانی ہے۔ جام غفلت ہے دزد صبر ہے۔ مرگ ہوش وحواس ہے، زندان آزادی، غرضکہ وہ سب کچھ ہے جو ابتلائے عظیم کے لئے درکار ہونا چاہیے۔

او پھسلانے والی گڑیا۔ تو بظاہر نہایت بھولی بھالی، غریب صورت، ترحم خواہ، بیکس، نازک یا نحیف کمزور، دل بہلانے والی ہے۔ مگر اف تو بڑی ظالم و جابر ہے۔ تو سراپا جرمنیت ہی۔ تیرے فیصلہ مین لاکھون حیات سوز داؤن کا خونخوار نا قابل نہایت لشکر ہے جن کے پاس ہلالی ابروؤن کے نیچے ہین جن کے شانون پر شہ زورون کی مشکین کس لینے کو ہزارون کمندین ہین جن کے پاس مسموم کر دینے والی گیس اسٹیم زلف ہے جن کے پاس قلوب کے سنگین حصارون کے پاش پاش کر دینے والی برق رو، برق تبسم ہے جن کے پاس سرچ لائٹ رخ روشن ہے اپنے شکار کو

دور سے دیکھ لینے کے لئے ہے۔

تری ان آنکھون مین مد اور اس کہان ہے۔ ان مین تو دجا لیت ہے جس کو چاہتی ہین زندہ کرتی ہین جس کو چاہتی ہین مار ڈالتی ہین ۔

او **قیامت صغرا**۔ خدا جانے تیرے پرآشوب سینہ پر کس عالمگیر آتش زن مادّہ کا ڈھیر ہے، شاید آتش فشان پہاڑہی ہین۔ تیری چتون کا بل، وہ بل نہین جو قسمت مین کبھی پڑ جاتا ہے، اور کبھی نکل جاتا ہے بلکہ یہ وہ بل ہے جو کہین جام زہر بنکر حلق مین اُتر جاتا ہے اور کہین خنجر جانستان بنکر کلیجے مین تیر جاتا ہے ۔

او **فریب محبت**، تیری لگاوٹین۔ آہ خون کو سفید کر دیتی ہین، قدرتی محبتون کو توڑ دیتی ہین۔ پانی مین آگ لگا دیتی ہین ۔

او **تقوی شکن**، جب تو چاہتی ہے انسانون سے خدا کو بھلا دیتی ہے تیری شراب التفات کچھ اس قدر پرشور ہے۔ اس قدر تند ہے کہ ناچیز انسان اس جبّار و قہار کی قدرت کی پرواہ کو بھول جاتا ہے ۔

او **خوبصورت بلا**، جب تو اپنی طرف بُلالیتی ہے۔ پھر اُس کو جسے تو نے بلایا کوئی قوت روک نہین سکتی۔ خواہ اُس کے سامنے بھڑکتی ہوئی آگ لائی جائے یا مواج سمندر، یا مہیب و دشوار گذار پہاڑ، یا سنسان وحشت خیز جنگل۔ وہ ضرور تیرے مشق ناز کے لئے تیرے پاس ہوتا ہے ۔

او **صبح کاذب**، جب تیری زبان سے کسی کے واسطے ہان نکل جاتی ہے

تو پھر نہین، نہین ہوتی، نہین ہوتی، خواہ کچھ ہی کیون نہو جائے ۔

او سفید جھوٹ۔ جب تو چاہتی ہے بڑے بڑے گھرانون کی عزتین سر بازار نیلام کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ کیا تو وہ نہین ہے جو سا تون کو شیطان کی پرستش کرتی ہی اور مجھکو نہین شرماتی ۔

او اکال الامم امویون کو تو نے کھویا۔ عباسیون کو تو نے برباد کیا، ایرانیون کو غارت کیا۔ ہندوستان کو تباہ کیا۔ افریقہ کو غارت کر رہی ہے۔ خانوادہ خلافت مین تیری لگائی ہوئی آگ اب تک نہین بجھی۔ باوجودیکہ لاکھون بہادرون نے اپنے عزیز و پاک خون سے بجھائی۔ غریب بے زبان پارسیون پر تو بے پڑھے جن کی طرح سوار ہے۔ یورپ کو عنقریب یکسر غارت کرنے والی ہے۔ وہ کونسی ریاست ہی جس کا دامن تیرے بھڑکتے ہوئے شعلون کی لپٹ سے بچا ہوا ہے پناہ بخدا الحذر الحذر ۔

اچھا بتا، تو کس طمانیت پر ہم سے چاہتی ہے کہ تجھپر بھروسا کیا جائے۔ یورپ نے تجھ پر بھروسہ کیا، کیا پایا۔ آج تیرے ہاتھون وہ اس قدر مجبور ہین کہ تیرے خلاف آواز بھی نہین نکال سکتے۔ مشرق مین جو کچھ تو نے کیا۔ اگر وہ بھول گئی ہو تو جا او بدیع الزمان کی چتا سے پوچھ یا سعدی کی قبر سے دریافت کر، یا ملا حسین سے معلوم کر، یا عنایت اللہ کی گور بے نشان سے سن، یا یورپ ہی مین تجھ کو پوچھنا ہو تو شکسپیر سے پوچھ، پوچھتے ہوئے شرمائے تو۔ ایڈیسن کے کارخانہ مین جا جہان قلمین تیار ہوتی ہین چشم عبرت

کھول اور اپنے سیاہ کارنامے دیکھ اپنے مظالم کی کہانیاں سن اپنی فتنہ پردازیوں کی داستانین پڑھ اور شرما۔ اب ہمارے پاس تیرے لئے کچھ باقی نہین رہا۔ گو تیری چلتی ہوئی تدبیرین اب بھی بے پناہ ہین۔

کس ضمانت پر ہم تجھکو آزادی دین۔ کیا تو یہ چاہتی ہے، تجھے دولتون کو عزتون کو نیکیون کو تباہ کرنے کے واسطے بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے۔ تو اب یہ چاہتی ہے کہ تیرے عالم آشوب چہرہ سے نقاب اسلئے دور کر دیا جائے کہ قتل عام مین تجھے آسانیان مل جائین۔ یا تو اس سرے سے اُس سرے تک اطمینان کے ساتھ آگ لگا سکے۔

اب چار دیواریون سے تو کیا اس لئے باہر آ جانا چاہتی ہے کہ ہماری بچی بچی زندگی کا بھی خاتمہ کر دے۔ او ظالم اس قدر تاب گسل مظالم پر بھی تجھکو صبر نہ آیا، اب بھی تیری پیاس نہ بجھی۔

گو تیرے سحر مین محشور، لاکھ دہوکے دین، تربیت اولاد، تعلیم اولاد، تکمیل تہذیب، ترقی تمدن کے افسانے گائین، لیکن جسے خدا نے عقل دی ہے وہ تیری سرشت کو تیرے انجام کو خوب پہچان گئے ہین۔ اب تو چاہے علی گڈہ مین اپنی تعلیم و تہذیب کا دکھڑا تصنیف کر یا لکھنؤ مین تیرے لئے نظامی کا یہ فیصلہ ہے

اگر نیک بودے سرانجام زن ۔۔۔ زنان را مزن نام بودے نہ زن

بالکل درست ہے تو اسی کی مستحق ہے جا سامنے سے دور ہو اور کسی پاگل کو تہذیب و تعلیم کا تازہ فریب دے تو جن کے لئے مایۂ ناز ہے انہین کے سرون پر سوار رہ اور انہین کو

اپنی شرارتوں کا آلہ بنا۔ گو عقلمند تجھکو منہ نہ لگائے گا تو غضب الٰہی کی متحرک تصویر ہے۔ میرا دامن چھوڑ چھوڑ معاف کر۔

مرد سے

اے احسان فراموش۔ اے تو وہ کہ تجھے کبھی حقیقت کے انکار کرنے سے شرم نہین آئی، اور اے تو وہ کہ تجھے کبھی صداقت کو دنیا سے مٹا دینے کے لئے اپنی جسارت سے شکایت نہین ہوئی، دیکھ مجھکو اپنے اُن کارنامون کی یاد نہ دلا، جو ہر چند تیرے ناصیہ کاذبہ کے لئے طرۂ فخر و امتیاز ہون، مگر ہماری جنس کی تباہی اور بربادی کی سخت و روح فرسا المناک داستانین ہین۔ اے حق نشناس آج تو اپنے بائین پہلو کے چیرے جانے کی شکایت کرتا ہے (مدعا یہ ہے کہ میری اولین آفرینش کو بھی اپنے لئے باعث تکلیف ثابت کرے) حالانکہ تجھے یاد ہو گا کہ تو باوصف ایک وسیع فضا والی، پر بہار جنت کے مالک ہونے کے بھی افسردہ و مضمحل تھا، تو جنت سے بیزار تھا، تو نے آہ سرد سے فریاد کی کہ خلد سونی کیون ہے۔ خدایا باوصف تمام اسباب راحت و نشاط کے مہیا ہونے کے یہ ایک غیر معلوم ویرانی سی کیا ہے۔ فردوس جسے حقیقتاً گلشن ہی کہنا چاہیئے کیون اجاڑ سا نظر آتا ہے

کیا ان لہلہانے والے پہولون، تروتازہ پھلون، شاداب درختون، ان سکون نظر نہرون کے علاوہ بھی کسی اور چیز کی ضرورت ہے جو باغِ جنان مین نہین ہے اگر ہے تو وہ کیا ہے" جب بارگاہِ قدس مین اس تیرے غم والم اس بیقراری اضطرار کو فرشتے لے گئے تو تیرا وہ کھویا ہوا سکون جس کے لئے تو تڑپ رہا تھا تیری وہ حقیقی طمانیت اور راحت جس کا عوض جنت کی کوئی چیز نہین ہو سکتی تھی۔ تجھے میری صورت تیکل مین عنایت ہوئی اب چاہے تو پہلو کو چیرے جانے کی فریاد کرتا پھر، یا کوئی اور الزام خدا پر دے، کیونکہ رجب آگے مین ظاہر کرونگی، تو الزام رکھنے مین بڑا مشتاق وشاطر ہے، مگر یہ تو سمجھ کہ تجھے (بقول تیرے) اس عمل جراحی کی ضرورت تھی یا نہین، اگر ہم مان بھی لین کہ جب تیری پسلیان ایک دوسرے سے جدا کی گئین تو تجھے تکلیف ہوئی۔ لیکن اے کم فہم تجھے اس تکلیف سے یہ سبق نہین ملا کہ دنیا مین تجھے کوئی راحت کوئی لذت حاصل نہین ہو سکتی جبتک تو پہلے صعوبتون کو برداشت کرلے، اور اسی کے ساتھ کیا یہ تیری فطرت نہین ہے کہ ہر اس چیز کی تو زیادہ قدر کرے جو زیادہ محنت ومصیبت سے ہاتھ آئی ہے، لیکن لے تو وہ فریب مجسم کہ جبتک کوئی چیز تجھے دستیاب ہو سرا پا عہد وپیمان ہے اور جب مل جائے تو یکسر غفلت ونسیان، تجھے یہ بات تو یاد رہ گئی کہ مین تیرے لئے جراحت پہلو تھی۔ لیکن یہ بتا کہ راحتِ پہلو کون تھا، اگر احسان بھلا دینا تو اپنی خو نہ کرلیتا، اگر احسان کرنے والے کو ٹھکرا دینا تیری زندگی کا مہتم بالشان کارنامہ ہوتا، اگر حمیت وغیرت کے الفاظ تیری لغت

مین اصطلاحاتِ مہملہ ہوتے، اگر تو نکتہ شناس ہوتا، تو اے خیرہ چشم، تو سمجھتا کہ میرا تیرے پہلو سے پیدا کیا جانا سوائے اس کے کوئی معنی رکھتا ہی نہ تھا کہ تو مجھے ہمیشہ اپنے پہلو سے لگائے رکھتا۔ اور تو قدر کرتا کہ مین تیرے اس پہلو کا جزوِ لطیف ہون، جہان اے ظالم تیرا دل اب بھی تیری بے رحمیون پر سر دھُن رہا ہے۔

اے صداقت نواز، اے تو وہ کہ کذب وافترا کا تھا مالک بنا بیٹھا ہے ہابیل و قابیل کی پہلی عداوت کا ذمہ وار مجھے ٹھہراتا ہے بنی اسرائیل کی تباہی میرے سر تھوپتا ہے شاہان سلف کی بربادیان میری وجہ سے بتاتا ہے زاہدکی لغزش کو میری خطاؤن مین شمار کرتا ہے مجھے ہنسی آتی ہے (حالانکہ میرا ہنسنا بھی تیرے نزدیک جرمِ عظیم ہے، اور عجب نہین جو اتنا کہدینے سے اپنے کسی اور گناہ کو بھی جس کا ذکر کرنا تو پہلے بھول گیا ہو اب اس میری ہنسی کی وجہ سے بتادے) لیکن مین ہنسونگی اور کیون نہ ہنسون، جب مین یہ دیکھتی ہون کہ تو نے اپنے زعم باطل پر اعتماد کرکے غریب تاریخ کو بھی مجروح کرنے مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا جس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ وہ بھی بدقسمتی سے مونث ہی بولی اور لکھی جاتی ہے) کیا تجھے خبر نہین کہ تیرے بھائی قابیل کی قربانی خدا نے رد کردی تھی، اور ہابیل کی قبول کرلی تھی، کیا تجھے علم نہین کہ قابیل و ہابیل کی وجہ یہ بھی مگر جب تیری انشا مین کسی پر بہتان رکھنے کے لئے دلیل کی ضرورت نہین سمجھے گیا، تو کہدے گا کہ "اگر قربانی کا جھگڑا تھا تو کیا ہوا" قربانی بھی تو آخر مونث ہی ہے۔

بنی اسرائیل کی تباہی میرے سر تھوپتا ہے اے کافر نعمت، من وسلویٰ کھاتے کھاتے لہسن و پیاز کو میرا ہی جی للچایا ہوگا۔ موسیٰ جب کوہ طور سے لوٹے ہوں گے تو گوسالہ سامری کی پرستش کرتے مجھی کو دیکھا ہوگا، احکام خدا ورسول سے سرتابی میں نے کی ہوگی۔ تباہ و برباد ہو اپنی نافرمانی سے اور الزام رکھے مجھ پر، مگر کہدے کہ نافرمانی بھی تو مونث ہی ہے۔

بنو امیہ کی بربادی کا سبب مجھے بتاتا ہے بنو عباس کا زوال میری ذات سے متعلق کرتا ہے۔ مگر جب تو نے مجھ کو مجرم گرداننے میں تاریخ کی ورق گردانی کی ہوگی تو کیا تیری نظر سے یہ نہ گذرا ہوگا کہ بنو امیہ کی سلطنت حسینؑ کے خون سے قائم ہوئی اور اس لئے وہ سلطنت جو ایسے حادثۂ کبریٰ سے شروع ہوئی ہو اور جس کے تمام افراد نے بنو فاطمہؑ کے تباہ کرنے میں بیجا ظلم و ستم اپنا شعار کر لیا ہو وہ زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکتی۔ ہشام بن عبدالملک کا حال پڑھ جو ایک قوی تاجدار اس خاندان کا تھا۔ اور سمجھ کہ کیوں اس کے مرتے ہی سلطنت کا زوال شروع ہوگیا، اور کیوں ۸۳ برس کی مختصر مدت میں سلطنت حکومت زوال سب ہی کچھ ختم ہوگیا۔ بنو عباس اور بنو فاطمہؑ جو دونوں ایک دادا کی اولاد تھے، چاہیے تھا کہ بنی امیہ کے بعد مل کے زندگی بسر کرتے مگر نہیں وہ صلح و آشتی سے نہیں رہ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ مرد تھے۔ جن کے خمیر میں باہم جنگ و فساد موجود ہے، بنو عباس نے بھی بنو فاطمہؑ پر وہی بلکہ اس سے

زیادہ ظلم تو بڑے جو بنی امیہ نے کئے تھے۔ کیا عبداللہ بن حسن بن علی کو منصور عباسی نے قید کر کے مار نہیں ڈالا، کیا عبداللہ کے تیسرے بیٹے یحییٰ کو ہارون الرشید نے نہیں مروا ڈالا، کیا خلیفہ ہادی عورت تھا جس نے حسن مثلث کے پوتے حسین کو موضع فخ میں تہ تیغ کر دیا۔ خلیفہ معتصم باللہ مرد نہیں تھا جس نے عمر بن علی بن حسین کے پوتے محمد کو قید میں گھلا گھلا کر مار ڈالا،

کیا ہلاکو تیری جنس کا ایک بہادر فرد نہیں تھا جس نے خلافت عباسیہ کا تختہ بغداد میں جا کر اُلٹ دیا، مگر تو جواب دے گا کہ بنو اُمیہ تباہ ہوئے بنی فاطمہ کی بغاوتوں سے، بنی عباس برباد ہوئے اس وجہ سے کہ اخیر وقت میں وزرا سلطنت بنی فاطمہ سے مل گئے تھے اور چونکہ بنی فاطمہ کی اولاد تھے اس لئے تیرا الزام پھر وہی رہا۔ کیوں فاطمہ بھی عورت ہی تھیں!

تو نے فرہاد، مجنون، رتن سین کا بھی دکھڑا رو دیا ہے لیکن میں اس پر التفات نہیں کرتی، کیونکہ مجھے کیا خبر اُنھیں کوئی تکلیف تھی بھی یا نہیں، ممکن ہے جسے تو ناکامی سمجھ رہا ہو وہ اُن کے لئے کامرانی ہو، اور جس سے تو اب نفرت کر رہا ہے۔ وہ اُن کے لئے باعث محبّت و راحت ہو، تو اُن باتوں کا ذکر کیوں کرتا ہے جس سے کبھی مجھے واسطہ نہیں پڑا اور اُس کوچہ کا حال کیا بتاتا ہے جس سے تو نابلد ہے۔ زلیخا کا ذکر یوسفؑ سے کر کے پوچھ کہ پیغمبری کیونکر ملی یہی کافی ہے۔

اے گندم نما جو فروش یہانتک تو مختصراً جواب تھا تیرے رکیک الزامات کا اب سن کہ جن کی تو شکایت کر رہا ہے۔ وہ تیرے کس قدر شاکی ہین اور جن کی داستان ظلم تو نے سُنائی ہے وہ کتنی دُکھ بھری کہانیان اپنے دلون مین لئے ہوئے ہیں۔

عورت کی جنس اس لحاظ سے کہ انبیا، کی ماں تھی، اولیا، و فقرا کی ماں تھی، ساری دنیا کی مان تھی۔ اس کا احترام کیا جاتا، لیکن اے مرد، کہ تو نے ہمیشہ عورت کے نام سے زہر اُگلا تو ایک مان کی بھی عزت کیون کرتا، اور تو یون کیا عزت کرتا ہے۔ تو نے یہ بھی تو گوارا نہین کیا کہ خدا کی دی ہوئی عزت اس کے پاس باقی رہے۔

عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوا۔ یہ معجزہ تھا مریم کا۔ لیکن تو نے یہ گوارا نہین کیا کہ ایک عورت حامل معجزہ ہو اس لئے آج دنیا میں کوئی مریم کا نام اس لحاظ سے نہین لیتا اور یہ شرف بھی عیسیٰ کو دے دیا گیا۔

ایران جس کی تباہی کا تو نے ڈھنڈورا دیا، ہندوستان کا جس کے برباد ہونے پر تو نے ماتم کیا تجھے خبر ہے کہ وہ کیون برباد ہوئے، اور کیا تجھے علم ہے کہ وہان میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا تھا، ایران مین تو تیری جنس نے بیوی اور بہن کی تمیز اُٹھا دی تھی۔ اور ہندوستان مین ایک عورت تمام بھائیون کے تصرف مین رہتی تھی، کیا تو ایسا کرنے پر بھی دنیا مین جینے اور باقی رہنے کی تمنا

کرتا ہے ۔

میری جنس کی وہ رہبانیتین جن کی تخریب کا ذمہ وار مجھے ٹھہرایا جاتا ہے کہ اُن کی خانقاہین، اُن کے معابد کیا تھے، مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے یورپ چلے جاؤ۔ اور اُن کو کھدوا کر دیکھو اب بھی تہین تہ خانون مین ہزارون چھوٹے چھوٹے ڈھیر اون معصوم بچون کے مل جائین گے جو ماؤن کی گود سے چھین کر زندہ دفن کرا دیئے گئے تھے۔ صرف اس لئے کہ تیرے عیب دنیا پر ظاہر نہ ہونے پائین اور تو ویسا کا ویسا ہی زاہد بنا رہے۔ ہزارون لڑکیان جو تیرے تقدس مآب گروہ کے پاس طلب آخرت وبعیت توبہ وسلوک کے لئے آتی تھین حکمًا بند کر دی جاتی تھین، جاتی تھین کنواریان۔ اور لوٹتی تھین زبردستی مائین بنکر۔

کیا تو نے رومتہ الکبریٰ کی تاریخ نہین دیکھی، جہان آن واحد مین ہزارون عورتین ایک ایک مقدس راہب کے ادنےٰ اشارہ پر شاہراہون پر ذبح کر ڈالی جاتی تھین۔

۱۶۰۸ء مین پاپائے روم کے حکم سے میری جنس کی ہزارون عورتین صرف اس نوشبہ پر گرفتار کر کے سولی پر نہین چڑھا دی گئین کہ تمہین سحر آتا ہے کیا سترہوین صدی کے وسط مین غریب عورتین اس بیہودہ اعتقاد کی بنا پر گرفتار ہوتی تھین۔ تو وہ اقرار نہ کر لیتی تھین صرف اس ڈر سے کہ اگر انہون نے

انکار کیا تو ناخونون مین کیلین کس سے ٹھکوائی جائین گی، گرم لوہے کے داغ کس سے کھائے جائین گے ۔

اسے مرد تیرے الزامون کا کچھ ٹھیک ہے انگلستان کی لانگ پارلیمنٹ کے زمانے مین کیا تو نے ایک عورت پر الزام رکھکر کہ وہ اپنی جرابین اُتار کے اور صابون مین گھول کر طوفان برپا کر رہی ہے۔ پہلے اُسکے نو سال کے معصوم بچے کو اور پھر اُسے سولی پر نہین چڑھایا۔ کیا تو نے اُسی سال ایک خاص قانون عورتون کو پکڑ پکڑ کے جلانے مار ڈالنے کا نافذ نہین کیا تاریخین اُٹھا اور اپنے اِن کارنامون کو دیکھ دیکھکر خوش ہو کہ تو نے اِس طرح نوے لاکھ عورتین زندہ جلادین غرضکہ تو نے کوئی دقیقہ جسمانی و اخلاقی تباہیون کے لیے نہین اُٹھا رکھا، مگر وہ خدا جس نے تجھے اور ہمین اس دنیا مین یکسان حقوق دیکر بھیجا تھا۔ زیادہ عرصے تک اس طوفان عدوان و بغاوت کو نہ دیکھ سکا۔ اور اُس نے سرزمین عرب سے ایک ایسے شخص کو پیدا کیا جس نے سب سے پہلے ہماری خراب حالت پر دل دُکھا ! اور اپنی تعلیمات سے اپنی عملی زندگی سے دنیا کو بتایا کہ عورت تو دنیا کی محبوب ترین اشیا مین سے ہے ۔

اے ظالم اگر تو عورت پر ستم کرنا روا رکھتا ہے تو تجھے کیا حق حاصل ہے کہ تو عورت سے محبت و لطف کا طلبگار رہے، لیکن نہین تو اُن زیادتیون پر منفعل ہوگا شرمائے گا۔ اگر کبھی تجھے ہمارے دل کی حقیقی حالت کا اندازہ ہو جائے گا۔

کہ ہم تو اس پر بھی کچھ نہیں کہتے۔ اور تیری اطاعت فرض جانتے ہین۔ مگر تو اُن کے ہاتھون کے چھالون کی جو تیرے لئے چکی پیسنے مین پڑ جاتے ہین، تو اُن بیداریون کی جو تیری پرورش کے خیال مین غریب عورت کی نصف زندگی ہین، قدر کرنے کا اہل نہین، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ تو اس قابل تھا ہی نہین کہ تیرے لئے اتنا دکھ درد برداشت کیا جاتا۔

تو میری بے وفائیون کی شکایت کرتا ہے، لیکن کیا تجھے یہ کہتے شرم نہین آتی جبکہ وہ تمام باتین جو میرے لئے باعث ننگ و عار قرار دی جاتی ہین تیری بے حمیت زندگی کے لئے مایۂ نشاط ہین۔ ذراسی لغزش مین تو عورت کو گھر سے نکال دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے حالانکہ اُسی طرح کی ہزارون لغزشون سے تیری ہر رات معمور ہوتی ہے۔ مگر عورت تجھ سے یہ بھی سوال نہین کر سکتی کہ "بہ بر کہ بودی امشب"

اگر مین یہ کہون کہ کائنات کی ساری رونق گیتی کا یہ بازار عمل سب میرے دم سے ہے تو تو فوراً انکار کر دے گا کہ مرد کا بھی اس مین برابر کا حصہ ہے، لیکن تیرا انکار خدا کے فیصلہ سے انکار کرنا ہوگا جس نے مریم کے پیٹ سے عیسیٰ کو پیدا کر کے یہ دکھلا دیا کہ اگر تو دنیا مین نہوتا تو بھی یہ ساری آبادی یونہین طیار ہو سکتی تھی، اب تو کوئی مثال ایسی بتا کہ (بغیر عورت کے) صرف تو نے کبھی بچہ جنا ہو۔

مین بھی اگر تیری طرح الزامات لگانا چاہون تو کہہ سکتی ہون کہ ابلیس جس نے

سب سے پہلے حکم خدا کے انحراف کی بنیاد ڈالی مرد ہی تھا۔ وہ کوئی ابلیسہ نہ تھی، اگر تھی تو قرآن حدیث تاریخ سے تلاش کر کے مجھے بتا کہ کبھی کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ کیا یہ تیری ہی انانیت تھی کہ اُس نے تجھ سے مصر کے تخت جبروت واجلال پر انا ربکم الاعلیٰ کہلوایا، اور یہ تیری ہی سرکشی و نافرمانی تھی کہ مسیلمہ کو کذاب و بطال کا خطاب عنایت کرایا۔

تو شکایت کرتا ہے کہ یورپ میرے ہاتھوں سے تنگ ہے، حالانکہ تو اس سے زیادہ ظلم اور کیا کر سکتا ہے کہ تو نے مجھ سے میری نسائیت چھین لی، تو نے چاہا کہ تو ہی وہ سب کام کرے جو تو نہیں کر سکتا تھا، تو آزادی کا الزام عورتوں پر رکھتا ہے، حالانکہ تو ہی وہ تھا جس نے سب سے پہلے ہماری طبیعتوں کے خلاف ہماری فطرت کے منافی ہمارا پردہ توڑنا چاہا۔ لیکن اے نٹ کھٹ پہلے تو خود ہی میرے چہرے سے نقاب نوچکر پھینکدیا۔ اور پھر خود ہی بگڑ بیٹھا کہ یہ نقاب کیوں جدا ہوا۔ اللہ رے تیری ستم آرائیاں!

تو تو اُس دیوانہ کی طرح ہے جو خنجر و شمشیر سے اپنی حالت صحت میں کام لینا اچھی طرح جانتا تھا، لیکن جب تیرا دماغ پھر گیا اور اُن کا استعمال بھول گیا اور اس طرح اپنا ہاتھ آپ کاٹ لیا تو تلوار توڑ ڈالی کہ سارا قصور اس کا ہے خنجر پھینکدیا کہ اسی نے میرا ہاتھ زخمی کیا مگر کیا کوئی ذی فہم صرف اس وجہ سے تلوار اور خنجر کو بُرا سمجھنے لگے گا یا تجھی کو الزام دے گا کہ تو اُن کا اہل نہیں رہا۔

سُن اور کان کھول کے سن کہ!

مین ایک نغمۂ نشاط ہون، اگر تو قرینے سے رہے، لیکن یہ کیسا ظلم ہے کہ وہ نغمہ جو صرف تیرے کانون کے لئے ہے تو اُسے پکڑ کر اپنے منہ مین رکھنا چاہتا ہے اے دیوانے!

مین ایک نکہت دل آویز ہون، اگر تیرے حواس خراب نہون، لیکن یہ کیسی قیامت ہے کہ وہ شمیم جو صرف تیرے شامہ کے لئے ہے تو اس کو اپنی آغوش مین لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا آرزومند ہے، اے پاگل!

مین ایک پھول ہون اگر تجھے کچھ تمیز ہو، لیکن یہ کیا ستم ہے کہ وہ پھول جس کی خوشبو و رنگینی صرف تیرے دل کو مسرور بنانے کے لئے ہے، اس کی پنکھڑیان الگ الگ کر کے تو اُسے کھا جانا چاہتا ہے، اے بد دماغ!

مین ایک نورانی تسلی ہون اگر تجھ مین کچھ عقل ہو لیکن یہ کیا غضب ہی کہ وہ سکون جو صرف تھکے ہوئے دماغ اور کسلمند طبیعت کے لئے تھا تو اس سے طمانیت نہ پانے کی شکایت کرتا ہے حالانکہ تیرے دماغ نے کوئی کام نہین کیا کہ وہ تھک جائے اور پھر میری تلاش کرے تیری طبیعت ابتک سے کسلمند نہین ہوئی کہ اُسے میرے وجود کی ضرورت ہو، اگر تو میری حقیقی وقعت کرنا جانتا اور تجھے میری لذتون کا علم ہوتا، تو تو رات دن کام کرتا محنتین کرتا، دنیا مین بیکار نہ رہتا، اور پھر جب تجھ کو شگفتگی و تازگی کی ضرورت ہوتی تو میری جستجو کرتا اور پھر تازہ دم ہو کر کام مین لگجاتا۔

تو شاعر ہے یعنی اپنے جذبات کے ساتھ میرا ذکر کرنا تیرا شعار ہے، لیکن تجھے
شرم نہین آتی، کہ کس قدر خلاف واقعہ تو میری توہین کرنے پر آمادہ نظر آتا ہے۔
تو محافل مین میری برائیان کرتا ہے، میری اُن بیوفائیون کا ذکر کرتا ہے جو مجھ مین
نہین ہین، اور کبھی تو نے اپنے اُن مظالم کا حال بیان نہین کیا جن سے تیری
زندگی نے ترتیب پائی ہے، تو یہ تو سمجھتا ہے کہ عورت صرف سلسلۂ تناسل کا
ذریعہ ہے لیکن اے خیرہ نگاہ تجھے یہ خبر نہین کہ میرا احترام کرنے مین حقیقی راز
ترقی کا نہان ہے، مجھے بتا کبھی اُس عورت سے کسی مرد نے کوئی اچھی
صحیح الدماغ اور تنومند وتوانا اولاد پیدا کی ہے جس سے اُس نے نفرت کا اظہار
کیا۔ اے بے خبر! وہ صرف عورت کی معاشرت پر موقوف ہے چاہے
تیری نسل کو دنیا مین بگاڑ دے، چاہے بنا دے، دیکھ اس قدر بیزاری اظہار
نکر، تجھے معلوم ہوگا کہ لوط کی قوم نے مجھ سے بیزار ہو کر کیا ثمرہ پایا اللہ نے
وہ بستی کی بستی الٹ دی جس مین وہ نابکار، مردود، ملعون قوم عورت سے نفرت
کرنیوالی رہتی تھی۔ تو کہتا ہے کہ "میرا دامن چھوڑ" مین کہتی ہون کہ چل ہٹ، مجھ سے
بات نہ کر کہ تجھ سے بوئے خون آتی ہے۔ تو نے اپنی عاقبت بگاڑی تو مین
کیون تیرے پیچھے اس عذاب مین مبتلا ہون جو تیرا انتظار دست خدا مین کر رہا ہے

مدینہ بجنور

فلسفہ مذہب

علم تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات خصوصاً۔ اور عامۂ خلائق عموماً۔ اس امر کی واقعیت سے انکار نہین کر سکتے کہ اس عالم جسمانی کا وجود کسی نہ کسی وقت خاص سے ضرور شروع ہوا ہے جس کے پہلے موجودہ شکل نہ تھے۔

ہم اس امر سے قطع نظر کرتے ہین کہ موجودہ شکل سے پہلے کیا تھا۔ اور کیا نہین تھا اور آیا کچھ تھا بھی۔ یا نہین۔ اور یہ کہ وجود ضروری ہے یا عدم ۔ مگر اس بدیہی امر سے ہر عقیدے اور مذہب کے ماننے والے کو انکار کرنیکا کسی طرح موقع نہین مل سکتا کہ موجودہ شکل یا یون کہو کہ وہ ابتدائی جامۂ ہستی جس سے تبدیل اور تغیر اختیار کرتے ہوئے زمانہ موجودہ شکل تک پہنچا ہے۔ اُس شکل کے ابتدا کا کوئی خاص وقت تھا۔

اُس کے بعد عام اس سے کہ کسی وقت اور کسیقدر مدت گذرنیکے بعد انسانی نسل کے بانی کا وجود اس خاکدان عنصری مین آیا اور وہ سب سے پہلا انسان جب اس وسیع کرۂ ارضی پہ آیا تھا تو بلا شراکت غیرے تمام قطع عالم کا بلا مزاحمت مالک قطعی تھا۔

بیشک اس امر کے تسلیم کرنے مین عقل کو ذراسی بھی رکاوٹ نہین ہوتی کہ وہ خاکی پتلا اپنے ارادون مین خودمختارانہ عمل کرنے کا پورا مختار ہوگا۔ چنانچہ اسی اختیار اور اقتدار کا تو ذکر ہے جو خدائے پاک نے انی جاعل فی الارض خلیفہ کے بلیغ جملہ مین ظاہر فرمایا ہے اگر متذکرہ بالا حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے عقلِ انسانی کو حرکت دی جائے اور اس سے اسکے حقیقی فرض کو ادا کرایا جائے۔ تو فطرتاً طبیعت انسانی جس مین تلاش اور تحقیقات کا مادہ بھرے کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے ایک ہی سوال کو پیدا کرےگی جس کے مفہوم کو اگر ان الفاظ مین ادا کیا جائے تو بیجا نہوگا یعنی "مین کون ہون" "کیا ہون" "کہان ہون" اور یہ تمام جو کچھ کہ مین دیکھ رہا ہون کیا ہے۔ مین کس طرح یہان آیا۔ میرا یہان پہنچانے والا کوئی اور ہے یا نہین۔ اور اگر ہے۔ تو وہ کون ہے۔ کیا ہے۔ کہان ہے۔ اُسکے اور میرے درمیان مین کیا علاقہ اور کیا نسبت ہے اور یہ کہ مین کیونکر پیدا ہوا۔ خودبخود پیدا ہوگیا یا کسی نے پیدا کیا ہے۔

اس سوال کے پیدا ہونے تک انسان کے دماغ مین ہرگز کوئی خیال ایسا نہین آیا جس کو مذاہب عالم کی فروعی جکڑبندیون سے کچھ بھی تعلق ہو۔ لیکن اگر مذاہب عالم کی پابندیون اور کشاکش سے تھوڑی دیر کے لئے انسان آزاد محض ہوکر حقیقت مذاہب پر نظر ڈالے تو صرف ایک یہی خیال

باقی رہجائے گا جس سے کسی طرح کسی وقت آخر عمر تک انسانی ہستی کو چھٹکارا
نہین مل سکتا اور یہ امر صاف صاف نظر آجائے گا کہ صرف یہی خیال ہے جسکے
جواب کے مفہوم کو جمیع مذاہب عالم مختلف الفاظ مین ادا کرتے ہین لیکن جب
غور مین نگاہین اپنا کام کرینگی اور سطحی مناظر سے بڑھ کر تہہ کے حالات کو دیکھین گے
تو تمام مذاہب کے جوابات کا لُبّ لُباب ایک ہی نکلے گا۔ کعبہ مین جا کر خدا خدا
کہنے والے دیر مین پہنچکر بتون کے سامنے سر جھکانے والے سب کے سب
ایک ہی قوت لایزال کے پوجنے والے ثابت ہونگے۔

دنیا مین اسی سوال کا جواب تو جو معنوی حیثیت سے کل بنی نوع انسان
مین ایک متفقہ جواب ہے اگرچہ ادائے مفہوم جواب کے لئے صدہا اور ہزارہا
مختلف الفاظ مشہور ہین۔ یہی تو وہ قوت ہے جس نے اپنے وجود کا اقرار
سرکش سے سرکش اور نافرمان سے نافرمان سے بھی کسی نہ کسی وقت کراہی لیا ہے
دنیا مین کوئی دہریہ سے دہریہ نکلے گا جسکے دل مین کسی نہ کسی وقت اُسکے
وجود کا خطرہ ہو کر نہ گذر گیا ہو اور صرف یہی ایک خیال ہے جو انسانی
زندگی کے ساتھ مثل جزو لاینفک زندگی کے آخری تارنفس تک وابستہ ہے
پس جبکہ ہم اس امر کو طے کر چکے ہین کہ وہ پہلا انسان اپنے ارادون مین
بالکل آزاد و خود مختار رہا۔ تو اُسکے بعد ہمکو اس امر کے ماننے مین ذرا سا بھی
تامل نہین ہوتا کہ اُس پہلے اور تنہا انسان کو کسی دوسری قسم کا خیال ذہن مین

گذرنا قرینہ حالات گردوپیش کے قطعاً خلاف تھا۔ اور یہ امر صاف اور روشن ہے
کہ موجودہ مذاہب کے فروعی جکڑبندیون مین سے کسی قسم کا بھی خیال نہین آسکتا تھا
کیونکہ اگر اُس انسان کو موجودہ طرق مروجہ مذاہب کی بابت کسی قسم کا خیال
آنا بیان کیا جائے تو عقلِ انسانی اسکے ماننے مین ذرا تامل کریگی کہ طریقہ ہائے
مروجہ مین سے کسی طریقہ خاص کی پابندی کی تکلیف اُسی وقت لازم قرار
دی گئی تھی جس کا عمل دورآمد نسلِ انسان کی ترقی کے زمانہ مین ہورہا ہے۔
ہم نہین سمجھ سکتے کہ جبکہ وہ انسان تنہا بلا مزاحمت ہر قسم کے تصرف کرنیکا
مجاز تھا یا یون کہو کہ عقلاً مجاز نظر آتا ہے تو کونسی ضرورت ایسی تھی جسکی وجہ سے
اُس کو کسی حد کے اندر تصرف کرنیکا اختیار دیا جاتا اور ایک خاص محدود حد مین
روکا جاتا۔ اسلئے کہ جمیع مخلوقات عالم اُس وقت اُسکے مقابل مین بلحاظ عقل وہوش
ناقص وکمزور تھے۔ جو اُس کو اُسکے ارادون مین تصرفات کرنے سے کسی طرح
مانع نہین ہوسکتے تھے۔ اور کوئی برابر کی قوت نہ تھی جس کی خواہش سے اُسکی خواہش
ٹکراتی۔ اسلئے یہ کہنا ہرگز بیجا نہوگا کہ صرف وہی ایک خیال تھا جس کا جواب
مذہب انسان کہا جاسکتا ہے اور اسی کے بعد فتلقی آدم کلمتٍ کا مفہوم
بھی صاف سمجھ مین آجاتا ہے کہ وہ چند کلمات جو آدمؑ کو القا کئے گئے تھے
اُسی سوال کا جواب صحیح تعلیم فرمایا گیا تھا۔
لیکن جب اسکے بعد ہم یہ دیکھتے ہین کہ نسل انسانی روزبروز ترقی کرتی جاتی ہے

اور ایک جماعت کی حدتک پہنچ گئی ہے تو یہ خیال بھی فوراً ہی دل مین گذرتا ہے
کہ انسان کو اب ایک خاص طریقہ معینہ کی ضرورت ہو گئی ہے جس پر عمل پیرا
ہو کر انسانی جذبات وخواہشات اور ضروریات کو محفوظ رکھ سکے ۔ چنانچہ
دیکھ لیجئے اُسی وقت فوراً ہی تصادم خواہشات کا مذموم نتیجہ بھی پیدا ہو جاتا ہے
یعنی ہابیل اور قابیل ابنائے آدم کا ناگوار واقعہ ظہور مین آجاتا ہے اور کسی طرح
چارہ نظر نہین آتا کہ بنی آدم بغیر مقررہ طریقہ رہائش کے آرام کی زندگی بسر
کرسکتے ہون اور اسی لئے ماننا پڑتا ہے کہ انسان نے ضرور اپنے واسطے کوئی نہ کوئی
طریقہ مقرر کرنا چاہا ہوگا ۔

اب جبکہ ہم اس مقام پر پہنچے ہین تو ہمکو ایک طریقہ کے تعین کی تلاش کی
وجہ سے اس امر پر غور کرنا پڑتا ہے کہ وہ طریقہ کس طرح سے قائم کیا جائے
مگر جبکہ ہم پاتے ہین کہ ہر انسان جذبات نفسانی اور خواہشات ذاتی کے چکر
مین پھنسا ہوا ہے تو ہمکو قطعی ناامیدی ہو جاتی ہے کہ جمہور انسان کوئی نیک
اور بہتر طریقہ قائم کرسکے گا ۔ چونکہ ہم دیکھتے ہین کہ وہی خواہشات جن کے
تصادم کی حفاظت کی غرض سے کسی معینہ طریقہ کی ضرورت پڑی ہے اُسکے
تعین اور تقرر مین حارج اور سد راہ نظر آتے ہین اس لئے ہمکو کسی ایسے شخص
کی تلاش پڑتی ہے جو اغراض ذاتی اور خواہشات نفسانی سے بالکل معرا ہو
اور جو محض ہماری ہی بہبود و فلاح کے واسطے کوئی طریقہ خود یا کسی کے

بتائے ہوئے طریقہ کو سکہا لے -

پس ہم دیکھتے ہین کہ اُسی قوت لایزال نے جس کے وجود کا اقرار ہماری ہی خلقت ہمسے کرا چکی ہے اپنی رحمت کاملہ اور شفقت پدرانہ سے ہمارے ابنائے جنس مین سے ایک فرد کو عقل مین کامل اور جذبات سے معرّا فرماکر بہیجدیا ہے - جو بلا کسی امید معاوضہ کے ہماری ہی بہبود کی فکر مین شب و روز غلطان و پیچان رہتا ہے اپنی راحت و آرام کو بالکل خیرباد کہدیا ہے اور وہ اپنے آپ کو اُس قائم بالذات کا رسول مرسل اور پیغامبر بتاتا ہے جس کی تمام ہدایات کا خلاصہ اور ماحصل ہماری ہی بہبود اور فلاح نظر آتی ہے -

پس جب ہم دیکھتے ہین کہ ہمین کوئی طریقہ بتایا جارہا ہے جسکی پابندی کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہمارا فرض ہے اور اُس کی ضرورت کو ہم خود بھی فطرتاً تسلیم کرچکے ہین تو کوئی وجہ نہین ہے کہ ہم اُسکو تسلیم کرکر کاربند نہون جسکی کاربندی ہماری رکاوٹین اور اُن تمام دقتون کو یک قلم دفع کردیتی ہے جو ہمکو آے دن معاشرتی تعلقات کے لحاظ سے پیش آیا کرتی ہین اور جبکہ اُسکی پابندی سے ہماری ہی فلاح ہوتی ہو لیکن جس امر کو اُس طریقہ مین تلاش کرنا ہمارا فرض ہے وہ یہ ہے کہ طریقہ مقرر کردہ سے تعلیم جواب سوال اول اور رفع ضروریات داعیہ بنی نوع انسان بدرجہ کمال ہوتی ہے یا نہین - یا یون سمجھو کہ ہر زمانہ اور ہر وقت کے لحاظ سے اُس تعلیم سے رفع ضروریات پورے طریقہ سے ہوسکتے ہین یا نہین

اگر وہ تعلیم ہماری ضروریات کو پورا کرتی ہو اور انسان کے پہلے سوال کا جواب مکمل اور صحیح سکہاتی ہو تو بیشک وہ قابل تسلیم اور تعلیم ہے ۔

پس اب ہم کہتے ہین کہ یہی وہ طریقۂ معینہ ہے جس کا نام مذہب رکھا گیا ہے اور یہین سے یہ امر بھی صاف سمجھ مین آگیا کہ انسان نے فطرتاً مضطربانہ حالت مین اپنے ضروریات سے مجبور ہوکر ضرورت مذہب کو محسوس کیا ہے جسکے بغیر بقا نسل انسانی محال تھی اور جس طریقہ کا مقرر کرنا بسبب اختلاف طبائع خود اُس کے امکان مین نہ تھا جس کے بعد ہم دیکھتے ہین کہ اُس قوت مسلّمہ نے جسکو لفظ خدا یا گاڈ یا پرمیشر یا کسی دوسرے لفظ سے اہل دنیا تعبیر کرتے ہین اپنی شفقت اور رحمت کاملہ سے اُسی ضرورت انسانی کو بلحاظ وقت و حالات ہمیشہ پورا فرمایا کس قدر شکریہ اور امتنان کی مستحق ہے وہ ذات جس نے ہمیشہ مختلف اوقات مین مختلف ضروریات انسانی کے لحاظ سے طریقہ ہاے مذہب اپنے رسولونکی معرفت ہمکو تعلیم فرمائے اب جبکہ ہم اس مسئلہ پر اس مقام تک غور کر چکے ہین تو ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ آیا خداوند عالم کا یہ طریقہ کہ مختلف اوقات مین مختلف احکامات کے ساتھ انبیائ اور پیغمبر بہیجے مستحسن تھا یا یہ بہتر ہوتا کہ ایک پیغمبر کے ساتھ تمام احکامات جو زمانۂ آخر تک مذاہب مختلفہ مین نازل فرمائے ہین بہیجدیتا ۔

پس جب ہم مذہب کے اس پہلو پر غور کرنا چاہتے ہین تو ہمارا فرض ہے کہ اولاً ہم مقصود و مفہوم لفظ مذہب کو کسی قدر توضیح کے ساتھ دیکھین جسکے بعد ہم اُس

مسئلہ کے صحیح جواب تک پہنچ سکینگے۔ لہذا یہ امر تو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ افعال انسانی مین سے خود بخود مذہب نے نشوونما پایا ہے اب اس قدر دیکھنا ہے کہ مذاہب کے عناصر ترکیبی کیا ہین اور اُنمین سے کون مقدم اور کون موخر ہے۔

جہانتک ہم سمجھ سکتے ہین مذاہب وادیان عالم کی بنا صرف تین اصولون پر پاتے ہین جن مین سے اصل اول معرفت نفس۔ و معرفت خالق نفس ہے۔ پس یہ تو ظاہر ہے کہ اس اصول کے دونون ارکان فیمابین ایسے دست و گریبان ہین کہ مثل خبر لاینفک کے معلوم ہوتے ہین جس انسان نے اپنی ذات کو سمجھنا چاہا اور اُسکو سمجھ بھی لیا تو فوراً ہی خالق کی ذات کو بھی سمجھ لیا اور جس نے اُسکو سمجھ لیا تو گویا اُس نے بعینہ اپنی حقیقت اور حقیقت عالم کو پہچان لیا اسی اصل کے سمجھ لینے سے روحانی تعلیم کی تکمیل ہوتی ہے اور مذہب کا دوسرا عنصر طریقہ ہائے معاملات انسانی کے متعلق صحیح طریقۂ معاملت کی تعلیم ہے جس کے بغیر انسانی نسل دنیا مین نظر ہے نہ آئی اور اگر نظر آتی بھی تو مثل دیگر وحشیان و درندگان کے نظر آجاتی یہی وہ اصول ہے جس کی تعلیم پانے سے انسان نے انسانی شکل کو اپنے لئے اختیار کیا ہے۔ باقی آئندہ

سید حاجی حسن عاطر

موسمِ سرما

(ماخوذ از رامائن تلسی داس جی)

یہ سہانا سبزہ زار اور ٹھنڈی یہ ہوا
موسمِ سرما کی بھی کس درجہ دلکش ہے ہوا

یہ وہ موسم ہے کہ جسمین ہی عجب لطفِ بہار
پہول پانی مین شگفتہ ہین کنول کے جابجا

ٹہنی ٹہنی جھک گئی ہے سجدۂ شکرانہ مین
کچہ عجب دلکش ہے بیلون کے درختونکی ادا

گونجتے پہرتے ہین بھونرے اُف ری جوشِ انبساط
اور ہین سرگرمِ ترنم طائرانِ خوشنوا

اُجلی اُجلی کانس بنکر دشت مین ریشِ سفید
دیتی ہی برسات کی پیرانہ سالی کا پتا

جب سے بدلی ہے بساطِ دہر نے اپنی روش
ف ۱
آسمان پر جیسے نکلا ہی سہیلِ خوشنما

راستون کا ہوگیا ہی خشک پانی۔ اس طرح
جیسے استغنا نے حرصِ دنیا کو ہوا

اب کیچڑ کا نشان ہے اور نہ ہی گرد و غبار
ف ۱
پیاری رت ہی اور سہانی ہی زمین یون ہو وا

جسطرح دلکش کسی کا دورۂ انصاف ہو
۲
عدل گستر ہو رعیت پر کوئی فرمانروا

صاف ستھرا یون ہی تالابون کا پانی جسطرح
قلب صافی ہو کدورت سے کوئی نا آشنا

بادلون کے اب وہ ٹکڑے ہین نہ وہ ابرِ سیاہ
اب وہ ساون کے جھالے ہین نہ وہ کالی گھٹا

اب ہی مطلع آسمان کا صاف یون جسطرح ہو — پاک دنیا کی ہوس سے قلبِ مردِ باخدا

ق
ہو چلا پانی جو چھوٹے چھوٹے چشمون مین ہی کم — مچھلیون کا اضطرابِ دردِ دل بھی بڑھ چلا

جیسے ہو کم مائگی سے آہ! کوئی خانہ دار — فکرِ روزی مین غریقِ لجۂ بیم و رجا

اب بھی پڑ جاتے ہین یون دو چار چھینٹے گاہ گاہ — جیسے ہو صرفِ کرم کوئی تلون آشنا

مچھلیان یون گہرے پانی مین مگن ہین جسطرح — عابدونکے دلکو اطمینان کامل ہو عطا

ق
جوشِ غم سے مضطرب سرخاب کا جوڑا ہی یون — گو ہے نظارہ سوادِ دشت کا تسکین فزا

دیکھکر غیرونکی دولت کو دفورِ رشک سے — جسطرح آزردہ ہو کوئی حسود دنیا سزا

پیاس کے مارے پپیہا یون ہی سرگرمِ خروش — نالہ کش ہو جیسے کوئی منکرِ ذاتِ خدا

ق
ٹھنڈا ٹھنڈا چاند گرمی کی حرارت کیلئے — کر رہا ہی اسطرح جاڑے کی راتون کو جدا

دور کر دے دلسے اوہامِ پریشان یک قلم — فیضِ صحبت سے کوئی جسطرح ابیدِ رہنما

ق
چاندنی نکھری ہوئی ہی اور چکورونکا گروہ — ٹکٹکی باندھے ہوئے یون چاند کو ہی تک رہا

جیسے ہون خلوت مین محوِ جلوۂ دیدارِ حق — عابدانِ باخدا و زاہدانِ بے ریا

واہ! جاڑے کا بھی موسم کیا نشاط انگیز ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی روح پرور ہے عجب بادِ صبا

شاکر میرٹھی ،

زمانہ

خزان رسیدہ اک شجر تھا یہ ایک اُجڑا سا گلستان تھا
ہجومِ حرمان و یاس و حسرت کدھر کدھر تھا کہان کہان تھا

یہ وہ چمن ہے کہ گل کے بدلے پڑے ہین کانٹونکے ڈھیر ہر سو
اسی مین غنچے چٹک رہے تھے اسی مین بلبل کا آشیان تھا

پرِ عنادل ادھر اُدھر ہین کہ گل بھی لشکستہ کچھ پڑے ہین
بتا رہی ہے یہ بے ثباتی یہان یہ کل کوئی میہمان تھا

ہجومِ بلبل بھی ہی قیامت گلون کا کھلنا ہی ایک آفت
بہار آئی ہے اب وہان پر جہان یہ کل موسمِ خزان تھا

جو ابرِ رحمت کی چار بوندین پڑین تو بدلا کچھ ایسا نقشہ
عیان ہوا آج رازِ مخفی زمین کے اندر جو کل نہان تھا

فنا ہے سبکو فنا ہی سبکو بقا اسی ایک ذات کو ہے
شباب بھی آ کے کیا ٹھہرتا کہ چار ہی دن کا میہمان تھا

نہ آئی تجکو زمانہ سازی تو اپنی کی آپ خود خرابی

ترا ٹھکانا اے قومِ مسلم کہان کہان تھا کہان کہان تھا

بہار آئی کہ جان آئی چمن مین گویا کہ شان آئی ہو
خزان کے ہاتھون سے دیکھ ارمان لٹا ہوا سارکاروان تھا

ارمان تلمیذ جناب ثاقب صاحب بدایونی

غزل

کیا کہون تمسے ملاقات کی تدبیر نہین
لاکھ کوشش ہی مگر ایک بھی اکسیر نہین

شبِ فرقت مین ترا ہر گھڑی رہتا ہی خیال
سامنے سے کبھی ہٹتی تری تصویر نہین

خط ذرا دیکے مرا کہنا زبانی قاصد
بیجو اسی کی وجہ طاقتِ تحریر نہین

اپنی تحریر مین کس ناز سے وہ کہتے ہین
کون وہ شخص ہے تحریر ہو تقریر نہین

مین تو آتا رہا مگر آپ تو ملتے ہی نہ تھے
یہ تو تقصیر تمہاری مری تقصیر نہین

بیوفاؤن سے نہ رکھ دوستی ندرت تو کبھی
وقت مشکل کبھی وہ آئینگے بے پیر نہین

خواجہ معین الدین قادری المتخلص ندرت

تصور

اے تصور تیری خوبی کیا کسی سے ہو بیان — تیری جدت آفرینی کا ہی قائل اک جہان

تو کرے دم بھر مین رنگا رنگ بزم آرائیان — تو اگر چاہے بنا دے اک گل سے گلستان

تو مٹائے آکے دل سے رنج کے داغ و نشان — تو دکھائے سیر باغ رشک گلزار جنان

تو بڑھائے حسب منشا شان اشیا نہان — شئے ہر اک معلوم و مجہول آگے تیرے ہے عیان

ورنہ کی دیکھی ہوئی شئے دم مین تجہ سے ہو عیان — دور اندیشی مین اک تو ہی ہے یکتائے زمان

کھینچتا ہے اس طرح تصویر یار دلستان — دیکھکر صنعت تری ہوتے ہین گم تاب و توان

خواہشون کے پیش کرتا ہے تو نادر ارمغان — تو بناتا ہے عجب دلچسپ قصے داستان

جمع کر دیتا ہے تو اک دم مین گنج شایگان — صرف کر دیتا ہے اک لحظہ مین دولت بیکران

کیسی ہے خود اختیاری ذات مین تیری نہان — کوئی مجبوری نہین جو روک لے تیری عنان

کیون نہ شاعر تجکو چاہین شاعرونکی تو ہے جان — کیون نہ عارف تجکو مانین تو ہی انکا راز دان

مونس خلوت کوئی تجہسا زمانے مین کہان — وقت بد مین تو ہی دائم غمگسار و مہربان

تیری آمد ہے مبارک دل مصفا ہو جہان — تو ہے بد باطن کے حق مین اک بلائے ناگہان

عیب کو معیوب کے تو صاف کرتا ہے بیان — جذبۂ باطن کا موجب فعل ظاہر ترجمان

مول لیتا ہی مصیبت تجہ سے نادانِ مان — راحتین پاتا ہی تجہ سے مردِ عاقل بیگمان

تیری خیر اندیشیان کرتی ہین دل کو شادمان — تیری خیر آگاہیان ہوتی ہین تسکین بخش جان

ہوتی ہی سچی خوشی اُس شخص کو بی بیگمان — تو لباس صدق مین ہوتا ہی جسکا میہمان

تیری خوبی پر ہی دلدادہ ذہین تفتہ جان
کر رہا ہے تو ہی اسکی غمگساری ہر زبان

غزلیات

تا آزمائین یار ترے بانکپن کو ہم — اسواسطے ہین سر پہ لپیٹے کفن کو ہم

لائینگے ڈہونڈ ڈہانڈ کے دلمین خیالِ دوست — آباد پہر کرینگے اس اُجڑے چمن کو ہم

قربان ایسے خلعتِ آخر کے لے اجل — اُوڑہین مزار مین کہ بچہائین کفن کو ہم

مارا ہی زہر دیکے خطِ سبز یار نے — محشر مین لیکے جائینگے نیلے بدن کو ہم

کرتا ہی منع کیون سیئے گلگشت باغبان — لیجائینگے نہ سر پہ اُٹھا کر چمن کو ہم

صیاد جہاڑنے دے ذرا اسکو بال و پر — اُڑجائینگے نہ کنجِ قفس سے چمن کو ہم

جوہر شناس وہ ہین کہ اُس لب کے سامنے — لیتے ہین لعل کو نہ عقیقِ یمن کو ہم

جو آہِ دل ہی نغمۂ مطرب سے کم نہین — شادی کا گھر سمجھتے ہین بیت الحزن کو ہم

آوارہ ہوکے عالمِ وحشت مین مثلِ بو — ایسے گئے کہ پہر کے نہ آئے وطن کو ہم

ہونگے ہزار جان سے قربان ای ظہور
کنجِ لحد مین دیکھکے شاہِ زمن کو ہم

دیگر

دلدہی لطف و کرم کیا چیز دلبر مین نہین ... اُس مین سب کچھ ہی کچھ اپنے ہی مقدر مین نہین
یاد دلبر کی ہی دلمین دل مگر بر مین نہین ... عکس آئینہ مین ہی پر آئینہ گھر مین نہین
ہان اگر کرتے ہو برسون مین تو دم بھر مین نہین ... اے بتو انصاف کیا اللہ کے گھر مین نہین
مردہ دل وہ ہون کہ آکر دی جو دستک موت نے ... بیکسی رو کر پکاری کوئی اس گھر مین نہین
خشک عجب تیشۂ فرہاد نے ایسا کیا ... خون کی اک چھینٹ جسمِ سنگِ مرمر مین نہین
ہون وہ لاغر قابضِ ارواح نے وقتِ تلاش ... جھاڑکر دیکھا تو اِک تنکا بھی بستر مین نہین
وحشیو آؤ درِ زندان سے آتی ہے صدا ... کیل کا کھٹکا تلک زنجیر کے گھر مین نہین
تیغِ قاتل کو ہی کیا مردم شناسی کی تمیز ... صاف روشن ہی کہ پتلی چشمِ جوہر مین نہین
دیکھئے خط کہنا زبانی اُس سے کچھ مثلِ کلیم ... یہ اولوالعزمی کی بات اپنی پیغمبر مین نہین
ہم گنہگارون پہ کیا گذریگی تابش مین کریم ... نخل کیا جھنڈی تلک میدانِ محشر مین نہین

خط تو کیا تل بھی نہین اُس روی روشن پر ظہور
داغ مثلِ ماہ خورشیدِ منور مین نہین

ظہور حسین لکھنوی

چند ضروری قواعد

(۱) رسالہ ترک عثمانیہ بسرپرستی مالکجناب عالی القاب ہز ایکسلنسی مہاراجا یان راجہ کشن پرشاد
مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جی سی۔ آئی۔ ای جی یکار سابق مدار المہام سرکار عالی التخلص بہ شاد
تلمیذ حضرت آصف جاہ غفران مکان علیہ الرحمہ ہر ماہ ہلالی کے ہفتہ اول میں شائع ہوتا ہے

(۲) عام رسالوں کی طرح اس کی سالانہ قیمت مختلف تعداد میں نہیں رکھی گئی ہے کہ عام امراء و رؤسا
و والیان ملک سے علی قدر مراتب لیجائے بلکہ مذاق علمی میں آسانی حاصل کرنیکے لئے ایک قیمت رکھی گئی
ہے یعنی دو روپے سالانہ۔ علمی انجمنوں و سلطانی لائبریریوں کو بجانب سرکار مہاراجہ بہادر و مضامین نگار کو
بجانب مہتمم مفت دیا جائیگا۔

(۳) جواب طلب امور کے لئے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے ورنہ جواب بھیجنے کی
شکایت معاف۔

(۴) اگر کوئی صاحب از راہ عنایت اپنا کلام بھیجنا چاہیں تو اپنے نام و مقام کے پتے
کے ساتھ ماہ ہلالی کی ۱۵ تاریخ تک خوشخط لکھکر بھیجیں۔
اخلاقی۔ تاریخی۔ تمدنی مضامین ہوں۔ مذہبی مباحث یا پولیٹکل مضامین بھیجنے کی زحمت
نہ فرمائیں۔ جس مضمون کا طبع کرنا مناسب سمجھا جائیگا وہ طبع ہوگا نہ واپس۔

(۵) جملہ خط و کتابت بغیر ذریعہ مہتمم یا ایڈیٹر رسالہ ترک عثمانیہ ہونی چاہیے۔

مہتمم رسالہ ترک عثمانیہ



مزدک نیشاپوری

سرزمین ایران مین یکے بعد دیگرے جتنے مدعیان نبوت یا بانیان مذہب پیدا ہوئے ہین مزدک بن نامدار سب سے اخیر شخص ہے۔ اگرچہ مؤرخین نے اسکی جعلسازی و مکاری کو تسلیم کرلیا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی طبقۂ حکما کی صف مین لاکر کھڑا کردیا ہے۔ مولد و مسکن مزدک کا نیشاپور تھا لیکن تکمیل علوم کے بعد مداین مین چلا آیا تھا اور عہد قباد (پدر نوشیروان) مین اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ اسنے اپنے تابعین و پیدون کی ہدایت کے واسطے ایک دستور العمل بنایا تھا جسکا نام دیسنا د اسکا ترجمہ سہل فارسی مین آئین شکیب ایک مرید نے کیا تھا۔

مزدک کا دوسرا نام موبد موبدان بھی ہے۔ مزدک کے مذہب مین ہر آدمی دوسرے آدمی کے مال و ناموس پر یکسان اختیار رکھتا ہے اور اسی مزدک کے مذہب مین زنا کچھ گناہ نہ تھا۔

مزدک کا قول ہے کہ جہان کے دو صانع ہین ایک خیر کا فاعل ہے
اور وہ نور محض ہے جسکا نام یزدان ہے - یہہ سلاطین کی طرح
کرسی پر بیٹھتا ہے - اور دوسرا شر کا فاعل ہے اور وہ ظلمت ہے
جسکو اہرمن کہتے ہین - چنانچہ یزدان اور اہرمن ہر وجود کی علت ہین
نور کے تمام افعال اختیاری اور ظلمت کے اتفاقی ہین - یزدان نے
عقول - نفوس - آسمان - کواکب - بہشت - عناصر - معاد -
اشجار میوہ دار - حیوانات اور انسان کو پیدا کیا ہے - آگ کا جلانا -
پانی کا کشتی کا ڈبو دینا - جانداروں کا لوون کے لپٹ سے جل کر
خاک سیاہ ہو جانا - اور ہر قسم کی تکلیف دینا اہرمن کے افعال ہین
اور عالم عنصری کی حکومت اسکے ہاتھہ مین ہے - اہرمن کی تمام مخلوقات
فانی ہے اور یزدان حیات جاودانی بخشتا ہے - عبادت کا سزاوار
صرف یزدان پاک ہے - مسئلہ قیامت مین مزدک کا قول ہے کہ
جب ظلمت سے نور کے اجزا علیحدہ ہو جائین گے اور پرانی ترکیب
بدل جائیگی اُسوقت قیامت آئیگی -

مزدک نے ملک قباد بن فیروز (پدر نوشیروان عادل) کے زمانہ مین
گبرون کے مذہب کو برباد کرکے ایک جدید مذہب کی بنیاد ڈالنی
چاہی اور اس تحریک کا سبب یہہ تہا کہ مزدک کو علم نجوم مین کمال تہا

سیا۔ ون کی چال سے اُس نے یہہ نتیجہ نکالا تھا کہ اس عہد مین ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جسکا مذہب آتش پرستون۔ یہو دیون۔ عیسائیون اور بت پرستون کے مذہب کو باطل کر دین اپنے معجزات اور طاقت سے مذہب کی اشاعت کریگا اوسکا مذہب قیامت تک باقی رہے گا اسلئے مزدک کی تمنا تھی کہ وہ ہونے والا شخص مین خود ہی کیون نہ بنجاؤن لہٰذا اُسنے غور کرنا شروع کیا کہ کیونکر لوگون کو مذہب کی دعوت کرون اور ایک جدید مذہب ایجاد کرون۔ آخر کار اُسنے دیکھا تو بادشاہ کی مجلس مین اپنے آپکو معزز و محترم پایا اور یون بھی سب اسکو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ پیغمبری کے دعوے سے پہلے از قبیل محالات کسی نے اُسکی تقریر نہین سُنی تھی اس لئے اُس نے اپنے غلامون کو حکم دیا کہ وہ ایک مخفی جگہ سے سرنگ لگائین چنانچہ انہون نے آہستہ آہستہ اس کام کو ختم کر دیا اور ٹھیک آتشکدہ کے نیچے پہنچکر اُس مین ایک باریک سُوراخ کر دیا اسکے بعد **مزدک** نے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور یہہ اعلان کیا کہ مین اسلئے مبعوث ہوا ہون کہ زردشت کے مذہب کی تجدید کرون کیونکہ لوگون نے اوستا اور ژند کے معنی بُہلا دئے ہین اور یزدان کے احکام کی ٹھیک تعمیل مطابق ہدایت زردشت کے نہین کرتے۔

اور اُسکی مثال یہہ ہے کہ جب بعض افراد بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام (جو توریت مقدس کے بطابق تھے) کے خلاف تعمیل کرنے لگے۔ تب خدانے اُن پر دوسرا پیغمبر بہیجا کہ وہ توریت مقدس کے احکام کی تجدید کرے اور مخلوق کو سیدہے راستے پرلائے۔

چنانچہ جب یہہ صدا قباد کے کانون تک پہنچی تب اُس نے دربار مین بزرگان قوم اور مقتدایان مذہب کو جمع کیا اور سب کے سامنے مزدک سے اسطرح گفتگو شروع کی۔

قباد کیا تو پیغمبری کا مدعی ہے؟

مزدک ہان اور مین اسلئے بہیجا گیا ہون کہ زردشت کے مذہب مین جو آمیزش ہوگئی ہے اُسکو صاف کرکے اصلی حالت پر لے آؤن اور ژند وستا۔ کی صحیح تفسیر کرون۔ کیونکہ آج جن معانی پر عملدرآمد ہے یہہ بالکل غلط ہین۔

قباد کوئی معجزہ بھی رکھتے ہو؟

مزدک میرا معجزہ یہہ ہے کہ آگ جسکا تم سجدہ کرتے ہو وہ مجھ سے باتین کرتی ہے۔ اگر مین خدا سے عرض کرون تو وہ آگ کو حکم دے گا کہ میری پیغمبری کی گواہی دے اور یہہ شہادت علی رؤس الاشہاد ہوگی۔

مزدک کا یہہ دعویٰ سنکر قباد نے موبدوں سے پوچھا کہ اس مسئلہ مین تم کیا کہتے ہو۔ موبدوں نے کہا کہ سب سے پہلی بات تو یہہ ہے کہ مزدک ہمارے ہی دین وکتاب کی دعوت کرتا ہے اور زردشت کا مخالف نہیں ہے۔ البتہ ژند و استا۔ کی تفسیر مین گفتگو ہے کیونکہ اکثر آیتوں کی بیس طرح سے تفسیر ہو سکتی ہے اور مفسر کو تاویل کرنے کا اختیار ہے اور یہہ ہوسکتا ہے کہ مزدک کسی آیت کی تفسیر دلکش پیرایہ سے کرے لیکن تعجب تو یہہ ہے کہ وہ ہمارے معبود کو گویا کر سکتا ہے جو انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ موبدوں کی تقریر سُنکر **قباد** نے **مزدک** سے کہا کہ "اگر یہہ سچ ہے تو مین خود تیری پیغمبری کی گواہی دونگا" **مزدک** نے کہا کہ "اگر شاہنشاہ پورا وعدہ کرے اور کسی دن آتشکدہ پر مع اعیان دولت اور موبدوں کے قدم رنجہ فرمائے تو میری دعا سے خدائے عزوجل آگ کو گویا کر دیگا اور اگر شاہنشاہ کو منظور ہو تو یہہ آج ہی بلکہ اسی وقت ہوسکتا ہے" لیکن قباد نے کہا کہ ہم سب کل آتشکدہ پر جمع ہونگے۔ دوسرے دن مزدک نے اپنے تعلیم یافتہ مرید کو سُرنگ کے راستے سے آتشکدہ کے نیچے بھیجدیا اور اس کو سمجھا دیا کہ جب مین بلند آواز سے یزداں کو پکاروں تب تو روزن کے

نیچے سے جواب دینا کہ "اے یزداں پرستو مزدک کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ تمھارے حق میں سعادت دارین یہی ہے"
چنانچہ دوسرے دن شاہنشاہ قباد اکابرین مذہب اور معززین کے ہمراہ آتشکدہ پر گیا اور مزدک کو بھی بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا اور آتشکدہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر اُسنے اونچی آواز سے یزداں کو پکارا اور زردشت کی تعریف کر کے خاموش ہو رہا۔ چنانچہ آتشکدہ سے وہی ندا آئی جو اوّل بیان ہو چکی ہے جسکو سب نے سنا اور حیرت زدہ ہو گئے۔ قباد نے ارادہ کر لیا کہ مزدک کا پیرو ہو جائے غرض کہ آتشکدہ سے پلٹ کر قباد نے مزدک کو طلب کیا اور پھر آہستہ آہستہ اُسکا درجہ بڑہایا اور آخر کو مذہب مزدکیہ میں داخل ہو گیا اور مزدک کے واسطے ایک طلائی کار کرسی بنوائی گئی جب دربار عام ہوتا تو تخت پر وہ مرصع کرسی بچھائی جاتی اور اُسپر مزدک جلوہ افروز ہوتا اس موقع پر مزدک قباد سے بلندی پر بیٹھتا تھا۔ اب کچھ دلی ارادت سے اور کتنے ہی شاہنشاہ عجم کی خاطر سے مذہب مزدکیہ مین داخل ہوتے جاتے تھے اور شہر و دیہات کی خلقت دارالسلطنت میں آکر علانیہ یا خفیہ طور سے دائرۂ مزدکیہ میں شامل ہوتی جاتی تھی۔ مگر فوجی سپاہی کم متوجہ ہوتے تھے

مگر سلطنت کے دباؤ کی وجہ سے کچھ کھہ بھی نہیں سکتے تھے۔ اور موبدوں کا گروہ بھی اب تک الگ تھا اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ دیکھئے ژند وستا۔ سے کیا ظاہر ہوتا ہے اور چونکہ خود بادشاہ نے مذہب مزدکیہ اختیار کرلیا تھا اسوجہ سے جوق جوق لوگ اس مذہب کو قبول کرکے ایک دوسرے کے مال و دولت پر قابض ہوتے جاتے تھے۔ مزدک کا قول تہا کہ "دولت میں سب کا حصہ ہے" اور دلیل اس بات پر یہہ تھی کہ سب اللہ کے بندہ ہیں اور ایک ہی آدم کی اولاد ہیں پھر وہ کیوں محتاج رہیں؟ سب کو چاہئے مل جل کر صرف کریں تاکہ کوئی محتاج نہ ہو اور سب کی حالت یکساں رہے۔ جب قباد نے تقسیم دولت کے مسئلہ کو تسلیم کرلیا اور اسکے عملدرآمد پر رضامند ہوگیا تب مزدک نے اعلان کیا کہ عورتوں کو بھی سکۂ رائج سمجھو اور باہمی ملاقاتوں سے میل جول پیدا کرو تاکہ لذت شہوانی اور خواہشات دنیاوی سے محروم نہ رہو اور باب مراد سب پر یکساں کھلا رہے۔ غرض کہ صرف زن اور زر کی اباحت سے مذہب مزدکیہ میں اکثر لوگ داخل ہوتے جاتے تھے۔ خصوصاً عوام الناس۔ جب نوشیرواں نے یہہ رنگ دیکھا تو موبدوں کو پیغام دیا کہ تم لوگ اسقدر کیوں خاموش ہوگئے ہو اور کیوں ایسا عجز اختیار کرلیا ہے

مزدک کے معاملات میں نہ تو تم کچھ گفتگو کرتے ہو اور نہ میرے باپ کو نصیحت کرتے ہو کہ وہ کن حالتوں میں گرفتار ہو رہا ہے اور تم خود بھی اس مکار جعلساز کے پھندے میں پھنسے ہو۔ یہہ سگ ناپاک سب لوگوں کے مال کو تلف کئے ڈالتا ہے اور عورتوں کی عفت کا پردہ اُٹھا دیا ہے آخر کچھ بولو کہ مزدک کے دعوے کس بنیاد پر ہیں اور اگر ایک عرصہ تک تم ایسی چپ سادھے بیٹھے رہے تو یاد رکھو کہ مال و دولت کیساتھ تمھاری عورتیں بھی تشریف لیجائینگی اور ہمارے خاندان سے سلطنت رُخصت ہو جائیگی۔ لہذا تم سب شاہنشاہ کے حضور میں جاؤ اور واقعات دکھا کر التجا کرو کہ مزدک سے مناظرہ کرکے دیکھئے کہ وہ کیا دلائل پیش کرتا ہے اور ملک کے نامور لوگوں سے کہلا بھیجا کہ "میرا باپ سودائی ہو گیا ہے اور اُسکی عقل جاتی رہی ہے وہ اپنے بھلے کو بھی نہیں جانتا ہے لہٰذا آپ اسکا علاج کیجئے تاکہ وہ مزدک کے کہنے سُننے پر عمل نہ کرے۔ اور آپ بھی اُسکی باتوں پر فریفتہ نہو جائیں کیونکہ وہ سچائی پر نہیں ہے اور یہہ ظاہر ہے کہ حق کے مقابلہ میں باطل کو بقا نہیں ہے اگر آج غفلت ہوئی تو کل کچھ فائدہ نہ ہوگا"

نوشیروان کا پیام سُنکر بزرگان قوم خوف زدہ ہو گئے اور جو لوگ

جدید مذہب اختیار کرنے والے تھے وہ رُک گئے کہ آؤ دیکھیں
مزدک کہانتک عروج پاتا ہے اور نوشیروان کے اقوال کس
بنیاد پر ہیں (اُسوقت نوشیروان کی عمر ۱۸ برس کی تھی) اور قباد
سے بالاتفاق کہا کہ مزدک کی باتیں توہمکو نہایت ہی بُری معلوم ہوتی ہیں
کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے زمانۂ سلف سے آج تک نہ تو ہمنے کسی تاریخ
میں پڑہا ہے اور نہ کسی پیغمبر سے (جو ملک شام میں معبوث ہوئے ہیں)
سنا ہے اسکے جواب میں قباد نے کہا کہ اچھا مزدک سے تم خود
پوچھ دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟ چنانچہ مزدک طلب ہوا اور اُس سے
سوال کیا گیا کہ اپنے قول و فعل پر جو دلائل رکھتے ہو بیان کرو"
مزدک نے کہا کہ "زردشت نے ایسا ہی فرمایا ہے اور یہی زندوستا
میں لکھا ہے لیکن ان آیتوں کے معنی سے لوگ واقف نہیں ہیں اگر
میری بات پر اعتبار نہیں ہے تو آگ سے تصدیق کر لو" چنانچہ آتشکدہ
پر پھر مجمع ہوا اور آواز آئی کہ "حق یہی ہے جو مزدک کہتا ہے نہ یہ
کہ جو تم کہتے ہو" غرضکہ اس مرتبہ بھی موبد شرمندہ ہو کر لوٹ آئے
اور دوسرے دن نوشیروان سے حال بیان کیا نوشیروان
نے کہا "مزدک کا دعویٰ ہے کہ اسکا مذہب تمام اصول میں زندشت
کے مذہب کے موافق ہے البتہ صرف انہیں دو مسئلوں میں۔

(زن ۔ زر) ایک عرصہ کے بعد **قباد** اور **مزدک** مین پھر گفتگو شروع ہوئی جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ **مزدک** کی زبان سے نکلا کہ اس مذہب میں بطیب خاطر لوگ داخل ہوتے جاتے ہیں اور اگر کہیں شاہزادہ **نوشیروان** بھی شامل ہوجاتا تو پھر کیا کہنا تھا۔ یہہ سُنکر **قباد** نے پوچھا کہ کیا **نوشیروان** اس مذہب میں نہیں ہے **مزدک** نے کہا کہ نہیں چنانچہ **نوشیروان** فوراً طلب ہوا اور باپ بیٹوں میں اس طرح گفتگو شروع ہوئی۔

قباد۔ ایجان پدر کیا تو مزدک کا پیرو نہیں ہے؟

نوشیروان۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نہیں ہوں۔

قباد۔ آخر اسکا سبب؟

نوشیروان۔ مزدک ساری خدائی کا جھوٹا اور مکّار شخص ہے۔

قباد۔ جو شخص آگ کو گویا کر دیتا ہے وہ مکّار کیونکر ہوسکتا ہے؟

نوشیروان۔ اصول میں خاک ۔ باد ۔ آب ۔ آتش چار عنصر ہیں جو شخص آگ کو گویا کر سکتا ہے اسکو حکم دیجئے کہ وہ بقیہ عناصر کو بھی گویا کر دے اگر ایسا ہوا تو میں اُسکا دل و جان سے پیرو ہو جاؤں گا۔

قباد۔ مزدک کا ہر قول ژند وستا۔ کے مطابق ہے۔

نوشیروان۔ کیا یہہ مزدک کا قول نہیں ہے کہ لوگوں کی عورتیں

اور دولت سب پر مباح ہیں - عہد زر دشت سے آج تک کسی
مفسر نے یہہ تفسیر نہیں کی ہے - مذہب کو حصول زر اور زن کے لئے
ایک آلہ بنا لیا ہے اور جبکہ یہہ دونوں چیزیں مباح کردی گئیں تو پھر انسان
اور حیوان میں فرق ہی کیا باقی رہا اور یہہ چلن بھی چوپایوں کا ہے کہ وہ
خور و نوش .... میں یکساں ہیں اور کوئی سمجھدار آدمی اسطرح
کی زندگی کو پسند نہیں کرتا ہے -
قباد - خیران باتوں کو جانے دو کسی بیٹے کو اپنے باپ کے خلاف
نہ ہونا چاہئے -
نوشیروان - یہہ چلن میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے میری طبیعت
ہرگز ایسی نہ تھی جب میں نے دیکھا کہ آپ ہی اپنے باپ کے خلاف ہوگئے
تو میں نے بھی آپکی مخالفت کی اب میں مجبور ہوں -
جب یہہ سلسلۂ کلام یہانتک پہنچا تو **مزدک** اور **قباد** نے
نوشیروان سے کہا کہ یا تو کوئی ایسی دلیل پیش کرو جس سے
مزدکیہ کا پورا رد ہو جائے یا کسی ایسے شخص کو لاؤ جسکی حجت **مزدک**
سے زیادہ پرزور ہو ورنہ ایسی سزا دوں گا جس سے دوسروں
کو عبرت ہو -
چنانچہ اتمام حجت کے لئے **نوشیروان** نے چالیس دن کی مہلت مانگی

اور وہ درخواست منظور ہوگئی - جب مجمع منتشر ہوا اور **نوشیروان** **قباد** سے رخصت ہوکر واپس آیا تو اُسنے شہر کول (جو صوبہ فارس کا ایک مشہور قصبہ ہے) کے موبد کی خدمت میں ایک قاصد روانہ کیا اور خط میں لکھا کہ "جسقدر جلد ممکن ہو سکے آپ تشریف لائیں - کیونکہ مجھ سے اور والد ماجد سے اور **مزدک** سے اس قسم کا جھگڑا درپیش ہے" چنانچہ انقضائے میعاد پر قباد نے دربار کیا اور **مزدک** کو درباری کرسی پر جو ایک تخت پر بچھی ہوئی تھی بیٹھنے کا حکم دیا - **نوشیروان** بھی بلایا گیا اور **مزدک** کے حکم سے **قباد** نے پوچھا کیا جواب ہے؟ **نوشیروان** نے کہا کہ اسی تدبیر میں ہوں یہہ سُنکر **قباد** نے کہا کہ وقت ہو چکا اور **مزدک** نے حکم دیا کہ **نوشیروان** کو گرفتار کر کے قتل کردو چنانچہ لوگ **نوشیروان** سے لپٹ گئے اور **قباد** خاموش ہو رہا **نوشیروان** نے **قباد** سے جھلا کر کہا کہ "میرے قتل میں آخر اسقدر جلدی کیوں کیجاتی ہے جبکہ ایفائے وعدہ کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی ہے کیونکہ چالیسواں دن ابھی نہیں گذرا ہے اگر آج کا دن بھی پورا ہو جائے تو البتہ آپکو اختیار رہے" اسپر سرداران فوج اور موبدون نے بھی غل مچایا کہ ہاں ہاں **نوشیروان** سچ کہتا ہے - چنانچہ

قباد کے حکم سے نوشیروان۔ مزدک کے چنگل سے چھوٹ گیا جس وقت نوشیروان مکان پر پہنچا ہے اسی وقت شہر کول کا موبد بھی آپہنچا اور ناقہ سے اُتر کر اطلاع کرائی کہ موبد فارسی آگیا ہے خادم سے یہہ خوشخبری سُنکر نوشیروان باہر نکل آیا اور جوشِ مسرت سے موبد کے گلے لپٹ گیا اور کہا "آپ سمجھیں گویا میں نے آج ہی جنم لیا ہے پھر صبح کا واقعہ بیان کیا" موبد نے کہا "آپ اطمینان رکھیں سچ وہی ہے جیسا آپ کہتے ہیں اور مزدک خطا پر ہے میں آپ کی طرف سے ہر طرح کی جوابدہی کرونگا اور قباد کو عقاید مزدکیہ سے منحرف کر دوں گا۔ لیکن قبل اسکے کہ مزدک کو میرا آنا معلوم ہو میں بادشاہ سے ملنا چاہتا ہوں"۔ نوشیروان نے کہا کہ یہہ معمولی بات ہے اور محل سرا میں حاضر ہوکر نوشیروان نے ملاقات کی اجازت چاہی اور حضور میں پہنچکر بعد دعا و ثنا کے عرض کی کہ "جس موبد کو میں نے فارس سے مزدک کے مقابلہ کیلئے طلب کیا تھا وہ آگیا ہے لیکن وہ پہلے شاہنشاہ سے ملنا چاہتا ہے تاکہ تخلیہ میں اسکی تقریر سُنی جائے چنانچہ قباد نے حاضری کی اجازت دیدی اور شب کے وقت نوشیروان موبد کو لیکر حاضر ہوا موبد نے بعد معمولی مدح و ثنا کے قباد کے روبرو اس طرح پر تقریر

شروع کی کہ "مزدک مغالطہ میں پڑا ہوا ہے وہ اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے میں تو اسکو خوب جانتا ہوں اور اسکی عقل و دانش سے بھی واقف ہوں۔ ہاں وہ کسیقدر نجوم جانتا ہے مگر اس معاملہ میں جو حکم اسنے لگایا ہے وہ غلط ہے۔ البتہ وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ ایک شخص ظاہر ہوگا اور وہ ایک معجز کتاب بھی پیش کریگا اور طرح طرح کے معجزے بھی دکھلائیگا مہتاب کو آسمان پر دو ٹکڑے کر دیگا اور تمام دنیا کو سچے مذہب کی دعوت دیگا۔ اور اسکا مذہب پاکیزہ ہوگا۔ آتش پرستی وغیرہ کو مٹا دیگا دوزخ سے ڈرائے گا اور جنت کا امیدوار بنائے گا۔ اور اسکی شریعت مال و حرم کی محافظ ہوگی وہ بندگان خدا کو شیطان سے بچائے گا۔ اسکی فرشتوں سے دوستی ہوگی وہ آتشکدوں بتکدوں کو ویران کر دیگا۔ اسکا مذہب ساری دنیا میں پھیل جائیگا اور قیامت تک باقی رہے گا۔ زمین و آسمان اسکی دعوت کی تصدیق کرینگے" مزدک کو اب یہ دُھن سوار ہو رہی ہے کہ وہ آنیوالا پیغمبر میں خود ہی بنجاؤں مگر یہ نہیں جانتا ہے کہ وہ عجم کی خاک سے پیدا نہ ہوگا اور مزدک عجمی الاصل ہے اور وہ پیغمبر آتش پرستی سے منع کریگا اور زردشت کا منکر ہوگا مگر مزدک زردشت کا پیرو ہے اور آتش پرستی کو جائز رکھتا ہے۔ وہ پیغمبر کبھی یہ اجازت نہ دیگا کہ لوگ پرائی عورتیں تکیں

یا ناحق کسیکا مال چھین لیں وہ چوری کی حالت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیگا حالانکہ مذہب مزدکیہ میں زر اور زن سب پر مباح کر دئیے گئے ہیں اس پیغمبر پر آسمان سے وحی نازل ہوگی اور مزدک کا یہہ حال ہے کہ وہ آگ سے اپنی تصدیق کراتا ہے بہرحال مذہب مزدکیہ ایک بے بنیاد چیز ہے اور کل شاہنشاہ خود مُلاحظہ کرینگے کہ میں اسکو کیا رسوا کرتا ہوں ۔ مزدک چاہتا ہے کہ سلطنت آپکے خاندان سے دوسرے خاندان میں چلی جائے اور خزانہ کو خود للے تللے کرے اور آپکو ایک معمولی شخص کے برابر کر دے اور خود بادشاہ بنجائے قباد کو موبد کی تقریر پسند آئی دوسرے دن دربار منعقد ہوا ۔ مزدک کرسی زرنگار پر بیٹھا اور نوشیروان قباد کے سامنے کھڑا ہوا ۔

سرداران قوم اور علمائے سلف بھی موجود تھے ۔ اُسوقت فارس کے موبد نے مزدک سے پُوچھا کہ "کہ ابتدا کلام کی میری جانب سے ہوگی یا تمہاری،، مزدک نے کہا نہیں ابتدا آپکی جانب سے ہونی چاہئے میں تو جواب دینے والا ہوں ۔ یہہ سُنکر موبد نے کہا کہ آپ میری جگہہ کھڑے ہوں اور میں آپ کی جگہ بیٹھوں ۔ یہہ سنکر مزدک شرمندہ ہوا اور یہہ کہکر چپ ہورہا کہ میں شاہی حکم سے اس جگہ بیٹھا ہوں ۔ آپ سوال کریں میں جواب دوں گا ۔ چنانچہ فریقین میں اسطرح گفتگو شروع ہوئی

موبد آپ نے اپنی دولت کو سب پر مباح کر دیا ہے اور اس دنیا میں جو لوگ سرائے پل آتشکدہ بناتے ہیں یا خیرات کرتے ہیں کیا یہہ عالم آخرت کے واسطے نہیں کرتے ہیں ؟

مزدک ہاں میرا تو ایسا ہی خیال ہے ۔

موبد جب دولت مشترک ٹھیری تو خیرات کا ثواب کسکو ہو گا ۔

(مزدک نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا ۔

موبد ۔ یہہ بادشاہ جو اسوقت تخت پر بیٹھا ہوا ہے حقیقت میں بادشاہ ہے اور شاہ فیروز کا بیٹا ہے اور سلطنت وراثت میں پائی ہے ۔ اور یہی حال فیروز کا بھی تہا اب اگر بادشاہ بیگم سے دس مرد ...... کریں اور فرزند پیدا ہو تو وہ کسکا سمجھا جائیگا ۔ اور جب بادشاہ کی نسل منقطع ہو جائیگی تو پھر کوئی اولاد بھی نہو گی ۔ بڑائی اور چھوٹائی کا حقیقت میں دولتمندی اور مفلسی سے مقابلہ ہوا کرتا ہے ۔ جب کوئی محتاج ہو گا تو ضرورتًہ مالدار کی خدمت اور مزدوری کرنی پڑیگی جب مال مباح ہو جائے گا تو پھر یہہ رشتہ دنیا میں باقی نہ رہیگا اب آپ کا یہہ ارادہ ہے کہ شاہنشاہ عجم کے خاندان سے سلطنت کا استیصال کر دیا جائے ۔

دمزدک نے کوئی جواب نہیں دیا ۔

قباد (مزدک سے مخاطب ہوکر) موبد کے ہر سوال کا جواب دینا چاہیئے

مزدک اسکا جواب یہی ہے کہ آپ موبد کے قتل کا حکم صادر فرمائیں

قباد بغیر حجت کسی کی گردن نہیں کاٹنی چاہئیے۔

مزدک اچھا میں بطور خود کوئی حکم دینا نہیں چاہتا ہوں آگ سے پُوچھتا ہوں۔

اس تقریر سے سب لوگ خوش ہوئے کیونکہ آج نوشیروان کی جان بچ گئی اور مزدک قباد سے رنجیدہ ہوگیا کیونکہ اسکے حکم سے قباد نے موبد کو قتل نہیں کرایا اور اپنے دل کو یوں سمجھالیا کہ آج تو جان بچا لو میرے قبضے میں بکثرت لوگ ہیں کوئی ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ جس سے قباد کا خاتمہ ہی ہوجائے گا اور نوشیروان وغیرہ کو اسپر آمادہ کیا کہ کل آتشکدہ پر مجمع ہو چنانچہ سب کا اسپر اتفاق ہوگیا اور دربار برخاست ہوا۔

جب رات ہوگئی تو مزدک نے اپنے ہمراہیوں کو بلایا اور انعام دیکر آیندہ سپہ سالاری کا اُمیدوار کیا اور اُن کو قسم دی کہ خبردار کسی سے یہہ حال نہ کھنا اور دو تلواریں ان کے سپرد کیں اور کہا کہ ”جب آتشکدہ پر قباد مع موبد اور سرداران فوج کے پہنچ جائے اور آگ قباد کے قتل کا حکم دے اُسوقت تم دونوں فوراً تلواریں

کھینچ کر قباد کا خاتمہ کر دینا کیونکہ کوئی شخص تلوار لیکر نہ جائے گا" دونوں نے اقرار کیا اور رخصت ہو گئے دوسرے دن آتشکدہ میں مجمع ہوا اُسوقت موبد فارسی نے **نوشیروان** سے کہا کہ "اپنے ملازموں میں سے خاص دس آدمیوں کو حکم دو کہ وہ اپنے لباس میں تلواریں چھپا کر لے چلیں،، اور **مزدک** کا قاعدہ تھا کہ جب وہ آتشکدہ پر جاتا تھا تو اوّل اپنے غلاموں کو وہ الفاظ سکھا دیتا تھا جنکا کھلوانا مقصود ہوتا تھا۔ چنانچہ آج بھی ایسا ہی انتظام کر کے روانہ ہوا تھا جب سب آتشکدہ پر پہنچ گئے تو **مزدک** نے **موبد** سے کہا کہ اوّل آپ آگ سے باتیں کیجئے۔ موبد نے کچھ پوچھا مگر جواب نہ ملا۔ تب **مزدک** نے کہا کہ "اے آگ میری سچائی پر گواہی دے اور ہم میں جھگڑا درپیش ہے اسکا فیصلہ کر،، چنانچہ آتشکدہ سے آواز آئی کہ مجھ میں کل سے ضعف پیدا ہو گیا ہے اوّل مجھ کو **قباد** کا دل و جگر کھلاؤ تب میں فیصلہ کر سکتی ہوں اور **مزدک** تمھارا رہنما ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس دنیا میں تمھارے لئے راحت جاودانی کا سامان کرے،، یہہ سنکر **مزدک** نے کہا کہ آگ کو قوت دینی چاہئیے اور دو آدمی فوراً تلواریں تول کر قباد پر لوٹ پڑے۔ اسوقت **موبد** نے **نوشیروان** سے کہا کہ اپنے باپ کی

خبر لے چنانچہ **نوشیروان** کے دس آدمی تلواریں کھینچ کر مقابلہ پر کھڑے ہو گئے اور **قباد** کو بچا لیا۔ لیکن **مزدک** یہی بکے گیا کہ آگ یزداں کے حکم سے گویا ہے۔ اُسوقت آتشکدہ پر دو گروہ ہو گئے تھے۔ بعض چاہتے تھے کہ **قباد** کو زندہ یا مردہ آگ میں جھونکدیں اور بعض کہتے تھے کہ نہیں ابھی تامل کرنا چاہئیے۔ غرض کہ شام کو سب پلٹ آے۔ **قباد** نے کہا کہ شاید مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا ہے جسکے سبب سے آگ مجھے ایندھن بنانا چاہتی ہے۔ ایسی صورت میں جل جانا عذاب آخرت سے بدرجہا بہتر ہے۔

اس واقعہ کے بعد دوسری مرتبہ موبد نے پھر **قباد** سے تخلیہ کی ملاقات کی اور بادشاہوں اور موبدوں کا تذکرہ کیا اور اور اُن کے حالات سے یہہ ثابت کیا کہ " **مزدک** پیغمبر نہیں ہے بلکہ سلاطین کا دشمن ہے جسکی دلیل یہہ ہے کہ اوّل اُسنے نوشیروان پر حملہ کیا جب کامیاب نہوا تو آپ کے خون کا پیاسا ہوا۔ اگر میں نے پہلے سے اسکا بندوبست نہ کر لیا ہوتا تو آج آپ ضرور مارے جاتے کیا آپ یہہ سمجھتے ہیں کہ سچ مچ آگ سے آواز آتی ہے۔ میں ایک تدبیر سے اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہوں اور یہہ باور کرا دیتا ہوں کہ آگ کسی سے باتیں نہیں کرتی ہے۔ " اور آخر کار موبد نے

قباد کو باور کرا دیا جس سے وہ اپنے افعال پر شرمندہ ہوا ۔
موبد نے **قباد** سے یہ بھی کہا کہ آپ **نوشیروان** کو نادان بچہ
نہ سمجھیں وہ ساری دنیا پر حکومت کر سکتا ہے اب آپکو اسکی رائے
سے انحراف نکرنا چاہئے ۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ خاندان ساسان میں
سلطنت باقی رہے تو مزدک کی باتوں پر دل نہ لگانا چاہئے ۔ اور
نوشیروان سے کہا " کسی تدبیر سے **مزدک** کے خدمتگار
کو ملانا چاہئے اور اسکو لالچ دیکر آگ کا حال پوچھنا چاہئے تاکہ آپکے
باپ کے دل سے سارے شبہے مٹ جائیں " چنانچہ **نوشیروان**
کو ایک شخص مل گیا جسنے مزدک کے خدمتگار سے دوستی پیدا کرکے
اسکو نوشیروان تک پہنچا دیا ۔ **نوشیروان** نے خلوت میں
بلاکر ایکہزار دینار اسکے سامنے رکھدئے اور کہا کہ آج سے تو میرا دوست
اور بھائی ہے مجھ سے جہانتک ہو سکیگا تیرے حق میں بھلائی کرونگا
اسوقت میں ایک بات پوچھتا ہوں اگر سچ کہوگے بتو یہہ انعام تمھارا ہے
اور میں تم کو اپنا مصاحب بناؤنگا اور اگر جھوٹ کہا تو یاد رکھو کہ
سر نہ ہوگا ۔ خدمت گار ڈر گیا اور کہا اگر میں سچ بیان کروں تو
کیا آپ وعدہ پورا کرینگے ۔ **نوشیروان** نے کہا کہ ہاں پورا کرونگا
یہ کہکر **نوشیروان** نے کہا کہ اچھا بتاؤ یہہ کیا حیلہ ہے کہ مزدک سے

آگ باتیں کرتی ہے۔ خدمتگار نے راز کے پوشیدہ رکھنے کا وعدہ لیا
اور کہا کہ آتشکدہ کے قریب ایک قطعہ آراضی ہے جسکے چاروں طرف
بلند دیوار کھنچی ہے اور ایک چھوٹا سا سوراخ آتشکدہ کی جانب
کر لیا ہے۔ جب **مزدک** وہاں کسی کو بھیجتا ہے تو وہ الفاظ سکھا
دیتا ہے اور وہ شخص سوراخ پر منہ رکھکر باتیں کرتا ہے سننے والے
جانتے ہیں کہ آگ باتیں کرتی ہے" یہہ سنکر **نوشیروان**
خوش ہو گیا اور اسکو واقعہ سچا معلوم ہوا ہزار دینار کا صلہ خدمتگار
کو دیا اور رات کے وقت قباد کے روبرو سارا حال بیان کر دیا
قباد کو **مزدک** کی مکاری اور اس دلیری پر سخت تعجب ہوا اور
اسکے دل سے سارے شکوک مٹ گئے اور موبد کی بہت تعریف کی۔
موبد نے کہا کہ میں نے اول ہی عرض کی تھی کہ مزدک بڑا مکار ہے۔
قباد نے کہا کہ اب مجھکو اسکی مکاری معلوم ہو گئی ہے لیکن یہہ بتاو
کہ وہ کیونکر قتل کیا جا سکتا ہے؟ موبد نے عرض کی کہ ایکبار آپ پھر
دربار منعقد فرمائیں اور میں **مزدک** سے مناظرہ کروں اور میں جان
بوجھ کر ہار جاؤں گا اور اپنی عاجزی کا اقرار کرونگا اور فارس کو لوٹ
جاؤں گا اسکے بعد جو کارروائی مناسب حال ہو گی وہ **نوشیروان**
انجام دے گا اور یہہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائیگا اور اس طریق عمل سے

مزدک کو یہ نہ معلوم ہوسکے گا کہ بادشاہ پشیمان ہے۔ چنانچہ **قباد** نے چند روز کے بعد دربار کیا اور تمام موبدوں کو ایک فریق قرار دیا۔ **مزدک** اپنی جگہ پر بیٹھا اور موبدوں نے تقریر شروع کی۔ پہلے موبد فارسی کی زبان سے نکلا کہ آگ کا باتیں کرنا سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے **مزدک** نے کہا " خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لکڑی کے ٹکڑے کو اژدہا بنا دیا تھا اور ایک پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دئے تھے۔ اور پھر یہ دعا مانگی تھی کہ اے میرے پروردگار فرعون کو مع اُسکی فوج کے ڈبو دے اور خدا نے ڈبو دیا۔ اسی طرح زمین بھی حضرت موسیٰؑ کے تابع فرمان تھی چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلامؑ زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل جا اُسیوقت نگل گئی۔ اسیطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے یہی چیزیں ہیں جو انسان کی قدرت سے باہر ہیں لیکن خدا ان پر قادر ہے اور اُسی خدا نے مجھ کو بھیجا ہے۔ اور آگ پر مجھ کو حکمراں بنایا ہے میں جو کہتا ہوں وہی آگ کی زبان سے نکلتا ہے۔ اسلئے میرا کہنا مانو ورنہ قہر خدا تم پر نازل ہوگا۔ اور تم کو مٹا کر رہیگا۔

مزدک کی تقریر سُنکر موبد اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا ’’جس شخص پر خدا اور آگ کی جانب سے الہام ہوتا ہو اور آگ اُسکے تابع ہو میں اسکے مقابلہ میں جواب دینے سے عاجز ہوں اور آیندہ مجھ سے ایسی جسارت نہ ہوگی۔ میں رخصت ہوتا ہوں اب تم جانو اور تمھارا کام‘‘ یہہ کہکر موبد نوشیروانی فارس کو چلا گیا اور دربار برخاست ہوا مزدک خوش ہوا اور ایک ہفتہ کے واسطے آتشکدے میں معتکف ہوا۔

جب رات ہوگئی تو قباد نے نوشیروان کو بلاکر کہا کہ موبد نے مجھے تمھارے سپرد کیا ہے اور اس مذہب کے مٹانے کے واسطے تم کافی ہو اب جو تدبیر ہو وہ بتاؤ نوشیروان نے کہا ’’اگر شاہنشاہ یہہ کام میرے سپرد کردیں اور اسکا تذکرہ کسی سے نہ کریں تو نہایت سلیقہ سے میں اسکو انجام دونگا اور پھر ساری دنیا میں مزدک اور مزدکیوں کا کہیں پتہ نہ لگیگا‘‘ قباد نے اقرار کیا نوشیروان نے کہا کہ موبد کے چلے جانے سے اصحاب مزدک بہت خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں اب میں انکی فکر کردونگا اور مزدک کا قتل کرنا تو آسان ہے لیکن اسکی جماعت بڑی ہے اگر میں مزدک کو قتل کروں تو اسکے حواری دنیا میں پھیل کر اشاعت مذہب کریں گے اور کسی مستحکم جگہ پر قابض ہوکر خاندان شاہی اور سلطنت

کے مقابلہ کو اُٹھیں گے لہٰذا ایسی تدبیر کرنی چاہیئے کہ سب ایک ہی
وقت میں قتل کر دیے جائیں اور ایک متنفس بھی زندہ نہ رہ سکے
یہہ سُنکر قباد نے پُوچھا کہ پھر اسکی کیا تدبیر سوچی ہے نوشیروان
نے کہا کہ جب مزدک آتشکدہ سے اُٹھ کر حاضر ہو تو اسکا اعزاز
بمقابلہ سابق بڑھا دیا جائے اور خلوت میں کہا جائے کہ جس دن سے
موبد فارسی نے شکست کھائی ہے اُسدن سے نوشیروان
ڈھیلا پڑ گیا ہے اور اُسکا ارادہ ہے کہ آپ سے رجوع کرے
اور اب وہ اپنی گفتگو سے پشیمان ہے جب ایک ہفتہ گذر گیا تو مزدک
حاضر ہوا۔ قباد نے بڑی خاطر سے بٹھایا اور نوشیروان کا ذکر کیا
مزدک نے کہا کہ اکثر لوگ نوشیروان کے اشاروں پر چلتے ہیں
اگر وہ ہمارے مذہب میں داخل ہو جائے تو ساری دنیا اس مذہب
کو قبول کر لے اور میں آتش کو شفیع کرتا ہوں۔ یزدان نوشیروان
کو مذہب مزدکیہ سے مشرف کرے۔ قباد نے کہا کہ "آپ نے
بہت اچھا کیا کیونکہ نوشیروان ولی عہد سلطنت ہے
رعایا اور لشکر میں وہ ہر دلعزیز ہے جب وہ اس مذہب میں
داخل ہو جائے گا تو پھر کسیکو عذر نہیں ہو سکتا قباد نے یہہ بھی کہا
کہ میں آپ کے واسطے ایک رفیع الشان سنگی منارہ بنواتا ہوں۔

اور اُسکے بالائی حصہ پر ایک طلا کار محل تیار کرواؤں گا جو آفتاب
سے زیادہ چمکدار اور ٹھیک ایسا ہی ہوگا جیسا کہ گستاشپ نے
زردشت کے واسطے بنایا تھا"
مزدک نے کہا آپ **نوشیروان** کو نصیحت کریں اور میں دعا
کرتا ہوں اُمید واثق ہے کہ یزدان مستجاب کریگا۔ جب رات ہوگئی تو
قباد نے دن کی گفتگو **نوشیروان** سے دُہرائی وہ سنکر بہت
ہنسا اور **قباد** سے کہا کہ " جب ہفتہ گذر جائے تو **مزدک** کو
بلا کر یہ کہنا چاہئے کہ **نوشیروان** کل رات کو ایک خواب دیکھ کر
ڈر گیا اور صبح کو میرے پاس آیا تھا اُسنے مجھ سے کہا " میں نے خواب
دیکھا ہے کہ مجھ پر آتش بزرگ حملہ آور ہے اور میں پناہ ڈھونڈ رہا ہوں
اتنے میں ایک مرد صالح میرے پاس آیا میں نے اُس سے پوچھا کہ
مقدس آگ مجھ سے کیا چاہتی ہے اُس نے جواب دیا کہ آگ
تجھ پر اسلئے غضب ناک ہے کہ تو نے اسکو جھٹلایا ہے میں نے کہا
کہ تمکو کیونکر معلوم ہوا اُس نے کہا کہ فرشتوں کو ساری خبریں رہتی ہیں
اب آتشکدہ میں جاکر قدرے مشک و عود اور عنبر سلگایا جائے
اور مسلسل تین دن اگنی پوجا کی جاسے ۔ اسکے بعد میں جاگ اُٹھا"
قباد سے یہہ خواب سُنکر **مزدک** بہت خوش ہوا جب اس

تذکرہ کو بھی ایک ہفتہ گذر گیا تو نوشیروان نے قباد سے کہا کہ "آپ مزدک سے کہئے کہ نوشیروان کہتا ہے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہی سچا مذہب ہے اور مزدک یزداں کا فرستادہ ہے لیکن چونکہ مخالفین کی تعداد زبردست ہے اسلئے ڈرتا ہوں کہ کہیں خروج کر کے سلطنت نہ چھین لیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر صحیح تعداد اصحاب مزدک کی معلوم ہو جاتی اور یہہ بھی کہ وہ کون لوگ ہیں؟ اگر مزدکیہ جماعت زبردست ہو تو میں بھی اسمیں ابھی شامل ہو جاؤں گا ورنہ اُسوقت تک صبر کرونگا کہ یہہ جماعت طاقتور ہو جائے اور بشرط ضرورت اسلحہ بھی دونگا اسکے بعد پوری قوت اور تلوار کے زور سے مذہب کا اعلان کروں گا اگر مزدک جواب دے کہ ہمارا بڑا گروہ ہے تو اُس سے اسمواری فہرست طلب کیجائے تاکہ میں سب سے واقف ہو جاؤں"، چنانچہ مزدک نے قباد کے روبرو بارہ ہزار آدمی کی فہرست پیش کی جسمیں رعایا اور فوجی سپاہی شامل تھے۔ فہرست دیکھکر قباد نے کہاکہ "میں آج رات کو نوشیروان کو بُلا کر فہرست دکہا دوں گا اور نوشیروان کے ایمان لانے کی یہہ علامت ہوگی کہ میرے حکم سے شہنائی و نقارے اس زور سے

بجائے جائیں گے جسکی آواز آپ کے گھر تک پہنچیگی،، جب مزدک لوٹ گیا اور رات ہوئی تو قباد نے نوشیروان کو بلایا اور فہرست دکھلائی اور جو علامت قرار پائی تھی اسکا بھی ذکر کیا - نوشیروان نے کہا کہ بہت مناسب ہے آپ نقار خانہ میں حکم بھیجدیں اور جب کل مزدک حاضر ہو تو کھدیجئے گا کہ نوشیروان ایمان لے آیا ہے - اور اسکا سبب یہہ ہے کہ جماعت کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی ہے اگر پانچ ہزار تک ہوتی تو البتہ کافی تعداد نہ تھی اب اگر ساری دنیا دشمن ہو جائے تو خوف نہیں ہے کیونکہ ہم سب (قباد - مزدک - نوشیروان) متفق ہیں جب ایک گھڑی رات گذری اُسوقت مزدک نے شہنائی اور نقاروں کی آواز سُنی اور نوشیروان کے ایمان لانے سے خوش ہوا دوسرے دن جب مزدک حاضر دربار ہوا تو قباد نے نوشیروان کے تعلیم کردہ الفاظ مزدک سے کہے اور پھر خلوت میں بُلاکر نوشیروان سے زر و جواہر کی نذر دلوائی اور بہت کچھ بطریق تصدق نچھاور کیا اور ابتک جو کچھ ہو چکا تھا اُسکی نوشیروان نے خود معافی چاہی - اور اسی جلسہ میں ہر قسم کے مشورے ہونے لگے - آخر الامر نوشیروان

نے قباد سے کہا کہ آپ شاہنشاہ ہیں اور مزدک خدا کا پیغمبر
لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ مذہبی سپہ سالاری مجھ کو دیجائے۔ پھر دیکھئے
کسقدر مذہبی ترقی ہوتی ہے قباد نے کہا تم کو اختیار ہے۔ پھر
نوشیروان نے کہا کہ جن شہروں اور قصبات میں ہمارے
ہم مذہب ہیں اُنکے پاس مزدک کی جانب سے پیام بھیجا جائے
کہ آج کی تاریخ سے تین مہینے کے اندر فلاں ہفتے کے فلاں دن سب
ہمارے مہمان ہوں میں اُنکو ہر قسم کے ساز و سامان اور اسلحہ
سے مرتب کروں گا جسکی کسیکو مطلق خبر نہ ہوگی۔ پھر اُسی دن
سب کی دعوت کی جائے اور بعد فراغ طعام دوسرے مکان
میں مجلس شراب منعقد کی جائے۔ ہر شخص سات پیالے پیئے۔
پھر سب خلعت پہن کر اسلحہ زیب تن کریں اور گھوڑوں پر سوار ہوکر
نکلیں۔ اور علانیہ اشاعت مذہب کریں۔ جو ہمارا مذہب قبول
کرے گا اُسکو امان دینگے اور جو انکار کریگا اُسکو قتل کردیں گے
اس رائے کو قباد اور مزدک نے قبول کیا اور جلسہ برخاست ہوا
مزدک نے سب جگہ خطوط جاری کردئے اور آگاہ کردیا کہ فلاں
روز حاضر خدمت ہوں سب کو خلعت۔ گھوڑے اور اسلحہ
دئے جائیں گے۔ اور یہی وقت کامیابی کا ہے۔ کیونکہ بادشاہ

ہمارا قافلہ سالار ہے۔ چنانچہ وعدہ کے دن بارہ ہزار مزدکی حاضر ہوئے اور بادشاہ کے مہمان ہوئے جن کے سامنے ایسے پرتکلف خوان رکھے گئے کہ کبھی کسی نے نہ دیکھے تھے۔ قباد تخت پر جلوہ فرما ہوا اور مزدک اپنی کرسی پر بیٹھا۔ نوشیروان بھی پٹکا باندھکر بحیثیت میزبان کھڑا ہوا اور اس میزبانی سے مزدک بہت خوش ہوا۔ نوشیروان ہر ایک کو دسترخوان پر بٹھاتا جاتا تھا۔ جب سب کے سب کھانے سے فارغ ہوئے تو دوسرے مکان میں اُٹھ گئے۔ وہاں شراب کی مجلس آراستہ تھی قباد تخت پر اور مزدک کرسی پر جلوہ فرما تھا۔ نوشیروان اپنے سب مہمانوں کو قرینے سے بٹھاتا تھا۔ مغنیوں کی سُریلی آوازوں سے مجلس گونج رہی تھی۔ اور شراب کا دور چل رہا تھا جب چند دور ہو گئے تو فراش اور غلام حاضر ہوئے اور دوسو مہمانوں کو دیبا اور قصب کے تھان بطور خلعت کے تقسیم ہوئے یہ لوگ تھوڑی دیر تک دربار میں استادہ رہے۔

نوشیروان نے کہا کہ خلعت دوسرے مکان میں تقسیم کئے جائیں۔ کیونکہ یہاں بڑا مجمع ہے وہاں ہر مرتبہ بیس بیس آدمی داخل ہوں اور خلعت پہن کر وہیں سے رخصت ہوتے

جائیں۔ اس طریقہ سے سب پہن لینگے۔ پھر بادشاہ اور
مزدک یہہ دلفریب منظر ملاحظہ کریں۔ اسکے بعد سلاح خانہ
کا دروازہ کھولدیا جائے اور سب اسلحہ سے سجائے جائیں اور
اس کارروائی سے پہلے نوشیروان نے تین سو دیہاتی مزدور
بلاکر جمع رکھے تھے اور اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ دن رات میں یہہ
مزدور بکثرت گڑہے تیار کریں جو گہرائی میں ایک گز سے دو گز
تک ہوں۔ اور کل مٹی بھی وہیں جمع رہے اور دربانوں کو یہہ بھی
حکم دیا گیا تھا کہ جب گڑہے تیار ہو جائیں تو سب مزدور روک
لئے جائیں۔ کوئی جانے نہ پائے اور رات کو چار سو آدمی اسلحہ سے
سجا کر میدان اور مکان میں چھپا دئے گئے تھے۔ اور اُن کو یہہ
حکم دیا گیا تہا کہ جب یہہ بیس۲۰ بیس۲۰ آدمی مجلس سے روانہ کئے جائیں
تو تم اُن کو دوسرے میدان میں لیجاؤ اور ہر ایک کو برہنہ کرکے
ان کے سر ان گڑہوں میں اسطرح دباد و کہ وہ ناف تک زمین
کے اندر ہوں اور پانوں باہر نکلے رہیں۔ چنانچہ خلعت پہن کر
لوگ اُس مکان میں آتے جاتے تھے اور مطابق ہدایت کے
ایک ایک غول مع اُن کے آراستہ گھوڑوں کے دوسرے
مکان میں روانہ کردیا جاتا تھا اور میدان میں پہنچکر وہ سرنگوں

گڑھوں میں دبادئے جاتے تھے۔ یہانتک کہ تمام مزدکی اسی طریقہ سے ہلاک کردئے گئے۔ ان کاموں سے فارغ ہوکر **نوشیروان قباد** کے روبرو حاضر ہوا اور **مزدک** سے کہا تمام مہمان خلعت سے آراستہ ہوکر میدان میں جمع ہیں اب آپ اُٹھیں اور ملاحظہ فرمائیں۔ یہہ منظر بھی ایسا ہے کہ آج تک کسی نے ندیکھا ہوگا۔ چنانچہ **قباد** اور **مزدک** ایک ہی ساتھ اُٹھے اور محل کے اندر سے ہوتے ہوئے میدان میں پہنچے یہاں یہہ تماشا دیکھا۔ کہ کل جماعت سرنگوں ہے **نوشیروان** نے مزدک سے مخاطب ہوکر کہا کہ "جس فوج کا تو سپہ سالار ہو اُس کے خلعت اس سے بڑھ کر کیا ہونگے **نوشیروان**؟ کم بخت تو اسلئے آیا تھا کہ ہمارے مال اور دولت اور عزت کو برباد کرکے سلطنت پر بھی ہاتھ صاف کرے۔ لے ہوشیار ہو اب میں تجھے بھی خلعت پنھاتا ہوں۔" چنانچہ میدان کے ایک کوئیں میں جو خاص **مزدک** کے لئے تیار ہوا تھا **نوشیروان** کے حکم سے مزدک کو گرا دیا اور اُس کو مٹی سے پاٹ دیا۔ اُسوقت **نوشیروان** نے کہا "اے **مزدک** اب تو اپنے پیرووں کو اچھی طرح دیکھ اور باپ سے کہا کہ "آپنے عاقل

اور فرزانہ لوگوں کی رائے ملاحظہ فرمائی اب مصلحت یہہ ہے کہ آپ چند روز خانہ نشین ہوں۔ تاکہ رعایا اور فوج کو آرام کا موقع ملے اور یہہ جو کچھ ہوا آپ کی کمزوری رائے کی وجہ سے ہوا اسکے بعد میدان کی دیواریں توڑ دی گئیں اور دروازہ کھول دیا گیا۔ تمام شہر دیہات اور فوج کے آدمی یہہ تماشا دیکھتے چلے جاتے تھے۔ جب کل انتظام ہوچکا تو **نوشیروان** نے **قباد** کو نظر بند کر دیا اور شاہی استحقاق سے خود تخت نشین ہوگیا۔

یہہ واقعہ **نوشیروان** کا اس قابل ہے کہ اہل خرد اس کو پڑھیں اور عبرت پذیر ہوں۔ **شاد عفی عنہ**

رباعی ثاقب

جو ذرۂ بوترابؑ ہوجاتا ہے	بندہ وہ فلک جناب ہوجاتا ہے
گرتا ہے چراغِ قبرِ حیدرؑ سے جو گل	بڑھکر وہی آفتاب ہوجاتا ہے

فقط

چند ضروری قواعد

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

(۴) [illegible]

(۵) [illegible]

[illegible]

جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

تزکِ عثمانیہ

نمبر ۲ جلد ۱

۲۹ انتیسویں سالگرہ مبارک اعلیحضرت قدر قدرت جہانپناہ ظلِ سبحانی نظام الملک آصفجاہ نواب میر عثمان علیخاں بہادر جی۔سی۔ایس۔آئی فرمانروائے ملکِ دکن کی

مبارک یادگار میں

بہ سرپرستی عالیجناب راجۂ راجایاں مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی۔سی۔آئی۔ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی تلمیذ حضرتِ آصف غفراں مکان

محبوب پریس علاقہ پیشکاری سے شائع ہوا

مہابھارت پر ایک سرسری نظر

(۱)

ہندوستان کا پرانا لٹریچر ایک بیش بہا ترکہ ہے جسپر ہندو قوم جسقدر فخر کرے کم ہے۔ علم کی کونسی شاخ ایسی ہے جس میں انہوں نے اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کیا۔ اُن کا فلسفہ اور منطق اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ دہرم کے پیچیدہ مسائل کے سلجھانے میں بھی اس قوم نے خاص کوشش کی ہے۔ مہابھارت موجودہ شکل میں ہنود کی دہرم شاستر سمجھی جاتی ہے۔ اسمیں ہندوستان کی پرانی تواریخ۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ مذہب۔ قانون اور رواج کا بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ جسکو ہنود اُسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جیسے اہل یونان الیڈ اور اڈیسی اور اہل جرمن سنبے لنج کو۔

مہابھارت کے اصلی مُصنّف رشی ویاس جی ہیں لیکن اسمیں شُبہ نہیں ہے کہ اس میں اور بھی متعدد مُصنّفین نے حصّہ لیا ہے۔ یہ کہنا کہ مہابھارت کا کونسا حصہ ویاس جی کی تصنیف ہے اور کونسا

دوسرے مصنفین کا نہایت دشوار ہے۔ لیکن اس کتاب پر سرسری
نظر ڈالنے سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ کم از کم تین مصنفین نے اس میں
حصہ لیا ہے۔ ابتدائی حالت میں اس کتاب کی بنا ر ایک خانہ جنگی ہے
جو آریوں کے دو فرقوں میں ہنود کے اعتقاد کے موافق پانچ ہزار سال قبل
ہوئی تھی۔ اُس لڑائی کا حال ویاس جی نے جو جنگ کے وقت موجود تھے
اپنے شاگردوں سے بیان کیا۔

ویاس جی کا بیان تاریخی واقعات کے موافق تھا۔ سو اتفاق سے ہمکو
ویاس جی کا بیان اصلی حالت میں مل نہیں سکتا۔ اُنکے بعد ویشم پائن نے
راجہ جنم جی کو مہابھارت سنائی اور اُنہوں نے اپنی طرف سے راجہ جنم جی
کے شبہات رفع کرنے کے لئے متعدد امور کا اُسمیں اضافہ کیا۔ ویشم پائن
وشنو مت کے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ویاس جی کے بیان میں کرشن چند کو
وشنو کا اوتار نہیں ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ویشم پائن کے الفاظ سے
معلوم ہوتا ہے کہ جب اُنہوں نے مہابھارت جنم جی کو سنائی تو یہ خیال
پیدا ہو چکا تھا کہ کرشن چند وشنو کے اوتار تھے۔ ویشم پائن کا زمانہ
ویاس جی کے سو سال کے اندر ہی ہوا ہے۔ کیونکہ جنم جی ارجن سے تیسری
پشت میں تھے۔ اور مہابھارت میں جن بہادروں کا ذکر کیا گیا ہے اُنکی
عمریں سو سال کے اندر ہی ظاہر کیگئی ہیں۔ راجہ جنم کا باپ راجہ پرکشت ارجن

کے سامنے پیدا ہو چکا تھا - اور ایسی حالت میں یہہ اندازہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وشیم پائن نے ویاس جی کے سو سال کے اندر ہی مہابھارت میں وشنو مت کی پرستش کا حال اضافہ کیا ہے - وشیم پائن کے بعد سوتی نے اس کتاب کی شکل ہی بدل دی - سوتی آدہی پرو کے شروع ہی میں یہہ دعویٰ کیا ہے کہ جو کچھہ ویدوں - پرانوں - تاریخی اور دہرم کی کتابوں میں درج ہے وہ سب اس میں شامل ہے اور جو مضمون اسمیں نہیں ہے وہ اور کسی کتاب میں بھی نہیں ہے - یہہ دعویٰ کسیقدر مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے - لیکن اسمین شبہہ نہیں ہے کہ سوتی نے اس کتاب کو نہایت جامع کردیا ہے اسمیں سے چھوٹے چھوٹے مضامین کی بنا پر بعد کے شاعروں نے خصوصاً کالیداس نے وہ دلکشا عمارت قائم کی ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے - کالیداس کی شکنتلا کا حال اس کتاب کے چند اوراق میں درج ہے اور بھاگوت گیتا جو ہندوں کے فلسفہ اور مذہب کا خلاصہ سمجھا جاتا ہے اُسکے اٹھارہ پردوں میں سے ایک چھوٹے سے پردہ کا چھٹا حصہ ہے - ابتدا میں یہہ صرف تاریخی کتاب تھی لیکن سوتی نے اسمیں مذہب اور دہرم کے متعلق متعدد امور کا اضافہ کیا اور دہرم کے متعلق مشکل سے کوئی ایسا سوال ہوسکتا ہے جسکا اسمیں ذکر نہو - مہابھارت میں عبارت اور مضمون کی ایسی شہادت موجود ہے جس سے یہہ اندازہ کیا جا سکتا ہے - کہ

موجودہ شکل میں مہابھارت تین سو سال قبل عیسیٰ کے مرتب ہوچکی تھی
اسمیں ہندوں کے مختلف فرقوں کو یکجا کرنے کی کوشش کیگئی ہے۔
مذہبی خیالات کی وجہ سے جو اختلاف ہوگیا تھا اُسکو اس غرض سے
منع کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندو سب مل کر بدھ مذہب کا مقابلہ
کرسکیں۔ اور اس کوشش میں ہندؤں کو کامیابی بھی حاصل ہوئی کیونکہ عملی
طور پر بدھ مذہب ہندوستان میں سرسبز نہ ہونے پایا۔ تاریخی واقعہ
جسکا اس کتاب میں ذکر ہے۔ وہ پانڈو اور کوروؤں کی لڑائی ہے۔ کوروں
کا سردار دریودہن تھا۔ اور پانڈو پانچ بھائی یعنی یدہشتر۔ بھیم۔ ارجن۔
نکل۔ اور سہدیو تھے۔ کورو اور پانڈو چچازاد بھائی تھے۔ لیکن ارجن
کی شادی پنچالہ کے راجہ دروپد کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اور یہی وجہ تھی
کہ پنچالہ کے راجہ کا بیٹا دہرشٹ دمنا پانڈوں کی فوج کا سپہ سالار مقرر
کیا گیا تہا۔ مسٹر رومیش چندر دت نے بعد تحقیق کے یہ رائے قائم
کی ہے کہ یہ لڑائی در اصل پنچالہ کے راجہ اور کوروؤں کے درمیان
ہوئی تھی۔ اور کوروؤں کا ایک فرقہ پنچالہ کی مدد کے لئے تیار ہوا تہا۔
لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ پنچالہ کی فوج کا کوئی آدمی زندہ بچا اور نہ کوروں
کی فوج کا۔ پانڈو کوروؤں کے راج کے مالک ہوئے۔ لڑائی کے بعد
۳۶ سال تک یدہشتر نے راج کیا اور اُسکے بعد ارجن کے پوتے پرکشت کو

راجہ بناکر پانچوں بہائی تارک الدنیا ہوئے۔

مہابھارت کے مضمون کی اہمیت کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس میں ایک ایسی جنگ کا ذکر کیا گیا ہے جسمیں چھتری قوم نیست ونابود ہو گئی چھتریوں کا مہابھارت میں یہ دہرم قرار دیا گیا ہے کہ لڑائی کے وقت پیچھے نہ ہٹنا چاہئیے۔ اور اُن کل بہادروں نے جواس جنگ میں شریک تھے اس اصول پر عمل کیا۔ اس جنگ کا نتیجہ یہہ ہوا کہ دونوں فریق میں سے صرف آٹھ آدمی زندہ بچے تھے۔ پانچ پانڈوں اور تین کوروں کے۔ چھتریوں کے دہرم کی اوس سے بہتر تصویر نہیں مل سکتی۔ جو مہابھارت میں اُس موقع پر کھینچی گئی ہے۔ جب تین کورو دریودہن سے لڑائی کے متعلق ہدایت حاصل کرنے کے لئے گئے ہیں اور وہ اشوتہاما کو سپہ سالار مقرر کرتا ہے۔ ہاں سپہ سالار! تین آدمیونکی فوج کا! لیکن ان تین آدمیوں نے ہی پانڈوں کی باقی فوج کو تباہ کیا اور اون کے انتقام سے صرف پانچ بھائی زندہ بچے۔

اس کتاب میں جن بہادروں کا ذکر ہے وہ بھی ہر طرح سے اس قابل تھے کہ اُن کے حالات ایسی ہی کتاب میں درج کئے جائیں۔ بھیشم۔ یدہشتر بہیم۔ ارجن۔ کرن۔ دروپد اور درون کے نام ہندوؤں کے لئے ہمیشہ سے دہرم کا نمونہ رہے ہیں۔ کونسا ہندو ایسا ہے جو ان کے

حالات پڑہ کر دہرم کے موافق کام کرنے پر زیادہ پابندی اور استقلال سے تیار نہ ہو۔

مہابھارت میں جن عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی چھتری بہادروں کی مائیں ہونے کے قابل تھیں۔ ایسا کون شخص ہے جو دروپدی کے رانی سے باندی بنائے جانے پر اُسکی مستقل مزاجی کی قدر نہ کریگا۔ اور جو اُسکو دہرم کی دیوی نہ سمجھے گا۔ کنتی پانڈوں کی ماں بھی راجپوت عورت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ جب اُسکے بیٹے بارہ سال کیلئے دہوکے سے جلاوطن کئے گئے تو وہ اُنکے لئے کیا پیغام بھیجتی ہے "اپنے باپ کا راج حاصل کرو اور نہیں حاصل کرتے تو اس کوشش میں مرجاؤ" اسکے بعد ہی یہہ بھی قابل ذکر ہے کہ اُسنے اُنکو یہہ حکم اس غرض سے نہیں دیا تھا کہ اُنکے راجہ ہونے پر خود آرام سے رہیگی بلکہ جب وہ اپنا ملک حاصل کر لیتے ہیں تو وہ اپنے خاوند کے بھائی دہرت راشتر کے ساتھ اپنے آخری دن جنگل میں گزارتی ہے۔ شکنتلا بھی مہابھارت میں وہ نازنین نہیں ہے جیسا کہ اُسکو کالیداس نے ظاہر کیا ہے۔ جب اُسکا خاوند دشنیت اُسکو نہیں پہچانتا تو اُسکو غش نہیں آتا ہے۔ بلکہ وہ دشنیت کو یہہ جواب دیتی ہے کہ "میں ایسے جھوٹے آدمی کی صورت نہیں دیکھنا چاہتی ہوں" ایسی عورتیں ہی ارجن اور بھارت سے بیٹوں کی مائیں ہوسکتی تھیں۔

مہابھارت میں اندر پرست یعنی دہلی کے پہلے دربار کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔
دربار کے لئے جو مکان بنایا گیا تھا وہ ایسا وسیع و خوبصورت تھا کہ بڑے بڑے
راجاؤں نے بھی ویسا مکان کبھی نہ دیکھا تھا اور وہ مکان اُس شاندار سنی تھیٹر کے
موافق جو دہلی میں ہی بیسویں صدی کے شروع میں بنایا گیا تہا۔ دربار کے چند
مہینے کے ہی اندر اُس مکان کا سامان فروخت کرنے کی غرض سے برباد
نہیں کر دیا گیا تہا بلکہ اُسکے آثار ابھی تک نظر آتے ہیں اُس دربار میں اور
بیسویں صدی کے دربار میں یہہ تو ایک اہم مشابہت ہے کہ اُس دربار
میں بھی ایک ایسے شخص یعنی کرشن کو اول درجہ ملا تھا جو فی الواقع راجہ نہ تھا
اور بیسویں صدی کے دربار میں بھی اُسکے نام سے مشابہت رکہنے والے
کرزن بڑے لاٹ نے جو حکمران نہ تھے وہی درجہ پایا لیکن ایک اہم اختلاف
بھی تھا کہ اُس دربار میں جسکا مہابھارت میں ذکر ہے چھوٹے سے چھوٹے
راجہ کو بھی یدھشٹر یا کرشن کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت نہیں ہوتی
تھی لیکن بیسویں صدی تہذیب میں ترقی کر چکی ہے۔ اسلئے مہمانوں سے
ایسے رسوم انجام دلانیکی ضرورت مسلم تھی۔

شمالی ہند کے چھتری تو جنگ میں مارے گئے لیکن اُنکی دوسری
شاخ جو دوارکا میں آباد تھی۔ یعنی ورشنی اور اندہکا قومیں وہ بھی
مہابھارت کے لڑائی کے چھتیسویں سال میں آپسمیں لڑکر تباہ ہوگئیں۔

اور صرف ایک لڑکا جو کرشن کا پوتا تھا وہ راجہ بنایا گیا۔ وجہ اور درشنی
اور انڈہکا قوم کی عورتوں کو ارجن اندرپرست لانے گیا۔ اسوقت
عورتوں اور بچونکی تعداد لاکھوں اور اُنکے ساتھ دولت بھی بے شمار تھی
اُن سب کا محافظ صرف ایک ارجن لیکن جسکے پاس گاندیو اور تیروں
کا ایک ایسا ذخیرہ موجود ہو جو کبھی ختم نہ ہو اور جس نے کرکشتر کے میدان
میں گیارہ اکشوہنی فوج کو شکست دیکر فتح پائی ہو وہ انکی حفاظت کے لئے
کیا کم ہے۔ جب راستہ میں ابھرا قوم کے لوگوں نے دیکھا کہ ایسی خوبصورت
لاکھوں عورتیں اور بے انتہا دولت صرف ایک آدمی کی حفاظت میں ہے
تو اُنہوں نے انپر حملہ کیا لیکن وقت نے ارجن کی بہادری کو کہیں کم
تھوڑا ہی کر دیا تھا۔ فوراً ان ہزاروں لڑنے والوں کی طرف شیر کیطرح
پہنچا اور اپنی گاندیو سنبھالی! ارے یہہ کیا! ارجن سے گاندیو نہیں
کھینچتی۔ پہلا ہی موقع ہے کہ گاندیو کو اسکے حکم کی تعمیل میں تحمل ہوا ہے۔
ابھرا قوم کے لوگوں سے جسقدر سامان لوٹا گیا لوٹ کر لے گئے۔ بالآخر
یہہ اندرپرست پہنچے اور جر پانڈوں کا راجہ بنایا گیا اور پراکشت کوروں کا
پراکشت کو راج ملک کر کے پانچوں بھائی جنگل میں چلے گئے۔ مہابھارت کے
آخر میں ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے جس سے دہرم کا جو مفہوم مہابھارت
میں ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ جب پانچوں پانڈو

اور درو پدی جنگل کی طرف روانہ ہوئے تو اُن کے ساتھ ایک کتا بھی ہولیا۔ جب درو پدی اور چار بھائی راستہ میں مرگئے تو یدہشتر اون کو راستہ میں چھوڑ کر آگے بڑہا۔ اُسوقت یدہشتر اور کتا باقی رہ گئے۔ اندر اون کے پاس آئے اور اون سے کہا کہ تم بہشت میں چلو یدہشتر نے جواب دیا کہ میں کُتے کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا کیونکہ یہ وفادار ہے۔ اندر نے کہا کہ جب تم اپنے بھائیوں اور درو پدی کو چھوڑ کر آئے تو کُتے کو چھوڑنے میں کیا ہرج ہے۔ یدہشتر نے جواب دیا کہ جب تک میرے بھائی زندہ رہے ہیں نے اُن کا ساتھ دیا۔ لیکن جب وہ مرگئے میں نے اُنکو چھوڑ دیا کیونکہ میں انکو زندہ نہیں کرسکتا تھا۔ کتا جب تک زندہ ہے میں اسکا ساتھ دونگا۔ اندر نے کہا کہ اگر تم اس بات پر اصرار کروگے تو تم بہشت میں نہ جاسکوگے۔ کیونکہ ہم کُتوں کو بہشت میں نہیں لیجاسکتے۔ یدہشتر نے جواب دیا کہ اُسکو ایسا بہشت نہیں چاہئے جو اپنے وفادار کُتے تو چھوڑنے سے ملے۔

ایسے دہرماتما لوگ تھے جنھوں نے ہندوستان کو دیو بھومی بنا رکھا تھا۔ مہابھارت کے آخر میں چار سلوک ہیں جو کل مہابھارت کا لب لباب سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کا ماحصل یہ ہے :-

اُس دنیا میں ہزاروں آدمی آتے اور جاتے ہیں۔ ہزاروں خوشی

کے موقع پیش آتے ہیں۔ سیکڑوں رنج کے۔ خوشی اور رنج اُسی آدمی پر اثر کرتے ہیں جو اس دنیا کی حالت سے ناواقف ہے۔ لیکن جو اصلیت کو جانتا ہے اُسکے لئے خوشی اور رنج برابر ہیں۔ دولت اور خوشی نیکی ہی کا نتیجہ ہیں۔ جب ایسی حالت ہے تو لوگوں کو نیک ہونیکی کیوں کوشش نہ کرنی چاہیئے۔ آدمی کو خوشی یا خوف یا لالچ سے نیکی نہ ترک کرنی چاہیئے۔ نہیں نہیں اگر زندگی بھی نیکی کی بدولت دینی پڑے تو بلاتامل دے دینی چاہیئے۔ نیکی ہی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ خوشی اور رنج تو ادہر آئے اُدہر چلے گئے"

بیجناتھ

معرفتِ نفس

کفر کافر را ودیں دیندار را ذرّۂ دردِ دلِ عطار را

مندرجۂ بالا شعر جس مصنّف کا ہے اسکی اعلیٰ ترین معرفت اُلوہیت کا ایک درخشاں نمونہ ہے اور اُن دلی جذبات کا صاف وشفاف

آئینہ ہے جنہوں نے مصنّف کو یہہ شعر کہنے پر آمادہ کیا۔ اس شعر کے کہنے میں کچھ شاعرانہ غور و فکر کو دخل نہ تھا بلکہ غایت جوش و خروش و ذوق و شوق کی کیفیت میں بے اختیار دل سے زبان پر آگیا۔

اللہ اللہ کیا جوش ہے جو اس شعر کے الفاظ کی تہہ میں اپنا اثر قلوب ڈالکر بیچین کر رہا ہے۔ اسکو دریا کی موج سے تعبیر کرنا زیبا ہے جو لہریں لیتی ہوئی خس و خاشاک کو علیحدہ کرتی کوہ و دشت و باغ و راغ سے ٹکراتی اپنی منزل مقصود کا راستہ لیتی ہے۔ اس موج طوفان خیز کا کوئی روکنے والا نہیں۔ نہ کسی عالم کا خوف اُسکے سدِّ راہ ہوسکتا ہے نہ کوئی شک و شبہ دبا سکتا ہے۔ نہ کسی دولت و حکومت کا لالچ اسکے جزر و مد کے تھامنے کا باعث ہوسکتا ہے۔ نہ کسی واعظ کا وعظ اس لگی کے بجھانے کی قوت پیدا کرسکتا ہے۔ درحقیقت اس موج کی اصلی قوت ایک ایسی لازوال اور پائدار قوت ہے جو کسیکے خیال میں نہیں آسکتی اور ظاہر ہے کہ سمندر کف سیلاب میں کیونکر آسکتا ہے۔ سچ پوچھیے تو یہی جوش جوش اُلوہیت ہے جو عشق سے منسوب ہے۔

جسقدر غور و فکر سے کام لیکر اس شعر کا مطالعہ کیجئے اُسیقدر اسکی خوبیوں اور نفیس معانی اور نازک مطالب پر روشنی پڑتی جاتی ہے۔ یہہ شعر فی الواقع عشق حقیقی کا سچا اور اصلی فوٹو ہے۔ جس میں کسی قسم کا

نقص نہیں اور جو ہر طرح کے عیوب سے پاک و مبّرا ہے۔ جب تک عشق حقیقی کی معراج حاصل نہو انسان کا طائر خیال اسقدر بلند پرواز ہی نہیں کر سکتا جو عاشق صادق ہوگا یہ شعر اُسکا اصلی ترجمان دل اور سچا حال ہے۔ نہ کہ قال۔

عشق حقیقی کے پاک صاف راستے پر جو لوگ گام فرسا ہیں وہ اچھی طرح سے جان سکتے ہیں۔ کہ اس سیدھی راہ میں کفر و دین کے جھگڑے سنگ راہ سے کم نہیں ہیں بیشک یہ امتیاز اور فرق پیدا کرنے والے خیالات بڑے بڑے پتھر بنکر سد راہ ہوتے ہیں۔ جس سے اندھیرے میں چلنے والے ٹھوکریں کھا کھا کر منھ کے بل گر پڑتے ہیں۔ اور اُس اعلیٰ اپنے مقصد عبودیت تک رسائی حاصل کرنے میں کوتاہ دست رہ جاتے ہیں بخلاف اسکے عشق حقیقی کی مشعل ہاتھ میں لئے ہوئے انسان بلا خوف و خطر سب گھاٹیاں طے کر کے منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔

اسی منشائے لطیف کی طرف شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ خدا کی تلاش کرنے والے بندے جو سچا عشق اپنے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ زندگی کا مقصد خدا کی محبت اور عشق میں سرشار ہونا ہے۔ وہ ہوشیار ہو جائیں اور یاد رکھیں کہ کفر و دین کا جھگڑا نہ صرف انہیں حصول مقصود سے محروم کرنے والا ہے

بلکہ اُس ایمان میں بھی خلل ڈالدیتا ہے جسکے صحیح معنی. To be good
(نیک بنو) To do good (نیکی کرو۔) کے ہیں۔

غور کرنے سے یہ امر صاف ہو جاتا ہے کہ ایمان افعال و اعمال و اخلاق کے محاسن کا دوسرا نام ہے کیونکہ ایمان کی نوعیت کا اثر خاصتاً انسان کے اخلاق و عادات پر پڑتا ہے۔ اور ہم نہایت آسانی کے ساتھ ہر شخص کا ایمان اسکے حرکات سے دریافت کرسکتے ہیں۔

زندگی کے منشائے اصلی کا راز منکشف کیا جائے تو یہی قرار پائیگا کہ انسان کی زندگی نیکی ہے۔ یعنی انسانیت بغیر نیکی کے نہیں پائی جاسکتی۔ پس اگر اس لحاظ سے ایمان کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو اخلاق حسنہ اور نیکی کا تعلق اُس سے کامل طور پر پایا جائیگا۔ اور اسکے خلاف کوئی صورت تسلیم کیجائے تو ایمان کے اصلی معنی کا مفہوم غلط ہو جاتا ہے۔

شعر مذکور کے مصرع ثانی کو دیکھئے اور معانی پر غور کیجئے در حقیقت شیخ نے دریا کوزے میں بھر دیا ہے۔

؎ ذرۂ دردے دلِ عطار را ؎

یہاں دردِ دل سے مراد محبت الٰہی ہے۔ جسکو عشق نہیں وہ انسانِ کامل نہیں انسان کامل کے خطاب کا مستحق وہی ہوسکتا ہے جو عشق کے خلعت بیش بہا سے مفتخر اور سرفراز ہو۔ عشق حقیقی کا مرتبہ جو موجوداتِ عالم کا

انتہائی مقصد ہے اور جس سے بڑھ کر اور کوئی مسلک انسان کے لئے دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت نہایت اونچا اور بلند ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس جگہ خدائے لایزال کے فیوض نزول کرتے ہیں۔ جہاں انسان اپنی ذات کو بھول جاتا ہے۔ وہ اپنے دل میں کوئی ارادہ نہیں پاتا اپنے ذہن سے کوئی بات نہیں سوچتا۔ نہ اپنے قصد سے ہاتھ اُٹھاتا۔ نہ پاؤں رکھتا ہے۔ وہ اپنی خودی کا جامہ چاک کر کے دیوانۂ عشق ہو جاتا ہے اور اپنے تمام مرضیات کو رضائے محبوب پر نثار کر دیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ بالکل محبوب حقیقی کے ارادے میں ضم ہو جاتا ہے۔ اُسکے کہنے سے بولتا ہے اُسی کے اشارے پر چلتا ہے۔ غرض ہمہ تن محبوب کی ذات میں اپنے وجود کو مٹا کر ایک کر دیتا ہے۔ اسی عظیم الشان اور جلیل القدر مرتبے کی نسبت صوفیۂ کرام کا برگزیدہ طبقہ یوں کہتا ہے کہ۔

اذا تم العشق فهو الله

اگر ظاہر بین اصحاب اس پُرمعنی فقرے کی تہ کو نہ پہنچ سکیں تو اُنکا قصور ہے۔ حقیقت شناس نگاہیں اسکی صداقت میں تامل نہیں کر سکتیں کیونکہ جب عشق حقیقی بوجہ اتم پایا گیا تو عاشق اپنے آپ کو معشوق کا مظہر اتم سمجھتا ہے۔ اور اُسکو فیضان پر انوار کے وہ مشاہدے ہوتے ہیں کہ منصور کی طرح انا الحق پکار اُٹھتا ہے۔

عشق کی معراج یہی ہے کہ خودی باقی نہ رہے۔ جب خودی کا تعین ہی مٹ گیا تو کفر و دین کا جھگڑہ کہاں باقی رہا۔ مذہبی خیالات او معتقدات کے باعث کفر و اسلام کے دو طریقے قرار دئے گئے ہیں بظاہر اگرچہ دور ہیں مگر مقصود دونوں کا ایک ہے۔ یار کی دو زلفیں کسکو بُرا اور کسکو بھلا کہئے۔ اسیطرف شیخ نے اشارہ کیا ہے۔ کہ کفر کا فرکو بھلا اور دین دیندار کو بھلا۔ جو عاشق اللہ ہیں اور عشق کے رازکو پائے ہوئے ہیں۔ انکے نزدیک ذرّہ درد یعنی عشق بھلا ہے آپکے لیے۔ عشق مشرب ہے عاشقان الٰہی اور صوفیانِ طریقت کا اسی مشرب والے علمائے باطن سے تعبیر کئے جاتے ہیں اور مذہب اجتہاد و روش علمائے شریعت سے مراد ہے۔ ملّت انبیا کی روش سے مقصود ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ واتبع ملت ابراھیم حنیفا۔

اس تفاوت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک کا ایک درجہ ہے جب انسان عشق کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے تو کوئی قید نہیں رہتی۔ وہاں ہر مذہب اُسکا مذہب ہے اور ہر دین اُسکا دین ہر روش اُسکی روش ہے۔ اور ہر ملّت کا وہ بانی ہے گویا انتہائے عشق کا مقام فنا بلکہ فناء الفنا ہے۔ اس مقام کے سیر کرنے والے کے نزدیک تمیز و تفاوت باقی نہیں رہتی۔ جب کہ تمیز اُٹھگئی تو پھر وہاں کفر و اسلام

ما وشما سے بحث ہی کیا رہی۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

رُباعی

این ہستیٔ تو ہستیٔ ہست دگراست این دستِ تو آستین دست دگراست
سر را بگریبان تفکر در کن کین مستیٔ تو مستیٔ مست دگراست

الغرض عاشقان راہ طریقت کے نزدیک وصول الی اللہ کے لئے کسی خاص راستہ یا مذہب کی پابندی نہیں ہے۔ الطریق الی اللہ بعدد انفاس الخلایق۔

ہر متنفس کا اصلی خیال اُسکا مقصود و مدعا ہے اور وہی ایک چیز ہے اگر استقلال کو کام میں لائے تو اُس سے معراج کمال کو پہنچ سکتا ہے اب رہا لحاظ تعداد اقوام۔ ہر قوم میں ایک پیشوا ہوتا چلے آیا ہے۔ اور وہی اُسکا خضر راہ ہے۔ لکل قوم ھاد۔ خواہ کسی قوم کا آدمی ہو اُسکی ابتدا جوئندگی اور انتہا یابندگی ہے۔ یعنی جو جوئندہ ہے وہ ضرور یابندہ ہے۔ صد مرحبا اُس شخص کو جو مطلوب عشق کے تجسس اور اور تلاش میں اپنی عمر صرف کرے اور جملہ عیوب ما و من اور ہنفتاد و و ملت کے جھگڑوں سے پاک ہوکر اپنی حقیقت کو پہچانے کہ اصلی معراج ہر انسان کی یہی ہے نہ نہ یہاں کسی مذہبی قید کی ضرورت ہے نہ کسی ملت کی پابندی کی۔ بقول کبیر داس۔

جات پات پوچھے نہ کوے

ہر کو بھجے سو ہر کا ہوے

اللہ بس باقی ہوس۔

شاد عفی عنہ

محنت

کس گل شگفتہ مے شود این باغ را ولے کس بے جفائے خار نچید است از گلے

محنت انعامات قدرت کی اُجرت ہے۔

انسان زمین پر رہتا ہے اور صانع قدرت نے انسان کی آرام و آسایش کی کُل چیزیں اسی زمین پر پیدا کی ہیں۔ مگر ایسی چیزیں بہت کم ہیں اور فی الحقیقت نہیں ہیں کہ بغیر محنت کئے یا ہاتھ پاؤں ہلائے بقدر کافی حاصل ہوتی ہوں یا قابل استعمال ہوں۔ قدرت نے اپنے انعامات کی اُجرت محنت مقرر کی۔ جو شخص جسقدر محنت کرے اُتنا ہی انعام پائے۔ بڑے بڑے آدمی جنکے نام آج شہرت کے آسمان کے ستارے ہیں یوں ہی اس معراج کمال تک نہیں پہنچے بلکہ یہ کمال و لیاقت۔ عزت و شہرت نہایت عرق ریزی اور سعی سے حاصل ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص

نہایت ذہین اور تیز فہم ہو مگر کمال بغیر محنت حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صرف زیر کی اور ذکاوت سے بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور محنت تھوڑی ذکاوت و ذہانت سے آخر میں بہت کچھ حاصل کرلیتی ہے ہر شریف نوجوان کے لئے تن دہی اور سعی و محنت و مشقت اور وقت کو مناسب طور پر کام میں لانا فرض ہے۔ اوائل عمر میں دل میں شوق طبیعت میں ولولے۔ خیالات میں الوالعزمی۔ دماغ میں طاقت ہاتھ پاؤں میں سکت ہوتا ہے۔ دنیا کے بکھیڑے بھی کم ہوتے ہیں۔ اُمیدیں اور جوش و خروش ہمت کے بازوؤں میں پرواز کی قوت پیدا کرتے ہیں۔ اور سبقت یا اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے ہمسری کا شوق محنت پر مائل کرتا ہے۔ اگر اس میلان کو فوراً کام میں لایا جائے اور سچے دل سے محنت کیجائے تو بام مراد تک پہنچنا کچھ بات نہیں ہے۔ دو چیزیں دولت اور محنت سرانجام امور دنیا میں مدد دیتی ہیں مگر لوگ دونوں کی حقیقت سے پورے واقف نہیں۔ دولت پر ضرورت اور حقیقت سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ اور محنت پر کم۔

محنت کی ضرورت صرف غریبوں پر محدود نہیں ہے۔

محنت صرف غریب آدمی ہی کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ جو لوگ دولت دنیا سے متمتع ہیں وہ بھی اگر صحت لیاقت اور نام آوری کے مزے اُٹھانے چاہتے ہیں

یا دنیا میں نام و نمود پیدا کرنا چاہتے ہیں تو محنت کریں اور ابنائے جنس کو فائدہ پہنچائیں ۔ شریف طبیعت اور نیک طینت اشخاص خواہ کیسے ہی فارغ البال کیوں نہ ہوں اُن سے یہہ ہو ہی نہیں سکتا کہ صرف بیکاری یا لذائذ دنیوی کا حظ اُٹھانے ہی میں اپنا وقت صرف کریں اور دنیا کو اپنے وجود سے کوئی فائدہ نہ پہنچائیں ۔ ہاں کمینہ طبیعت لوگ ایسے باتوں پر قانع ہوں تو ہوں اُنکی قوت زائل ہو جاتی ہے ۔ اَلْفَرَاغ[ف] مِنْ شَانِ الْاَمْوَاتِ وَالْاِشْتِغَالُ مِنْ شَانِ الْاَحْیَاءِ

کاہلی — کام خواہ کیسا ہی محنت کا اور کیسا ہی کیوں نہ ہو مسرت بخش اور ترقی کا ممد ہوتا ہے ۔ جسمانی محنت بدن کو صحیح اور تندرست رکھتی ہے اور دماغی محنت دل کو تسکین بخشتی تشویش و فکر دور کرتی ہے معزز اور غریب آدمی کے واسطے محنت خواہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو عیب نہیں ۔ بلکہ باعث عزت ہے ۔ کیونکہ اُسنے اپنی روح اور اپنے دل کو دوسروں کی دستگیری اور امداد کا غلام نہیں بنایا ۔ اور آزادی اور خودداری کی عزت قائم رکھی ۔ جو لوگ چھوٹے چھوٹے درجوں سے ترقی کر کے مدارج عُلیہ پر پہنچتے ہیں اُنکو شرمندہ نہ ہونا چاہئے بلکہ فخر کرنا چاہئے ۔ کہ اُنکی ذاتی قابلیت اور مستعدی نے اُنکو اعلیٰ رتبہ پر پہنچایا یا خواہ دولت ہو

[ف] بیکار رہنا مردوں کا کام ہے اور کام میں لگا رہنا زندوں کا ۱۲

یا علم یا کسی طرح کی قابلیت و لیاقت محنت ہی سے حاصل ہوتی ہے انسان کے واسطے کاہلی شرم کی بات ہے نہ محنت کیونکہ کاہلی دلکو اسطرح کہاتی ہے جیسے لوہے کو زنگ - کاہلی عصمت اور صحت اور مسرت سب کی دشمن ہے اور تمام سرسبز اُمیدوں کو اسطرح بہا کر لیجاتی ہے جیسے سیلابِ آب نو دمیدہ پودوں کو کاہلی یہی نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے بلکہ تمام بے نتیجہ اور حقیر مشاغل جو محض وقت گذارنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اسی میں داخل ہیں - کاہلی دل کے واسطے زہر اور خراب جذبات کا منبع اور مردانگی و دلیری کی دشمن ہے اور جوانی کی طاقتوں کو نزاکت و کمزوری سے بدل دیتی ہے کاہل اور تندرست آدمی لالچ اور گناہ سے بہت کم بچ سکتا ہے - پس مصروفیت شیطان کو دور بھگانے کا بھی ایک آلہ ہے -

کاہلی امراض نفسانی میں وبا کے مانند ہے اور بجائے خود ایک دوزخ ہے - اگر کسی گڑھے میں پانی رُک جائے تو اُسمیں کیڑے اور کیچوے بکثرت پیدا ہو جاتے ہیں - اسی طرح ایک کاہل آدمی کے دلمیں خراب اور زہریلے خیالات بھرے رہتے ہیں - اور اُسکی روح ناپاک ہو جاتی ہے - مرد ہو یا عورت جب تک وہ کاہل ہے جب تک ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے پان کھانے حقہ پینے - سگار اُڑانے کے وہ کچھ نہیں کرتے

تو خواہ وہ کسی حالت کسی رتبہ ۔ کسی حیثیت کے کیوں نہ ہوں ۔ اور خواہ نعمت ہائے دنیا میں سے ساری چیزیں اُنکو کیوں نہ حاصل ہوں اور خواہ دوسروں کی نظروں میں وہ تمام زمانہ سے زیادہ خوش قسمت کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں اور تمام اسباب راحت جو دنیا میں کسی خوش قسمت سے خوش قسمت کو مل سکتے ہیں ۔ اور انسان کا دل جن کی خواہش کر سکتا ہے اُن کے پاس کیوں نہ جمع ہوں لیکن جب تک وہ کاہل ہیں اُنکو خوشی حاصل نہ ہوگی اُنکے جسم یا اُنکے دل کو کبھی چین نصیب نہ ہوگا ۔ بلکہ ہمیشہ طبیعت کسلمند ۔ دل مضمحل اعضا تھکے ہوئے معلوم ہونگے ۔ یہ لوگ ہر وقت ناسازی مزاج اور بیماری کی شکایت کیا کرتے ہیں ۔ اور دنیا سے خفا معلوم ہوتے ہیں ۔

مصروفیت سے نہ صرف چستی اور بشاشت آتی ہے بلکہ غم غلط ہوتا ہے ۔ اور پریشانی اور بُرے خیالات طبیعت کو آلودہ نہیں کرتے ۔ کام کے بعد آرام زیادہ محسوس ہوتا ہے ۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کے واسطے بھی مصروفیت لازم ہے ۔ عورتیں بھی اگر کاہل ہیں تو خواہ کسی حالت میں ہوں آرام اور دنیا کی لذتیں کتنی ہی مہیا کیوں نہ ہوں جب تک سُست اور کاہل پڑی یا بیٹھی رہیں گی کبھی خوش اور بشاش نہ ہونگی ۔

محنت سے بچنا مصیبت زیادہ کرتا ہے

جو لوگ محنت سے بھاگتے ہیں اور مشکل کا مقابلہ کرنے سے بچتے ہیں مشکلیں اُن ہی پر اور زیادہ پڑتی ہیں۔ فطرت کا قاعدہ یہہ ہے کہ جو لوگ صرف مشکلوں سے بچنے یا آرام طلبی کی خاطر محنت سے کنارہ اختیار کرتے ہیں اُنکو تکالیف سے نجات نہیں دیتی اور اور کمزوری روز بروز بڑہتی جاتی ہے حتیٰ کہ جن بڑے بڑے امور کو ترک کر کے صرف معمولی باتوں پر اکتفا کیا تھا اب وہ معمولی باتیں بڑی اور عظیم معلوم ہونے لگتی ہیں اور اُنکا پورا کرنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے دل و دماغ کی قوتیں جو پہلے عظیم الشان اور مفید امور پر صرف ہوتیں اب خیالی مشکلات اور بے اثر و بے سود امور پر صرف ہوتی ہیں اور دلکو پیچ و تاب میں ڈالتی ہیں۔ مفید امور پر محنت کرنے سے اُس کے اچھے اچھے پھل ملتے ہیں۔ صحت۔ عقل۔ علم۔ دولت۔ عزت۔ شہرت لیاقت کو ترقی ہوتی ہے۔ اور انسان کمال کے قریب پہنچتا ہے۔ طبیعت کو خوشی اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور کاہلی کی سزا یہہ ہے کہ کچھہ نصیب نہیں ہوتا اور تسکین کے بدلے انقباض بڑہتا جاتا ہے۔

افراط محنت مضر ہے اور معتدل محنت مسرت بخش ہے

دنیا میں کام کرنا مضر نہیں ہے ہاں اسقدر محنت کرنی کہ قوا اور صحت اُسکی برداشت نہ کر سکیں مضر ہے۔ اعتدال سے محنت خواہ کیسی ہی سخت کیسی ہی مشکل کیوں نہ ہو

مفید صحت ہے تمام محنتیں جن میں امید شامل ہے صحت بخش ہیں اور جن
کاموں کی تکمیل پر کوئی امید پوری ہوتی ہو اُن میں محنت کرنے سے
جسقدر کامیابی ہوتی جائے اُتنی ہی خوشی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور
تکمیل مسرت کا تو کیا پوچھنا ہے۔

محنت کے پھل | محنت ہی انسان کو کمال تک پہنچا سکتی ہے۔ محنت
ہر طرح کے علم و فضل میں ید طولی بخشتی ہے۔ محنت قومیت شرافت و
بزرگی کا انعام دیتی ہے۔ محنت اُن جوہروں کو جو قدرت نے طبیعت
میں ودیعت رکھے ہیں بڑھاتی اور ظاہر کرتی ہے۔ محنت ہی ان جوہروں
کی کمی کو پورا کرتی۔ مشکلوں کو سہل کرتی ہے۔ صرف محنت ہی سے طبعی
جودت اور فہم کا اظہار اور مناسب استعمال ہوسکتا ہے۔

باقاعدہ محنت | خواہ دماغی محنت ہو یا جسمانی اعتدال سے متواتر
کرنی چاہیئے تاکہ کمال صحت اور خوشی نصیب ہو ہاں اگر محنت اسقدر
بڑھ جائیگی کہ ہاتھ پاؤں اور دماغ تھکتے تھکتے کام کے نہ رہیں تو کیا
کرایا ہی برباد ہوگا۔ طلبا جو یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی
کوشش کرتے ہیں اور اکثر باوجود اس قدر محنت کے کہ صحت کو بھی
نقصان پہنچاتے ہیں ناکام رہتے ہیں اُسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ
محنت نہیں کرتے۔ عموماً شروع سال بیکاری اور تساہل میں گزارتے ہیں

اور آخر میں ایک دم سے ہفتوں کا کام دنوں بلکہ گھنٹوں میں نکالنا چاہتے ہیں یہ محنت مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ مستقل مزاج اور پابند قاعدہ اشخاص ابتدا کے پہلے روز اُسیقدر محنت کرتے ہیں جسقدر کہ آخری دن جبکہ نمایش اور امتحان کے میدان میں قدم رکھنا ہے۔ اگر طلب صادق ہے اور مزاج پر قابو حاصل ہے طبیعت میں شروع ہی سے پابندی قاعدہ اور محنت کی عادت ڈالی گئی ہے تو دنیا میں کسی قسم کی ترقی اور حصول کے واسطے تھکانے والی محنت کی ایک دن بھی ضرورت نہیں پڑتی۔

بے صبری کام خراب کرتی ہے

بعض اوقات تلوّن بے صبری اور اضطراب بھی کام خراب کرتا اور سعی سے باز رکھتا ہے یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ اگر سعی میں خفیف کامیابی بھی حاصل ہوتی جاتی ہے تو ضرور ایک دن مطلب بر آئے گا۔ کیونکہ ذرا ذرا ملکر کامل ہو جاتا ہے۔ اور کمال ذرا سی چیز نہیں۔ دانہ دانہ شود انبار۔ قطرہ قطرہ شود دریا۔ بے صبری اور جلدی سے نہ تو عمدہ کام ہوتا ہے نہ وہ کبھی تکمیل تک پہنچتا ہے مستقل باقاعدہ محنت اگرچہ آہستہ ہو عجلت سے بہتر ہے۔ یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ عجلت سے وقت کم صرف ہوگا کیونکہ کسی کام کو بآہستگی کامل اور بہتر کرنا جلدی کرنے سے اچھا ہے۔ کسی کام میں

طبیعت کو اُلجھانا اور دق ہونا اور بے صبری سے اُسے پُورا کرنے کا شوق کرنا کام کو خراب۔ طبیعت کو پریشان کرتا ہے اور اس میں صحت بھی خراب ہوتی ہے اور اگر بشاشت دلجمعی اور اطمینان وسکون سے کام لیا جائے اور مناسب طور سے فکر کو کام میں لایا جائے تو بہت مناسب ہے۔ اور قوار کو ایسا ہی قوت دیتا ہے جیساکہ صاف ہوا۔

بارہا سعی میں ناکامی بھی واقع ہوتی ہے مگر ناکامی پر دل چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ علاج یہ ہے کہ دوبارہ زیادہ محنت زیادہ استقلال سے پھر سعی کرو حتیٰ کہ فتح حاصل کرلو۔

دست از طلب ندارم تا کار من بر آید ۔ یا تن رسد بہ جاناں یا جاں زتن بر آید

باقاعدہ محنت کے فائدے

محنت اگر بے قاعدہ اور حد سے زیادہ کیجائے تو وبال اور بار ہے۔ اور اگر جرم کی پاداش میں کی جائے یا لیجائے تو سزا ہے۔ لیکن باقاعدہ اور معتدل محنت عزت اور خوشی کا سبب ہوتی ہے۔ اگر دنیا میں کوئی شخص محنت نہ کرتا تو تہذیب اور شائستگی کے سامان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ انسان سے جو عظیم الشان کام انجام پاتے ہیں وہ سب اُسکی محنت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ علم ادب فنون لطیفہ۔ سائنس۔ میں جو چیز زیادہ اعلیٰ زیادہ عمدہ زیادہ بکار آمد

زیادہ دلفریب ہے، وہ محنت کا نتیجہ ہے محنت کوشش کو بارآور کرتی اور مصیبت سے نجات دیتی اور نام روشن کرتی ہے۔ جو لوگ کسی نیک اور اعلیٰ ارادہ سے محنت کرتے ہیں اُن کے واسطے محنت مدح وتحسین اور بقاء نام کا سبب ہوتی ہے۔

دماغی محنت

جب محنت کا ذکر کیا جائے تو یہ سمجھنا چاہئیے کہ محنتی آدمی سے ایک مزدور مراد ہے کہ وہ صرف اپنے ہاتھ پاؤں کو کام میں لاتا ہے بلکہ جو شخص اپنے دماغ کو کام میں لاتا ہے وہ سب سے بڑا کام کرتا ہے۔ جو شخص ایک عمدہ تصویر بناتا ہے یا کوئی دلچسپ کتاب تصنیف کرتا ہے وہ بھی محنت کرتا ہے اگرچہ اُسکی محنت بنی نوع انسان کے لئے ایسی ضروری نہیں ہے جیسی کہ کسان یا چرواہے کی محنت ہے لیکن وہ بھی سوسائٹی کے لئے ایک دلی تفریح یا روحانی غذا کا سامان مہیا کرتا ہے۔ دولتمند آدمیوں کو خواہ ایسے کاموں میں محنت کرنے کی ضرورت نہ ہو جن میں کہ غریب اور محتاج لوگ محنت کیا کرتے ہیں۔ لیکن اُنکے واسطے محنت اور مشاغل ہیں دنیا میں ہزاروں ایکڑ زمین اور لاکھوں اشرفیاں اور جواہرات مل سکتے ہیں لیکن علم اور عقل کسی کا ورثہ نہیں۔ اور یہ اپنی ہی محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ امیر آدمی تنخواہ دار نوکروں سے اپنے معمولی کام لے سکتا ہے۔ لیکن یہ کسی کا کام نہیں ہے کہ اُسکے بدلے

پہونچے اور غور کرے بلکہ دماغی کام اُسے خود کرنا چاہئیے اور دماغ کی اصلاح کے لئے محنت کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ کیونکہ محنت کی عادت خداوند تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ جو اطمینان آرام اور آسایش بخشتی ہے۔

جو کام کہ دیانت داری سے کیا جائے اور جسکا نتیجہ خلافِ اخلاق حسنہ نہ ہو معزز اور شریف ہے۔ خواہ یہ کام ہاتھ سے لیا جائے یا دماغ سے اگر دل صاف ہے تو کسی کام کے کرنے میں ہاتھ میلے اور خراب ہو جانے کا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ دلوں کی ناپاکی ہاتھوں کی نجاست سے زیادہ مضرت رساں ہوتی ہے۔

بیکسوں کی بستی

کھلے پھول دیکھے نہ بلبل کا نالا — نہ چٹکی ہیں کلیاں نہ مہکا ہے لالا
پڑا سرد مہری سے کس کس کا پالا — کہ عالم کا عالم ہوا تہ و بالا

جنہیں فرشِ گل پر بھی مشکل تھا سونا
ملا ہے انہیں خاک کا اب بچھونا

ہوا بندیاں ہیں نہ رنگِ گلستاں — نہ طاقِ فریدوں نہ کسریٰ کا ایواں
کہاں ہیں تکلف وہ عشرت کے ساماں — وہ دورِ گلابی وہ بزمِ حسیناں

نہ تفریح ہے اور نہ دلبستگی ہے
پڑے خاک میں ہیں ملی خستگی ہے

جو چلتے تھے لاکھوں ہی فتنے اٹھا کر — ادائیں دکھا کر محبت جتا کر
الم پر کسی کے ہنسیں کھل کھلا کر — پڑے کس مپرسی میں ہیں مٹ مٹا کر

نہ بولیں نہ چالیں نہ حالت سنائیں
نہ جنبش لبوں کو نہ آنکھیں ملائیں

کہیں شاہ ہے اور کہیں شاہزادی — پڑے خاک میں سوتے ہیں شہر قاضی
وہ عالم کی تربت یہ قبر نمازی — فدائی کہاں قوم کے اور وہ غازی

مکان انکا یہ ہی شکستہ سی قبریں
نشان انکا یہ ہی شکستہ سی قبریں

نظر باغ ہے اور نہ ہیں بیل بوٹے — نہ ریشم کے پردے جو در پر تھے چھوٹے
اجل نے یہ سب عیش دم بھر میں لوٹے — انکے قبر پر جھاڑ۔ پتھر ہیں ٹوٹے

مکاں ہیں نہ بنگلے نہ وہ کوٹھیاں ہیں
لگی خاک کی جابجا ڈھیریاں ہیں

بہت سی مجھے دیر مدفن میں گزری — بڑھا درد دل اور ہوئے اشک جاری
کہ ناگاہ اسدم یہ آواز آئی — پریشاں نہ ہو سن بغور اسکو بھائی

جو کل شاہ تھا آج وہ خاک میں ہے

اجل اسطرح سب کی ہی تاک میں ہے

ریا کار ہے یا کہ جو بے ریا ہے
جو دنیا میں آیا تو اک دن فنا ہے

کوئی لکھ پتی ہے کہ مفلس گدا ہے
یہ نیرنگ قدرت ہے ۔ تو دیکھتا ہے

وہ زندوں کا گھر ہے یہ مردوں کا گھر ہے
وہاں عیش ہے غم یہاں نوحہ گر ہے

عزیز اور فرزند سب جیتے جی تھے
مدارات تھے اور ادب جیتے جی تھے

چچا باپ تایا لقب جیتے جی سے تھے
ہیں ہم جیسے مجبور کب جیتے جی سے تھے

کوئی روتا ہے کوئی کرتا ہے خندہ
مثل ہے کہ زندوں کے ہے ہاتھ مُردہ

کھلاتے پلاتے لٹاتے تھے دولت
چھپی آنکھ کیا مٹ گئی سب محبت

زن و خویش و فرزند کرتے تھے اُلفت
بھلا کون ہو اب شریک مصیبت

کہاں بلبلیں اور کہاں گل کی لالی
نہیں دیکھنے کوئی آتا ہے خالی

چرس بنگ والونکا ڈیرا ہے مدفن
جواری نے زانی نے گھیرا ہے مدفن

لٹیروں کا شب کو بسیرا ہے مدفن
کفن چور کا یہ تو ٹھیرا ہے مدفن

ہوئے وائے تقدیر اپنے پر اُسے
پڑے رہتے ہیں ہم بھی مُنہ کو چھپائے

ادھر آ تماشائے قدرت دکھائیں
تجھے زمزمے بلبلوں کے سنائیں
ترے دل سے اب وسوسوں کو مٹائیں
چمن سے ہیں افزوں یہاں کی ہوائیں

فضا ہے گلوں کے تجمل پہ نازاں ؛
عنادل کے نغموں سے ہے شاد فرحاں

کر اب حمد رب کی ثنا مصطفیٰ کی
کر اب سیر جی بھر کے وحشت سرا کی
کہ تا دیکھ لے تو بھی قدرت خدا کی
نظر آئے حالت ریا بے ریا کی

کہا موند لے آنکھ - موندی جو آنکھیں
تو دیکھا یہاں اور ہی ہیں ہوائیں

ہوئیں سنتے ہی میری مسرور آنکھیں
عجب لطف تھا تھیں بہت دور آنکھیں
لگیں دیکھنے ہر طرف نور آنکھیں
پھڑکنے لگیں دیکھ کر حور آنکھیں

ہوا اُڑ گئی گل کی صحنِ چمن کی ؛
عجب شان تھی بیکسوں کے وطن کی

وہ مدفن بنا دم میں گلشن ارم کا
نہ تھا نام بھی نام کو رنج و غم کا
چہکتا تھا طائر جہاں ہر قسم کا
ثنا سائباں آ کے ابرِ کرم کا ؛

صدائے ترنم تھی غنچہ لبوں کی ؛
کہ محفل رچی تھی گل و بلبلوں کی

نسیم سحر کی تھی عنبر فشانی
عطا فصل گل کو ہوئی باغبانی

کسی گُل کی پوشاک تھی ارغوانی
کسی کی قبا زیب ہے زعفرانی

کہیں موتیا تھی مہکتا تھا چمپا
کہیں نسترن تھی کہیں موگرا تھا

پپیہا کا کہنا کہ پی تو کہاں ہے
شب مہ سے پُر نور ارض آسماں ہے
کسی شاخ پر کو کلا نغمہ خواں ہے
کہیں کبک تارونکی حالت دواں ہے

کہیں مور کا شور بدلی کا آنا
عجب وقت ہے لطف بھی ہے سُہانا

گل اندام نازک بدن پھر رہے ہیں
چٹکتی ہیں کلیاں تو گل مہکتے ہیں
کہیں لالہ رویوں کے جھمگٹ لگے ہیں
بہت سے یہ شان خدا دیکھتے ہیں

کہیں سرو قمری کہیں ہے ممولا
ہزاروں ہیں کیلا نہیں ہے اکیلا

کہیں قومی ہمدرد غازی ہیں بیٹھے
کہیں مفتیٔ شرع قاضی ہیں بیٹھے
کسی جا ہیں حافظ نمازی ہیں بیٹھے
کہیں مولوی اور حاجی ہیں بیٹھے

خدا کی محبت میں ہے چُور کوئی
دعا سے بزرگوں کے مسرور کوئی

الگ ان سے اک اور ہنجار دیکھا
کوئی زخم خوردہ پہ آزار دیکھا
نظر جس پہ پہنچی بہت خوار دیکھا
غم معصیت میں گرفتار دیکھا

گیا چونک اور ہو گیا خوف طاری
ہوا مضطرب ہو گئے اشک جاری

پھر آواز آئی کہ عبرت کی جا ہے
وہ طاعت سے ماں باپ کی پھر گیا ہے

وہ اچھی جزا یہ بدی کی سزا ہے
یہ جھوٹا ریاکار وہ پُر دغا ہے

گر اس سے یہ محروم لُطف و عطا ہے
شریعت کا منکر پھرا ہے خدا سے

بس اب جاؤ مدفن سے سن لو نصیحت
کرو اپنے ماں باپ کی دل سے خدمت

کرو تم یتیموں اسیروں سے شفقت
خدا کی رہے روز و شب تم پہ رحمت

نظر میں مری سین ابتک بسا ہے
یہ مدفن نہیں ربط عبرت کی جا ہے

محمد شریف اللہ ربط میرٹھی

از سرکار شاد

ڈبو یا دلکو بحرِ حُسن کی چاہت میں اب تینے
کہاں کا ناخدا کشتی خدا ہی پار کردیگا

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا
دل افگندیم بسم اللہ مجرٖیہا و مرسٰہا

ایضاً

اس عالمِ اسباب کا ہے یہ احوال
عبرت کا مقام ہے یہ دنیا اے شاد

جیسکے لئے اوج ہے اسی کو ہے زوال
کچھ بھی جو بصیرت ہو تو ہے خواب و خیال

تزک عثمانیہ

۲۹ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ

(۱۱) ستمبر ۱۹۳۰ء

انیسویں سالگرہ مبارک اعلیحضرت قدر قدرت جہان پناہ ظل سبحانی نظام الملک آصفجاہ نواب میر عثمان علی خان بہادر جی سی۔ ایس آئی فرمانروائے ملک دکن کی

مبارک یادگار میں

بسرپرستی عالیجناب مہاراجایان سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جی سی۔ آئی۔ ای پیشکار و سابق مدارالمہام سرکار عالی تلمیذ حضرت آصف غفران مکان

محبوب پریس علاقہ پیشکاری سے شائع ہوا

فہرست مضامین تزک عثمانیہ جلد (۲) نمبر (۱۱)

رسم سالگرہ کی تاریخ

یہ رسم قدیم زمانہ سے چلی آتی ہی معلوم ہوتا ہی کہ اس رسم کی بنیاد آغاز مین مذہبی خیالات پر قائم ہوئی تھی اور اسکا اثر مذہبی حیثیت سے ایک قوم سے دوسری قوم مین منتقل ہوتا رہا۔
سب سے پہلے اس رسم کی ابتدا جم کے عہد مین معلوم ہوتی ہی کہانیون مین اسکے متعلق تین باتین مشہور ہین۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس روز دنیا کو پیدا کیا وہ دن اُن لوگون مین متبرک خیال کیا جاتا تھا۔ اور اُس روز عید کیا کرتے تھے شادیانے بجاتے اور طرح طرح کی خوشیان مناتے تھے۔
دوسری یہ کہ جس دن حضرت آدم مخلوق ہوئے اُس دن کو بھی وہ لوگ متبرک جانتے اور عید منایا کرتے تھے۔
تیسری یہ بات مشہور ہی کہ جم دنیا کی سیر کو اپنی تخت گاہ سے نکلا جب آذربایجان مین پہنچا تو زرین تاج سر پر رکھکر ایک میدان مین مرصع تخت پر بیٹھا آفتاب قریب غروب تھا شعاعین اُسکے تاج پر پڑین تو معلوم ہوا کہ ایک اور آفتاب نکل آیا چونکہ زبان پہلوی مین کرن کو شید کہتے ہین اسلئے یہ لفظ اُسکے نام پر بڑہا دیا گیا۔ اُس وقت سے جم جمشید ہو گیا اور اُس ستارزون کی تعظیم ہونے لگی۔
اہل فنیشیا مین یہ رسم قدیم الایام سے چلی آتی معلوم ہوتی ہی کہتے ہین کہ ابکیال اہلِ صور

کے عہد مین جو اکہزار پچاس برس قبل حضرت مسیح تہا اور حضرت داؤد کا ہمعصر یہ رسم جاری تھی -
ملکہ ڈائیڈو اپنے بہائی پگمیلین کے ہاتھون صور سے بہاگ کر افریقہ چلی گئی اور اُس نے
وہان سلطنت کارتیج کی بنیاد ڈالی خیال کیا جاتا ہی کہ یہ رسم ملکہ موصوفہ کے ساتھ صور سے افریقہ
مین منتقل ہوئی ہوگی اور چونکہ یونانیون نے اہل فنیشیا سے اول اول کسب کمالات کیا تہا اور اُن کے
مذہب پر بھی فنیشیا کا اثر پڑا تہا اسلئے یقین ہی کہ یونان نے بھی رسم سالگرہ مین انہین کا اتباع کیا ہوگا -
اہل فنیشیا بعض دیوتاؤن کی یاد مین سالانہ جلسہ کیا کرتے تھے اور عید مناتے تھے یونانیون نے
نئے دیوتاؤن کی پرستش شروع کی مگر سالانہ جلسہ و جشن کی ترتیب وہی رکھی جو فنیشیا مین تھی
ایرین قوم مین اس رسم نے ایسا پختہ مذہبی رنگ پکڑا تہا کہ رفتہ رفتہ مذہبی و زیستی کی سالگرہ گویا
مذہبی لوازم مین داخل ہو گئی ممکن ہی کہ انہون نے اپنے ایرانی بہائیون سے اس رسم کو اخذ کیا ہو
مگر اسکی کوئی صریح دلیل معلوم نہین ہوتی -

رومائیون مین اس رسم کا یونان کی طرف سے آنا پایا جاتا ہی جولین شہنشاہ روم کے عہد مین
یہ رسم نہایت دہوم سے ہوا کرتی تھی لوگ عمدہ پوشاک پہنتے جلوس نکالتے آپسمین ملتے ایک دوسرے کو
تحفے دیتے تھے اور تمام ممالک محروسہ مین اس خوشی کی تعطیل ہوتی تھی -

عیسائیون مین بھی یہ رسم مذہبی حیثیت سے شروع ہوئی ہی پچیسوین دسمبر کو جو حضرت مسیح کی
پیدایش کا دن ہی خوشی مناتے ہین اس رسم کو پوپ ٹیلیس فورس نے ۱۳۶ ع مین جاری کیا تھا -

عربون مین اس رسم کا اثر معلوم نہین ہوتا بنی امیہ و بنی عباس ان دونون حکومتون مین
اس رسم کا پتہ نہین چلتا قیاس کیا جاتا ہی کہ ہجرت کی ساتوین صدی مین جنگ صلیبی کے وقت

ارض مقدس پر عیسائیون سے جو دو صدیون تک میل جول رہا ہے اُس سے مسلمانون نے یہ رسم اختیار کی ہو تو کوئی تعجب نہین ہے ۔

مگر مذہبی حیثیت سے جہانتک خیال کیا جاتا ہی مسلمانون مین یہ رسم زمانہ دراز سے جاری ہے مجلس میلاد شریف کے جلسے اور اولیاء اللہ و اکابر اسلام کے روز پیدایش کی تعظیم اسگلے وقت سے چلی آتی ہے ۔

مغلون نے اس رسم کو تاتاری ترکون سے لیا اور خاندانِ چغتائیہ پر ہندون کا بہت اثر پڑا - اُس خاندان مین یہ رسم ادا کرینکی اس قدر دہوم ہوتی تھی کہ غیر ممالک کے سیاح اور سفرا کی آنکھین خیرہ ہوجاتی تھین - امرائے دربار اپنی نشست کی جگہ کو نہایت اہتمام سے آراستہ کرتے اور خود بادشاہ سلامت دربار مین جلوہ افروز ہوتے تھے ہر طرح کا سامانِ عیش جمع کیا جاتا تھا دور دور سے رجواڑے اور صوبہ دار اس جلسہ مین شریک ہونے کو حاضر دربار ہوتے اور نذر گزرانکر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرتے تھے ۔

شاہی مکانات کی دیوارین اطلس سے منڈھی جاتی تھین تجار مالامال ہوجاتے تھے ۔

اس جلسہ مین تلادان کی رسم بھی ادا کیجاتی تھی - بادشاہ اور بڑے بڑے اُمرا ترازو مین بیٹھتے اور سونا چاندی جواہرات سے تولے جاتے اور وہ سارا مال فقرا و مساکین پہ صدقہ کیا جاتا ۔

اُمرا کی عورتین محل مین دُکانین لگاتین اور شاہزادیان خریدنے کو آیا کرتی تھین سب سے بڑی بات اس خرید و فروخت مین یہ ہوتی تھی کہ قیمت طے کرنے مین ایک ایک پیسہ کے لئے جھگڑا ہوتا تھا آوازے کسے جاتے تھے۔ کوئی دوکان والی کہتی کہین اور جا کر خرید لیجئے آپ ان چیزون کی قدر کیا جانین معلوم ہوتا ہے کہ آپکی عمر ترکاری خریدنے مین صرف ہوئی ہے۔ دوسری جواب دیتی ہے یہ بیگم تو بڑی گرانفروش ہین اور کسی دوکان مین چلو جہان سستے دامون چیز مل سکے۔ مگر جب قیمت طے ہو جاتی تھی تو روپیونکی جگہ اشرفیان دیجاتی تھین ۔

اس رسم کا اختتام ہاتھیون کی لڑائی پر ہوتا تھا دو مست ہاتھی آپس مین لڑائے جاتے تھے اور اُس تماشے کے لئے بڑا اہتمام کیا جاتا تھا ۔

اب وہ رسمین تو باقی رہگئین جنمین مذہبی اثر تھا مگر خوشی کے وہ سب جلسے زوال دولت کے ساتھ ہی گویا ہندوستان سے مفقود ہو گئے رسم سالگرہ اب پھر یورپ کی طرف سے یورپین لباس مین آئی ہے ۔

یورپ مین اس رسم کا ایسا رواج ہوا کہ سلاطین پر کچھ منحصر نہین ہی ہر نامور آدمی کی جا ہے وہ کسی صیغہ کا ہو سالگرہ ہوا کرتی ہی اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ ہر مبارک اور مفید کام کی سالگرہ ہونیکا دستور ہو گیا ہے۔ رفاہ عام کے جلسے اور بڑے بڑے فتوحات کی سالگرہ ہوتی اور خوشی منائی جاتی ہے ۔

شاد عظیم آبادی

بیان تشو کے راج سے الالا کی تخت نشینی تک



زمانہ تین سو سات برس قبل سے دو سو چار برس قبل علیسے تک

تشو

تین سو سات برس قبل عیسے شاسی و د معہ اپنے بیٹے کے جو دیوانن پی
کے نام سے مشہور تھا تخت نشین ہوا۔ تشو اپنے دیوتاؤن سے خوش ہوتا تھا
اس کے وقت مین بودھ مذہب لنکا مین جاری ہوا۔ بودھ مذہب کے
پجاریون نے اپنی عزت حاصل کرنے کے واسطے اول اُس ملک کی تواریخین
جمع کین اور اُنھون نے راجہ سے بہانہ کیا کہ تمھاری سلطنت مین بہت
عجائبات واقع ہوئے ہین یعنی قیمتی دہاتین اور جواہرات وغیرہ جو زمین
مین دفن تھین نکل آئین۔ خزانے جو سمندر مین غرق تھے کنارون پر
آگئے۔ انورادہاپورا کے قریب بانس معہ پھلون اور چوپایون اور
پرندون مختلف رنگون کے نمودار ہوئے۔

ایسے تماشون کی شہادت سے وہان اُن پجاریون کے قدم جم گئے
اور خلقت اُن کی طرف زیادہ متوجہ ہونے لگی۔ تشو نے ہندوستان
کے راجاؤن سے رابطۂ اتحاد پیدا کیا۔ اور باہم ہدایا و تحائف کا سلسلہ

جاری کیا چنانچہ دوستانہ طور پر بہت سے قیمتی تحفے اور تازے میوے
اور جواہرات وغیرہ **مکدہ** کے راجہ **دہرم ماسک** کے پاس بھیجے
یہ تحفے چار معتبر شخص لائے تھے جو جہاز کی سواری مین آئے اور قریب
جزیرہ جافنا کے ساتوین روز جہاز سے اُترکر خشکی مین آئے اور مکدہ مین
پہنچکر راجہ کے دربار مین باریاب ہوئے ۔

دہرم ماسک کے ایلچیون کی بہت عزت و توقیر کی اور اُسکے عوض مین
ایک تاج اور ایک تلوار بہت عمدہ اور تھوڑا گنگا کا پانی اور بہت اسباب
مختلف اقسام کا اپنے ایلچیون کی معرفت بطریق تحفہ لنکا کو روانہ کیا اُنہین
کی ہمراہ لنکا سے گئے ہوئے ایلچی بھی واپس آئے ۔

اسی طرح راجہ **زلیس** + **گوتما** بودہ کا مطیع اپنے مذہب اور
امامت کو (جو کہ بودہ مذہب مین اُسکو حاصل ہوئی تھی) بچانے کے
واسطے تشو کے پاس قیمتی تحفہ سفارش کے طور پر لایا ۔ ماسوا اس کے دہرم ماسک
نے اپنے بیٹے **ماہندو** کو بودہ مذہب کا امام بنا کر تشو کے پاس بھیجا
کہ وہ اُس کی سلطنت مین نیا مذہب بودہ رائج کرنے کے لیے اُس سے
مدد لے ۔ ماہندو اور اُس کے ہمراہی بڑی شان و شوکت سے تشو کے
پاس پہنچے ۔ تشو نے بہت خاطر و مدارات کی اور ملک مین آزادانہ پھرنے
اور وعظ کرنے کی اجازت دی ۔ یہ تازہ وارد گروہ راجہ کی حمایت پاکر

دلیری کے ساتھ ملک مین اِدہر اُدہر کہتا پھرا اس وعظ و نصیحت کی حالت
مین اُس ملک کے دیسی باشندے بھی اُن کے پند و نصائح کو سُن سُنکر
آپس مین کچھ کچھ سرگوشیان کرتے تھے۔ چنانچہ بعض آدمیون نے خیال
کیا کہ اپنے وعظون کو سُنکر واعظون کی نسبت دیوانگی یا مجذوبیت
کا خیال کرتے تھے بعض کا یہ خیال ہوا کہ انصاف ضرور کرنا چاہئے واقعی
اگر ہمارے بزرگونکا قدیمی مذہب سچّا ہے تو اُس پر ہمکو مضبوط رہنا چاہئے
اور اگر جھوٹا ہے تو اُس کو ترک کر کے راہ راست اختیار کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ
مذہب اک ایسی سیدھی راہ ہے کہ جو انسانی روح کو اصلی راحت و آرام
مین داخل کرتی ہے۔

جبکہ ماہندو ہر طرف وعظ کرتا پھرتا تھا تو اُس کے سُننے کو عورات
کے بھی بہت سے ہجوم جمع ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک بڑی
جماعت عورتون کی اپنی سردار ملکہ انولا کی ہمراہ اس خواہش سے
ماہندو کے پاس آئی کہ اس نئے مذہب کی امانت عورات کے واسطے
ملکہ انولا کو دی جائے لیکن ماہندو نے اس درخواست کو قبول نہ کیا
بلکہ جواب دیا کہ عورت کی تعلیم مذہب کے واسطے خاص میری ہمشیر سنگھامتا
مشہور ہو چکی ہے اور اُسکو لنکا مین وعظ و نصیحت کرنے کے واسطے
بُلا دینے کا اقرار کیا۔ او بعد واس واقعہ کے ایک شخص سنگھامتا

کے پاس یہ پیغام لیکر بھیجا کہ اس ملک مین بہت سی عورتین ہمارے نئے مذہب مین بخوشی داخل ہونے کی آرزو رکھتی ہین لیکن اُن کی تعلیم اور تلقین کے واسطے کسی لایق عورت کی ضرورت ہے اگر مذہب کی خاطر اتنی تکلیف تم گوارا کرو تو اس سے بہتر دنیا مین کوئی کام نہین ہے سنگھامتا نے فوراً وہ خط اپنے باپ دہرم ماسک کو دکھایا اور اپنی خواہش لنکا مین جانے کے واسطے ظاہر کی۔

دہرم ماسک نے اس ارادے سے اُس کو منع کیا اور کہا کہ تیرا بھائی بھی اُس ملک مین ہے اور اگر تو بھی چلی جائے گی تو مین تم دونون سے چھوٹ جاؤن گا اور وہان جاکر پھر آنے کی امید معلوم نہین ہوتی اگر میرے نور دیدہ مجھ سے جدا ہو جائین گے تو میرے بہاری غم مین مجھ سے تسلی دینے کا کوئی ذریعہ نہین ہے۔ لیکن سنگھامتا کی عبادت اور دینداری عمر رسیدہ والدین کی محبت سے بھی سبقت لے گئی تھی۔ اُس نے دہرم ماسک کو اچھا نتیجہ دینے والی دینی نفع کی ترغیب دلائی اور وہ نقصان جو اُس کے جانے مین پیدا تھے بیان کئے۔ تب دہرم ماسک نے بڑی ہمت سے اپنی دختر کی روانگی بھی منظور کی۔ اور ایک درخت کی شاخ اپنے ساتھ لیکر جہاز پر سوار ہو کر لنکا کی طرف روانہ ہوئے۔

آخر سنگھامتا لنکا مین داخل ہوئی اور بڑے شوق سے آسی

کام کے درپے ہوئی جس کے واسطے اُس نے اس قدر دور دراز کا سفر اختیار کیا تھا۔ اور اُس نے اُس مین کامیابی بھی پائی۔ بہت سی عورتین مذہب مین داخل ہوئین اور ملکہ انولا کے امام بنانے کی بھی درخواست کی گئی۔ وہ درخت کی شاخ جو سنگھامتا اپنے ہمراہ لے گئی تھی لنکا کے مہامی گو باغ مین لگایا گیا اور باعث تعظیم مانا گیا۔

سنگھامتا نے اپنے بھائی کی مدد سے اُس جزیرہ مین عمارات ڈاگوباس اور وہاراس تعمیر کرائے اور مندر اور اُس کے متعلق بہت سی کوٹھریان فقرا اور بچاریون کے واسطے ہر جگہ بنوا دین۔ اور اپنے غمگین دل کو دہرماسک کی یادگاری کا نشان خیال کر کے اپنی محنتون پر دلجمعی کر کے باقی عمر تنہائی مین بسر کی۔

ماہندرا اور سنگھامتا نے لنکا مین بودھ مذہب پھیلانے کے لئے اپنی زندگی مخصوص کر دی تھی۔ اس کام کے واسطے اُنہون نے بلند مرتبون اور عیش کو ترک کیا۔ پیارے عزیز اور شفیق والدین کو چھوڑا۔ وطن سے کنارہ اختیار کیا سچ ہے کہ کوئی رواج نہین پاتا جب تک کہ اُس پر پوری جان نثاری نہ کی جاوے۔

*یہ درخت پیپل کا تھا جسکے نیچے گوتم بودھ کو اول مرتبہ گیان ملا تھا۔ فرقہ ہنود مین پیپل کی عزت اُسی روز اور اُسی وجہ سے ہے۔

لٹسو نے انورادہاپورمین تھمیارا مایا اور ڈاگو یا بنوائے

یہ مکانات مندر یا گرجا یا مینار کی وضع کے سیلون مین نہایت عمدہ تعمیر کئے گئے ہین۔ اور اس عمارت مین بودہ مذہب کے موجد کی گردن کے پاس کی ہڈّی (ہنسلی) سیدھی طرف کی بتر گا نصب کرادی ہے۔ انورادہاپور کے قریب مہنٹلا پہاڑ پر اُس نے پوجاریون کے واسطے ۶۴ کوٹھریان تعمیر کرائین ماسوائے اس کے ایک بڑا تالاب بنایا اُس کا لٹسو دیوا نام رکھا۔

انولا لٹسو کی رانی لٹسو کے بھائی مہنگا سے خوف کرتی تھی کہ ایسا نہو کہ راجہ کے مرنے کے بعد اُس کا بھائی ملک غصب کرے اور راجہ کی شیر خوار اولا د محروم رہجائے۔ اس خیال سے رانی نے مہنگا کے ہلاک کرنے کی صلاح سوچی اور بہانے سے ایک زہرآلود پھل تحفہ مین بھیجا قضا کار اُس وقت لٹسو کا بیٹا شیرخوار مہنگا کی گود مین تہا اور یہ تحفہ پہنچا مہنگا اُس کی حقیقت سے بالکل بے خبر تہا۔ بچہ نے ضد کرکے وہ پھل اُسکے ہاتھ سے لیکر چوسنا شروع کیا اور اس طرح لاعلمی مین وہ بچہ اُس زہر کے اثر سے مرگیا (جیا وکن راجا وہ رپیش) اکثر آدمی دوسرے کے واسطے گڑہا کھودتے ہین مگر وہ اُس مین خود ہی گر پڑتے ہین۔ مہنگا نے جب دیکھا کہ شاہی خاندان میری ہلاکت کے درپے ہے تو موقع پاکر اُس جزیرے کے جنوبی حصے کو بھاگ گیا اور وہان صوبہ مہنگاما کی حکومت پر قابض ہوکر

روہنا کے نام سے اپنے آپ کو مشہور کیا۔ اور مقام سنبٹی مین عمارتین

دہاراس ڈاگوبا۔ ماہی نیگانا نام کی تعمیر کرائین۔ مہنگ کے

بیٹے بٹالاسنا کے مقام کیانی کو اپنا تخنگاہ بنایا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سابق یہ شہر سمندر سے سولہ میل کے فاصلہ پر

تہا لیکن تہوڑی مدت بعد اس فاصلہ کے حصہ کا ایک بہت بڑا ٹکڑا سمندر

مین غرق ہو گیا جس کے سبب اب قریب چار میل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔

سٹو نے چالیس برس راج کیا اور ۶۲ برس قبل عیسیٰ اٹلیا۔ اُس کا بیٹا

جانشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی سے آٹھ برس بعد ماہندو بھی مر گیا راجہ نے

بعد تجہیز و تکفین اُس کی لاش کو لکڑیون کے انبار مین رکھکر اپنے ہاتھ سے

آگ لگائی۔ اور بڑی شان و شوکت سے اُسکو پہونکدیا۔ اسی اثنا مین

سنگہامتا بھی مر گئی۔

اٹلیا بھی تہوڑی مدت راج کر کے مر گیا۔ بعد اُس کے اُسکا چہوٹا بہائی

مہاسیوا تخت پر بیٹھا اور دس برس تک اپنی راجائی کا لطف اُٹھایا بعدہ

مر گیا۔ مہاسیوا کا جانشین سوراتسا ہوا مگر یہ کمال نادان تہا دوست

دشمن کی تمیز اسکو بالکل نہ تھی۔ چنانچہ اس نے تمل خاندان کے دو شخص

سپہ سالار سینا اور گوٹیکا اپنے حضور مقرر کئے اور اُن پر زیادہ اعتماد

کیا۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن نمک حرامون نے موقع پاکر راجہ کو قتل کر دیا

اور خود مالکِ ملک بنگئے۔ اور بائیس ۲۲ برس تک خوب امن وآسایش سے راج کرتے رہے۔ بعدازان مقتول راجہ کے خاندان مین سے ایک شخص **اسیلا** نام نے جوکہ ایک افسر تھا اُن نمک حرامون سے تخت چھینا اور اُن کو قتل کیا (کہتے ہین کہ اسیلا مہاسیوا کا نوان بیٹا تھا)۔

الالا ٹمیل خاندان کے راجہ زادہ* نے جوکہ سلطنت **چولا** کا فرمان روا تہا مخالفون کی فتحیابی سُنکر ملک چھین لینے کے ارادے سے اپنا لشکر جہاز مین سوار کراکر **مہاولی گنگا** کے دہانہ پر جا اُتارا۔ اور ٹھیک انورادہاپور پر حملہ کرکے اسیلا کو شکست دی جس نے اُس کی ترقی کو روک دینے کا قصد کیا تھا اور سوائے روہنا کے تمام ملک کو زیر کرکے اپنا مطیع ومنقاد کیا۔ اُس ملک مین بتیس ۳۲ قلعہ تعمیر کرائے اور مقام منارا کے قریب ایک عالیشان عمارت بنوائی جس کا نام **منوٹا** رکھا گیا۔

واضح رہے کہ خاندان ٹمیل کا یہ بڑا اور سب سے پہلا حملہ تہا الالا برہمن مذہب کا پیرو تہا اس کے قبل لنکا مین زیادہ تر بودھ مذہب پھیل چکا تہا اور الالا کا ارادہ بودھ ملت کے بربادی بلکہ بیخ کنی پر مضبوط جم چکا تہا۔ اس لئے اُسنے بودھ کے مندر اور خانقاہین جہانتک پائین مسمار کرڈالین۔ اور کوئی متبرک مقام بودھ مات کا اُس کے دست برد سے نہین بچا۔ مینار توڑے

* چولا وہ راج ہے جو پنڈیا کے راج کے شمال مین واقع ہے۔

ڈاگو باس ڈہا دئے۔ پیرورن کو قتل کیا۔ غرض جو کچھ اُس کے امکان مین ہوا
اور جہانتک اُس کی قدرت چل سکی بودھ مذہب کے مٹانے مین اُس نے
کمی نہین کی لیکن باوجود اس عداوت قلبی کے اُس نے دوست اور دشمنون
کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا۔ اور اُس کے عدل وداد کی نوبت یہانتک
پہنچی کہ ایک زنجیر آہنی اُس نے قلعہ کے دروازے پر لٹکائی اور دوسری کو
اپنی خوابگاہ کے قریب ایک گھنٹے سے ملایا جس سے دادخواہون کی
زنجیر ہلانے سے گھنٹہ بجتا تہا اور فوراً دادرسی کیجاتی تھی۔

ایک سو اکسٹھ ۱۶۱ برس قبل عیسیٰ **وونگ منو** کی تخت نشینی سے
دوسو اٹھارہ برس بعد عیسیٰ **سری سنگا بو** کے مرنے تک۔

بعد فتحیابی الالا امن وامان سے لنکا مین حکومت کرنے لگا لیکن
جنوبی حصہ جو کہ روہنا کے قبضے مین تہا اس کی ماتحتی سے بچ گیا۔ اور ر
اور کچھ ایسی پایداری کی حالت مین تھا کہ اُس طرف الالا نے رخ بھی
نہین کیا۔ اور الالا کو بھی اس قدر استحکام ضرور تہا کہ روہنا نے بھی
اس کی حکومت مین کوئی تعرض نہین کیا الغرض اک عرصے تک دونون
حکومتین جاری رہین بعدہ روہنا کا انتقال ہوا مگر اُس کا بیٹا **کیوان ٹسّا**
باپ سے بھی زیادہ مستعد نکلا اُس نے بھی کمال رعب وداب سے
حکومت کی اور اُس کے عہد مین بھی کسی کی ہمت اُس فوج کشی کی نہین ہوئی

لیکن کیوان لٹسا کے دو بیٹے تھے جن مین سے بڑا بیٹا ایام طفولیت ہی مین خاندان تمیل سے لنکا کا راج چھین لینے کو خیالات ظاہر کرتا تھا مگر ایسی باتون سے اُس کا باپ مانع ہوتا تھا۔ اس عالی حوصلہ فرزند کا نام جمینو تھا۔ باپ کی روک ٹوک سے تنگ آکر اُس نے نادانی کی حرکت ایسی کی کہ جس سے بہت جلد اُس کا دلی حوصلہ پورا ہوا یعنی ایک اُس کے مذکورۂ بالا خیال پر اُس کا باپ ناخوش ہوا جمینو نے اُس ناخوشی پر اپنے ہاتھ پانون سمیٹ کر پلنگ پر پڑ رہنا اختیار کیا۔ دو چار روز اسی طرح گذرے ایک روز کیوان لٹسا اُس سے کہنے لگا کہ پیارے بیٹے ہاتھ پانون کیون نہین پھیلاتے کیا کوئی بیماری کی وجہ ہے۔ اِس پر جمینو نے جواب دیا کہ ہاتھ پانون پھیلانے کی لائق جگہ ہو تو پھیلاؤن ہمارے ملک کے جنوب مین سمندر ہے البتہ شمال کی طرف کا ملک فتح کر لون تو پانون پھیلا سکون گا۔ اس بات کو سُنکر کیوان لٹسا خاموش ہو رہا بعدہ جمینو نے شب و روز کی محنت سے چند روز مین لشکر کو آراستہ اور مستعد پیکار بنایا اور جب اس کام سے فارغ ہوا تو اپنے باپ سے اس امر کا خواستگار ہوا کہ اُس کو الالایہ فوج کشی کرنے کی اجازت دی جائے۔ باپ نے اُس کو اجازت نہ دی درجہ لطائف الحیل جمینو کے اس ارادے کو روک دیا بعد چندے پھر جمینو نے درخواست کی

مگر پھر ناکام رہا۔ تیسری مرتبہ جمینو نے نہایت زور ڈال کر اجازت چاہی مگر پھر بھی بار قبولیت کو نہ پہنچی۔ تب جمینو نے کمال ناراضی سے عورتون کا زیور اُتروا کر معہ ایک رقعہ کے بطریق تحفہ باپ کی خدمت مین بھیجا اور اُس مین لکھا تھا کہ اس کو پہنکر زندگی بسر کرو۔ کیوان شا نے اس گستاخی کی سزا دینے کا قصد کیا مگر جمینو اُس ملک کے کوہستانی حصے مین بھاگ گیا۔ اور وہان اُس نے ڈولو کا لقب حاصل کیا اور بہت سرکش ہو گیا۔ اس عرصے مین اُس کا باپ بھی بہت جلد مر گیا۔ اب تو جمینو آزاد ہو کر اپنے ارادون کے درپے ہوا اور بہت سا لشکر سوار و پیدل کا ہمراہ لیکر مہاولی گنگا کو اُتر آیا اور راہیون کی لڑائی سے بڑی فتح پا کر وجیتا پور کا محاصرہ کر لیا محصورین بھی جرأت مین اُس سے کم نہ تھے باوجود محاصرہ کر لینے کے کئی مہینے تک بڑی بہادری سے لڑتے رہے۔ آخر کار جمینو کے ہاتھی نے ایک بڑی بھاری مضبوط آہنی پھاٹک کو توڑ ڈالا اور محاصرین نے شہر مین گھسکر اہل قلعہ کو قتل کیا اور لوٹ مار سے مالا مال ہوئے۔ یہ شہر اور قلعہ الالا کے ملک کے متعلق تھا اور اُس مین الالا کی طرف سے فوج اور حاکم مقرر تھے اس کے بعد جمینو نے گرد و نواح کے بہت سے چھوٹے چھوٹے مقامون کو بہت جلد مغلوب کر لیا اور لنکا کی دارالسلطنت پر بھی قبضہ کر لیا اور وہان اس قدر استحکام کیا کہ ۳۲ قلعہ بھی تعمیر کرائے جبکہ جمینو کو

فتوحات حاصل ہو رہی تھین اُس زمانہ مین الالا اپنی موروثی حکومت چولا مین
مقیم تھا جو کہ ہندوستان مین مدراس سے جنوب کو واقع ہے ۔ لنکا مین
اُس کے مقرر کئے سرداروں کو جو شکستین ہوئین اور گویا تمام لنکا کا ملک الالا
کے قبضہ سے نکل کر جمینو کے زیر فرمان ہو گیا ان امور کی خبر الالا کو بہت دیر
مین پہنچی آخر مطلع ہونے پر الالا نے معہ اپنے ایک نہایت لائق ڈگی جنٹا
نامی سپہ سالار کے ہمراہ ہاتھی پر سوار ہو کر جمینو پر حملہ کرنے کے لئے لشکر
لیکر روانہ ہوا اور لنکا مین پہنچکر آمادہ بیکار ہوا ۔ جمینو اپنی تمام قوت سے اُس کا
مقابلہ کرنے کو آگے بڑہا تہا کہ باہم مقابلہ ہو گیا ۔ بہت بڑی جنگ کے بعد
ٹیمل کا لشکر جمینو کے حملہ کی تاب نہ لاسکا اور بہاگ کر قلعہ بند ہو گیا لیکن
سنہالیز کے لشکر نے اُن کو قلعہ بند ہونے کی زیادہ مہلت نہ دی کیونکہ بہت
جلد قلعہ ڈگی جنٹا سے چھین لیا گیا جب الالا کا سپہ سالار بہاگا تو جمینو کے
ایک افسر نے اُسے مار ڈالا ۔ اس سبب سے الالا کا لشکر زیادہ تر شکستہ خاطر
ہو گیا اور دم بدم اُن کی ہمت مین ضعف آتا گیا آخر جمینو کا روکنا دشوار ہو گیا
یہ حال دیکھکر الالا بذات خود اپنے لشکر کا اک عمدہ سپہ سالار تہا نہایت قواعد دان
اور فنون حرب سے خوب واقفکار ۔ آخر ایک نہایت قواعد دان اور مستعد
رسالہ لیکر جمینو کے مقابلہ کو آگے بڑہا جمینو [illegible] بچپن سے لڑائیون کے
مشغلون مین رہا تہا اور ہر دم جنگ وجدال [illegible] کے دہیان مین رہتا تھا اسلئے

کاروبار ریکار رسے ایسا واقف اور ہوشیار تھا کہ اپنے نزدیک الالا کی ہستی نہین سمجھتا تھا) ایک مشہور اور جنگ آزمودہ ہاتھی پر سوار ہو کر مقابلہ مین آیا اور باہم دونون راجاؤن کی جنگ ہونے لگی۔ الالا نے اپنے حریف کے بھالا مارا مگر دشمن نے اپنی چالاکی سے وار خالی دیکر الالا کے ہاتھی کو دبایا اس اثنا رمین ہر اک ہاتھی ایک دوسرے پر جھپٹا کہ ناگاہ الالا ہاتھی سے نیچے گر پڑا جیمنو کے ہاتھی نے الالا کو پانون سے کچل ڈالا جیمنو فتحیاب ہو کر بڑی شان و شوکت سے انورادہاپور مین داخل ہوا اور بعدہ سنہالیون کے فرقہ مین سے ایک شخص کو اپنی طرف سے عیسیٰ سے ایک سو چونسٹھ برس قبل انورادہاپور کے تخت پر بٹھا کر اپنے موروثی ملک جنوبی لنکا کو واپس آیا۔

جیمنو نے اپنے بہادر مخالفین پر نہایت مہربانی ظاہر کی جس جگہ الالا گرا تھا وہان بڑے تکلف سے اُس کو جلا دیا اور حکم دیا کہ راجہ جب اس جگہ قریب ہو کر نکلے باجا خاموش کر دیا جاوے اور راجہ کو لازم ہے کہ خود پیادہ پا چلے۔

دونگ منو لڑائی مین بہتیا رجانون کے تباہ ہونے سے آخرت کا خیال کر کے بہت فکرمند ہوا اس واسطے اُس نے اپنی سب دولت اور قوت کو **ڈگوبا** اور **ڈہاراس** تعمیر کرنے مین صرف کیا

تواریخ سے ڈرنگ منو کا بہت بڑا یہ کام پایا جاتا ہے کہ اُس نے لوڈا پہا
نام کی نہایت عالیشان عمارت انورادہا پور مین تعمیر کرائی۔ اس عمارت کی
کیفیت یہ تھی کہ اس راجہ نے اس کی تعمیر مین یہ قصد کیا تہا کہ اس کی ثانی
عمارت اِس جزیرے مین کوئی نہ نکلے چنانچہ وہ مکان دو سو ستر فٹ کا مکعب
بنایا گیا تہا یعنی اسیقدر چوڑا اور اسیقدر لمبا اور اسی قدر بلند تھا
اُس کے خوشنما کمرے سولہ سو سنگ مرمر کے ستونون پر قائم کئے گئے
تھے۔ اُن ستونون کی چالیس ہموار قطارین ہر طرف خط مستقیم پر بنائی
گئین تھین۔ اور ہر قطار مین چالیس ستون نصب کئے تھے۔ درمیانی
ستون زمین سے قریب بارہ فٹ کے بلند تھی۔ اور کسی قدر مزین تھی
باہر کے ستون صاف اور ہموار تھے اُن پر سوائے صفائی کے
دوسری کسی قسم کی زینت نہین دی گئی تھی۔ مگر اکثر ستون موٹی موٹی
میخون سے ٹھونکے گئے تھے۔ کسیقدر رشق ہو گئے تھے اُن ستونون
پر منزلہ مکان بنا تہا جس مین نو سو کمرے تھے سب کمرون کی چھتین کسی
دہات کی بنائی گئین تھین۔ یہ عمارت اندر سے بڑی شاندار تھی درمیان
مین ایک وسیع کمرہ تھا اُس مین شیرون اور ہاتھیون کی تصویرین منقش تھین
اور ہر جگہ زرافشانی سے زینت دی گئی تھی اور آخر مین ایک طرف
ہاتھی دانت کی خوبصورت دستکاری کا شاہی تخت آراستہ کیا گیا تھا

سب بزرگ پروہت سب سے اوپر کی منزلون مین رہتے تھے اور جو لوگ پاکیزگی کی طرف پورے پورے متوجہ نہ تھے یا نوآموز تھے وہ سب سے نیچے کی عمارت مین رہتے تھے۔ چونکہ اُس مکان کے زینے بہت اونچے اور ڈہالو تھے۔ بڑے پروہت کو نو منزلون کا چڑہنا بہت دشوار ہوتا تھا یہ اُس کی ریاضت کی شناخت سمجھی جاتی تھی۔ لیکن یہ وہت اِس امتحان سے ناخوش رہتا تھا۔

سنہالیسز (جنگلیون) کی تواریخ مین ذکر کیا گیا ہے کہ رداویلی سایا ڈاگوبا انوراداپور مین دو سو ستر فٹ بلند عمارت بنائی گئی تھی۔

جس عمارت کی تعریف ہم اوپر بیان کر آئے ہین افسوس کہ وہ اب ایک گول ڈہیر اینٹون کا ہے جو جنگلی جہاڑیون سے گھرا ہوا ہے اور درختون سے چھپ گیا ہے۔ اب بھی اس ٹیلہ کی بلندی ایک سو نواسی فیٹ اور محیط دو ہزار فٹ مربع ہے اُس مین بڑے بڑے پتھرون کا کھرنجہ تھا اور سنگ مرمر کی پچی کاری کی ہوئی تھی اُس کے گرد ایک وسیع خندق کھدا تھا جس کا عرض ستر فٹ پیمایش ہوا ہے اُس کے چبوترے کے چارون گوشون پر پتھر کی مورتین کھڑی تھین جن کے سر ہاتھیون کے سے تھے۔

یہ عمارت بناتے وقت **ڈوتگ مٹو** نے خیال کیا کہ نیک

کام اور متبرک عمارتین بیگار کے ذریعہ سے نہ بنانا چاہیئین چنانچہ اُس نے
اُن لوگون کو جو اُس کی متواتر لڑائیون کے سبب تباہ اور شکستہ حال
ہو گئے تھے اُن کو نوکر رکھ لیا لیکن افسوس کہ وہ آخر ڈاگوبا (مندر)
کی تعمیر کی تکمیل نہ کر سکا۔ کیونکہ آخر عمر مین وہ بیماری سے اس قدر زار و
ناتوان ہو گیا تھا کہ اُس کو نشست و برخاست اور گفتگو بھی دشوار تھی
مگر اُس کے لایق اور دور اندیش خیر خواہ بھائی نے اس خیال سے کہ
اُس کو مرتے وقت ڈاگوبا کی تعمیر کی تکمیل کی آرزو نہ رہجائے اُس کے
خوش کرنے کے لیئے ایک لکڑی کا ٹھاٹ ڈاگوبا کی وضع کا بنا کر
اُس پر کپڑا ڈال کر چھپا دیا تاکہ اُسکو ظاہر ہو جائے کہ اُس کی تعمیر پوری
ہو گئی۔ آخر ڈونگ منو کو بیماری کی حالت مین اُس کے حکم سے ڈاگوبا
کے پاس لے گئے اور ایک فرش پر لٹا دیا جہان سے وہ عمارت
خوب نظر آتی تھی اُس کو ڈونگ منو نے کمال حسرت کے ساتھ دیکھا اور اپنے
ایک سپہ سالار کی طرف (جو پر دست ہو گیا تھا) مخاطب ہو کر کہا کہ
زمانہ گذشتہ مین جبکہ مین لڑائی مین مصروف تھا ہزارون بہادرون نے
میری مدد کی اب مین تنہا موت کے ساتھ لڑائی شروع کرتا ہون مگر افسوس
ہے اور اب یہ یقین ہے کہ اُس دشمن (یعنی موت) پر غالب نہو سکون گا
اور کوئی میری مدد نہین کر سکتا ہے۔ اللہ اکبر کیا حسرت بھرے کلمات ہین

جن سے قلب کو جنبش ہوتی ہے۔ ہوشیار انسان اِن باتون سے عبرت
حاصل کرتے ہین۔ سنہالی مورخ لکھتا ہے کہ اُس وقت ڈوٹنگ منو کی سخاوت
اور فیض رسانی کے کامون کی ایک بہت بڑی فہرست اُس کے سامنے
پڑھی گئی۔ قریب المرگ راجہ نے کہا کہ یہ سب کام میری اقبالمندی کے
دنون کے کئے ہوئے ہین لیکن افسوس کہ اس وقت مجکو اُن کامون سے
کچہ آرام نہین ملا۔ مگر ہان وہ عجیب وغریب ڈاگوبا جن کو تہا مین نے
بنایا ہے مجکو تکلیف مین آرام دین گے یہ کہکر ڈاگوبا کی طرف حسرت سے
دیکھتا ہوا ایک سو چالیس برس قبل مسیح سے پہلے راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ گویا
اُس وقت اُس نے اپنے دل مین یہ خیال کیا کہ مذہب اور یہ دونون
دونون کا مین غلام ہون یہی آخری دوڈاگوبا سے اُسکی مراد تھی۔

اُس کے بعد سیڈی ٹشا ڈوٹنگ منو کا بھائی تخت نشین ہوا
جبکہ وہ صوبہ روہنا مین حکومت کر رہا تھا اُس نے ضلع ماٹرا مین مرنگل
گالاوہارا (عبادت خانہ) تعمیر کرایا اُس نے اپنی تخت نشینی کے بعد
روان ویلی ڈاگوبا اور کئی تالابون کی تعمیر کی اس کے عہد مین حکومت
کو استقلال حاصل ہوا لیکن اُس کے بعد اس کے جانشینون کے عہد
مین کچہ خرابی واقع ہوئی اور اس چہوٹے سے جزیرے مین کئی چھوٹی چھوٹی
حکومتین قائم ہوگئین۔ چنانچہ ایک سو چار برس قبل عیسے اسے والاگام باہو

تخت نشین ہوا تھوڑے عرصہ مین ایک دوسرا بڑا حملہ اس کے عہد مین ٹمیل خاندان کا ہوا۔ اُس وقت مین لنکا مین سات راجے مختلف طور پر حکومت کرتے تھے اُنہون نے والاگام باہو سنہالیز کے راجہ سے ملک چھین لینے کا اچھا موقع پایا چنانچہ ساتون نے متفق ہو کر والاگام باہو پر حملہ کیا اور ایک بڑی لڑائی کے بعد انوراد ہا پور کے قریب سنہالیون کو شکست نصیب ہوئی اور والاگام باہو بمجبوری اپنی رانی کو فتحیابون کے قبضہ مین چھوڑ کر صرف اپنی جان بچا کر کسی قریب کے جنگل مین بھاگ کر پناہ گزین ہوا۔ اس مرتبہ بھی ٹمیل سرداسد نکا چودہ برس تک قبضہ رہا۔ اس کے بعد خود ٹمیل خاندان مین ہنگامہ کارزار گرم ہوا اور باہم جدال و قتال ہونے لگا۔ آخر اُن مین سے صرف ایک باقی رہ گیا اور سب آپس مین کٹ مرے اس مین والاگام باہو کو پھر ہمت پیدا ہوئی اور جنگل سے نکل کر کچھ اِدہر اُدہر سے فوج فراہم کر کے اُس ایک باقی رہے ہوئے پر یورش کی چنانچہ اُس کے کمزور ہاتھون سے عنان ملکی کو پھر اپنے دست قدرت مین لیا اور فتحیابی کے ساتھ اپنے موروثی ملک مین پھر اُسی شان سے حکومت کرنے لگا جس شان سے قبل ازین وہ حکمرانی کرتا تھا۔

بودہ مذہب کی تواریخ مین والاگام باہو کا عہد خوب مشہور ہے کیونکہ اُس نے مذہبی قانون اور کتابین تیار کرائین ان کتابون کو تھری تیاکا

سے کہتے ہین جو اولاً لنکا مین لکھی گئی ہین یہ کتابین مقام **الیو دہارا** مین بہت سے بدھوں نے جمع ہو کر لکھی ہین۔

والاگام باہو نے **دام بولا ردہارا** اور پتھر کے مندر بہت سے تعمیر کرائے اور انورادہا پورہ مین **ابایاگری ڈاگوبا** بھی تعمیر کرایا جس کی بلندی چارسو فٹ سے زیادہ تھی۔ اور اُس کے باہر احاطہ کی دیوار کافی الحال پونے دو میل محیط ہے۔ اُس نے اپنی رانی کی صحت کی یادگار مین جسکو تمیل لوگ لے گئے تھے۔ **سوانارا ماڈاگوبا** طیار کرایا اس کی بلندی تین سو ترہ فٹ تھی ستتر برس قبل مسیح سے والاگام باہو مرگیا۔

بعدہ **انولارانی** کی حکومت لنکا مین ۴۸ عیسوی مین ہوئی۔ یہ سب سے پہلے عورت ہے جو لنکا مین تخت نشین ہوئی۔ اس نے اپنے شوہر **کوڈا لسانا** کو زہر دیکر مار ڈالا۔ اور ایک غیر مشہور شخص **بالٹ سیوا** نامی کو اپنا خاوند بنالیا مگر بہت جلد اُس سے ناموافقت ہوگئی۔ پھر خاندان تمیل کے ایک معزز شخص کو منظور نظر کر کے **بالٹ** کو زہر کا جام نوش کرایا اور شوہر کے خالی درجہ پر ایک نیا دوست قائم کیا۔ یہ رانی نہایت بوالہوس اور بداطوار تھی۔ اہل دربار اسکی بیجا حرکات سے نہایت ناخوش تھے۔

بدکار رانی کو اب بھی صبر نہ آیا اور ہوس نے اس تیسرے ذائقہ کی بھی تبدیلی

---

* الیو دہارا مقام مٹالی کے نزدیک ایک غار ہے جہاں راجہ جلاوطنی کی حالت مین خود بھی گیا تھا۔

جاہی چنانچہ یہ تیسرا شوہر بھی بشرح صدر ہلاک کیا گیا۔ اسی طرح تین برس سے کم مدت مین ایک برہمن اور دو خاوند اور بنائے گئے اور ٹھکانے لگائے گئے آخرکار اُس کی بدکاری کی زندگی ختم ہوئی چنانچہ اُس کا بیٹا **ماکا لان لٹو** جو **گوڈ الٹو** راجہ سے پیدا ہوا تھا اور اپنی مان کی سختی اور دشمنی سے اُس کے ہاتھ سے بچکر کسی طرف بھاگ گیا تھا۔ بہت لشکر لیکر تخت گاہ کو واپس آیا۔ انولارانی نے اُس کے مقابلہ کے لئے فوج اراستہ کی لیکن ایک ہی لڑائی مین ایسی شکست پائی کہ دارالراج انورادہاپور کا محاصرہ ہوگیا اور بعدہ نہایت سختی سے فتح کیا گیا۔ مگر رانی مطیع نہ ہوئی اور اپنے محل مین بند ہوکر خود جلکر مرگئی۔

ماکا لان لٹو نے اپنے عہد مین ایک سنگین دیوار انورادہاپور کے گرداگرد تعمیر کرائی یہ شہر پناہ مربع شکل کی بنائی گئی اُس کا ہر ضلع سولہ میل طویل تھا لیکن اُس مین تالاب اور بعض مقامات مین کھیت وغیرہ بھی تھے۔

سنہ ۶۰ء مین ایک شخص رذیل قوم کا **سوبھو نامی بٹالا کا لٹو** کا جانشین ہوگیا اس راجہ کی موت کا حال کتاب **مہا ونسو** (مہابنس) مین اسطرح لکھا ہے کہ سوبھو ظاہراجسم اور صورت مین راجہ سے بہت مشابہ تھا۔ اکثر مرتبہ راجہ اپنا خلعت اُتار کر سوبھو کو پہنا کر اپنی جگہ اُس سے کام لیتا تھا اور خود اُسکی جگہہ مثل چوبداروں کے اُس کے سامنے عصا برداری کرتا (جس طرح سلطان محمود غزنوی اور ایاز اُس کے غلام کی داستانین مشہور ہین) ان موقعون پر سوبھو

ستے اعدا لتا راجگی کا کام کرنے کا قصد کرکے راجا کو مار ڈالا- اور سولہ برس تک چین سے حکومت کرتا رہا خلقت بھی سمجھا کرتی تھی کہ راجہ بنا لا کا شوہر یہی ہے آخر بعد سولہ برس کے اس غاصب نے بھی شکست پائی- چنانچہ واسابہو نے اسکو ہلاک کیا- اس واسابہو نے انوراوہاپور کی شہر پناہ کی دیوارین اٹھارہ ہاتھ بلند کرائین اور تین دہارار (مذہبی مندر یا خانقاہین) اور گیارہ تالاب تعمیر کرائے اور رعایا کی پرورش اور نیک کامون مین اپنا وقت صرف کیا جس کا ظاہر نتیجہ یہ ہوا کہ جو الیس[۴۴] برس امن اور چین سے حکومت کرتا رہا بعدہ اپنی موت سے مرگیا-

اُس کے بعد اُس کا بیٹا و انگا ناسیکو تخت نشین ہوا- اس کے وقت مین پائے استقلال کو لغزش واقع ہوئی کاروبار ملکی مین گونہ ابتری نے راہ پائی جس کے سبب سے اس راج کے مخالفین کو جرأت پیدا ہوئی چنانچہ قدیم دشمنون کے علاوہ ایک نیا دشمن حکومت خاندان چولا پیدا ہوگیا جو کہ جنوبی ہند مین علاقہ مدراس کے منجملہ دیگر راجگان خودسر کے ایک تھا اس خاندان کے اولوالعزم راجہ نے لنکا کی حکومت مین ضعف کی خبر سُن کر اُس پر یورش کرنے کی ہمت کی اور شمالی مشرقی حصہ لنکا سے ملک مین داخل ہوکر وارالراج کے قریب تک تاخت وتاراج کرکے بہت سا مال واسباب غنیمت مین لیکر اور بارہ ہزار باشندگان لنکا قیدی بناکر

اسنے ملک کو واپس ہوا -

ابھی اس حملہ کو بہت مدت نہین گذرنے پائی تھی کہ وانگا ناسیکو کے عالی ہمت اور اقبالمند بیٹے **گجا باہو** نے اس یورش کا بدلا لے لیا - اس راجہ زادے نے بہت سا لشکر فراہم کرکے جنوبی برّاعظم ہند پر حملہ کیا اور اُس کے چھوٹے بڑے سب دشمنون اور بدخواہون کو مطیع و منقاد کرتا ہوا چولا خاندان کی راجدہانی تک پہنچا اور بہ کمال فتحمندی اسپنے ملک کے تمام قیدیون کو رہائی دلوا کر بارہ ہزار چولا خاندان کے آدمی قید کرکے اسپنے ملک کو لایا اور ان قیدیون کو مقامات **الت کور** اور **کورالی** اور **ہارس** مین متفرق کرکے چھوڑ دیا -

بعدہ ۱۸۶ء مین **سری سنگا بو** تخت نشین ہوا - یہ راجہ کسیقدر تندمزاج تھا اور جو امر اُس کے دل مین پیدا ہوتا اُس پورا کرنے کی ضرور کوشش کرنا چاہیئے وہ اچھا ہو یا بُرا اُس پر کسی سے مشورہ بھی لینا اُسکو ناگوار ہوتا اور اُس کی مخالفت کو تو بہت ہی بُرا سمجھتا تھا چنانچہ اُس نے رعیت پر زور دیا کہ خدا کے حکم کی اطاعت کرے اور باطل پرستشون سے باز آئے - اس قسم کے احکام جبریہ جاری کئے اور خلقت سے اُسکے ترک اور اختیار کرنے پر جبراً عہد و پیمان لئے - اور اُس کے بعد جسکو اسپنے ان احکام کے خلاف عملدرآمد کرتے ہوئے پایا مجرم بنا کر گرفتار کیا

اور اُس جرم پر حافظان امور ملت سے فتویٰ لیا گیا چنانچہ وہ سب مجرمین کی
تعداد بہت کثرت سے تھی قتل اور سولی دینے کے سزاوار ٹھہرائے گئے
لیکن اِس انتظام سے حکام زبردست ناخوش ہوئے اور شب کے وقت
اُن سب مجرمون کو خفیہ طور پر رہا کر دیا۔ اور اُس روز کے دیگر اموات سے
مرے ہوئے اشخاص فراہم کر کے سولیون پر چڑہا دئیے گئے اور راجہ سے
ظاہر کیا کہ مجرمین کو راجہ کے حکم سے سولی دی گئی۔ مگر صبحکو جب راجہ نے
یہ خبر پائی تو اُن افسرون کو مورد عتاب کیا جس پر عمائدین و امرار دربار مین
زیادہ ناراضی پھیلی۔ ان سب خرابیون کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن رہا شدہ اشخاص
نے ملک مین فتنہ و فساد برپا کیا۔ اور راہزنی و کشت و خون تمام راج مین بہت جلد
پھیل گیا۔ وزرا اور دربار کا یہ مشورہ ہوا کہ یہ راجہ معزول کر دیا جائے۔ لیکن
سنگا بو نے قیاسًا یہ حال معلوم کر کے کہ میرے وزیر اعظم **گوٹھا بھایو**
نے مجکو تخت سے اُتار دینے کی صلاح کی ہے وزیر کی بغیر کسی کوشش کے
اطاعت اختیار کر لی اور موقع پا کر فقط ایک بال کا چھنا لیکر دبار ا کو بھاگ گیا
لیکن وزیر نے سنگا بو کے سر کی قیمت مقرر کر دی چنانچہ بہت تھوڑے عرصے کے بعد ایک کسان نے
اُسکو قتل کر ڈالا جبکہ راجہ جوگی کی طرح اَتیا نگلا پہاڑ پر آوارہ گردی مین مصروف تھا۔ راجہ کا سر
اَتیا نگلا مین دفن کیا گیا۔ اور اُوسپر گوٹھا بھایو نے اک ڈاگوبا بھی تعمیر کرایا جو ابھی تک قائم ہے۔

منقول از تاریخ لنکا۔

مین اور ایک مسافر



مل گیا کوئی مسافر جو رہِ غربت مین | پوچھا مین نے کہ بتا اہل وطن شادان ہین
کوچۂ یار ہے اگلا سا وہی حشر نما | اب بھی کیا رنگ وہی اور وہی سامان ہین
بزمِ دلبر مین عدو آتے ہین اسیطرح سے کھلے | روکنے کو مری کیا بیٹھے ہوئے دربان ہین

شمع محفل پہ فدا ہونیکو پروانے ہین
دشت پیمائی کو کیا مجھسے بھی دیوانے ہین

مجھسا جانباز بھی ہے کوئی بتا دے ہمدم | جسکو جینے کی خوشی ہو نہو مرنے کا الم
غم نہین اسکا کہ احباب وطن بھول گئے | ہے فقط اپنی ہی واژونئی تقدیر کا غم
ہائے کیا منہ ہے وطن مین جو دکھاؤن جاکر | نام کے لینے سے ننگ آتا ہے اللہ کی قسم
کھانے کے بدلے ہین کھانیکو جگر کے ٹکڑے | پانی کے بدلے پیا کرتا ہون اشک ماتم

ابتو یہ حال ہے گو صبح رہے شام نہین
بھولے بھٹکے بھی میسر کبھی آرام نہین

آفتین لاکھ سہین اسپہ بھی دل مردہ نہین | صورتِ غنچۂ نشگفتہ ہون مین پژمردہ نہین
ابھی آہو نکا ہے تیار وہی گلدستہ | دل جلا لاکھ طبیعت مگر افسردہ نہین

ایک مین ہی نہین انداز وادا کا کشتہ | کون اُس یار جفا کار کا غم خوردہ نہین

شکر اسکا ہی کہ اس حال مین بھی زندہ ہون
خنجر یار کا ہر طرح مین جویندہ ہون

ٹھوکرین کھانیسے ملتی ہی کبھی گر راحت
جینے کی ابتو ہوس دل مین نہین ہی باقی
نام کو آبلۂ پا مین نہین ہے پانی
تجھ سے بھی مل کے نہ بہلا دلِ مضطر اپنا
کچھ وطن کا نہ کیا ذکر کہ کیا ہوتا ہے
کونسا سر ہی نہین جسمین وطن کا سودا
خیر جس حال مین جیتا ہون بہت اچھا ہون

آتی ہی یادِ وطن ڈھانیکو سر پہ آفت
کر چکی مرگ پہ آمادہ بتون کی چاہت
پھر زبانین مین لگائے ہوئے خارِ غربت
کم ہوا آہ کسی طرح نہ دردِ فرقت
تو نے بھی دی نہ تسلّی مجھے ای خوش خصلت
کونسا دل ہی وطن کی نہین جسکو الفت
پوچھتا کوئی نہین کیا ہی بُری ہی قسمت

پھر بھی دیتا ہون دعا دل سے کہ آباد رہین
یا خدا اہلِ وطن شاد رہین شاد رہین

ارمان تلمیذ حضرت ثاقب بدایونی

مشاعرہ سالگرہ مبارک

ابھی زیر و زبر ہون گے زمین آسمان کیا کیا | دکھائینگے تماشے نالہ و آہ و فغان کیا کیا

دکھائیگا مرا دست جنون نیرنگیان کیا کیا
اڑینگی دامن محشر کی بھی گل دھجیان کیا کیا

رہا ہی فصل گل مین آشیان وقف خزان کیا کیا
گری ہین بجلیان کیا کیا اٹھی ہین آندھیان کیا کیا

کبھی ہونے نہ پائی سوز پنہان مین مگر پھر بھی
شب غم دیدۂ تر سے ہوئے دریا روان کیا کیا

تری آنکھوں مین کیون ہی کسلیے برہم ہین یہ گیسو
پریشانی کے سامان ہین نصیب دشمنان کیا کیا

چھپا کر منہ کو آئے ہو یہ آنا کوئی آنا ہے
جوانی نے سکھائی ہین تمھین بھی شوخیان کیا کیا

لہو اسکو بنایا ہی جگر اسکو کھلایا ہے
غم الفت کی مین نے کی ہین خاطر داریان کیا کیا

ترے شکوے عدو کے طعنے اسکی اسپہ بیتابی
اٹھائے بار سر پر عشق مین یہ ناتوان کیا کیا

کسی دن بھی مرے دل مین رہو آنکھوں مین آجاؤ
عدو کے گھر مین آئے دن ہین بزم آرائیان کیا کیا

ابھی تک خار وادی انسے اپنا سر چھپاتے ہین
اڑی ہین جیب و دامان کی ہماری دھجیان کیا کیا

خدا رکھے تصور کو اسی کا دم غنیمت ہے
شب فرقت کیا کرتا ہی یہ دل جوئیان کیا کیا

کہا خط پڑھ کے میرا نامہ بر سے اس ستمگر نے
گزرتے آئنہ مین صدمے نصیب دشمنان کیا کیا

بہار آئی نکالے پاؤن وحشت نے خدا حافظ
دکھاتا ہی جنون اب کے برس نیرنگیان کیا کیا

اسی کے آسرے تھی زندگانی درد ہجر انہین
نکلکر دل سے حسرت بڑھ گئین بیتابیان کیا کیا

انھین سے زندے مرتے ہین انہین سے مردہ جیتے ہین
تری آنکھین دکھاتی ہین مگر نیرنگیان کیا کیا

الٰہی خیر وہ آزردہ سے معلوم ہوتے ہین
مری جانب سے دشمن نے کیا ہی بدگمان کیا کیا

مری حیرت کا عالم بھی جو دیکھا کچھ نظر آتا
کھنچین تصویر مین تیری یہ ناشوخیان کیا کیا

بہلتا ہی نہ بہلے گا دل بیتاب اے ارمان
ہمین جنت مین بھی یاد آئنگی کوئے بتان کیا کیا

کیا کرتی ہین نام آور یہی گمنامیان کیا کیا
نشان پیدا ہی کر لیتے ہین آخر بے نشان کیا کیا

بنیگی گت تری بھی دیکھنا اے آسمان کیا کیا
قیامت ڈہانیوالے ہین مرے شور و فغان کیا کیا

تری تصویر یہ بھی لیتی ہی دلمین چٹکیان کیا کیا
تسلی دے رہی ہی ہجر مین یہ بے زبان کیا کیا

بہار آئی دکھاتا ہی جنون نیرنگیان کیا کیا
غضب ڈہائیگا اب کیا جانئے سوز نہان کیا کیا

ادائین ناز شوخی مسکراہٹ چلبلاپن ہے
تری تصویر مین انداز ہین ظالم نہان کیا کیا

عوض اشکون کے ہی خونابۂ دل آنکھ سے جاری
شبِ فرقت ستم ڈہانے لگا سوزِ نہان کیا کیا

ابھی سے آبلونمین نام کو پانی نہین باقی
ابھی ہین خار صحرا لینے والے امتحان کیا کیا

چلے چلکر سہمے سہمکر چلے۔ بیٹھے کبھی اُٹھے
مری گھر آنیکے انداز ہین ای مہربان کیا کیا

اسے تاکا اُسے زخمی کیا ترچھی نگاہون سے
جوانی آتے ہی پیدا ہوئی ہین شوخیان کیا کیا

نشانِ قبر تک باقی نہ رکھا اُس ستمگر نے
ہوئی ہین بعد مردن بھی مری بربادیان کیا کیا

خلش دلمین تپش آنکھونمین لب پر نالہ و شیون
ملے ہین آپکی فرقت مین ہمکو ارمغان کیا کیا

خزان نے ہمصفیرون سے گلستان کر دیا خالی
بندھے تھے ڈالی ڈالی پر الٰہی آشیان کیا کیا

وہ دن کیا تھے کہ تم مجھ سے جدا دم بھر نہوتے تھے
یہ دن کیا ہین کہ بیٹھے میری خاطر پاسبان کیا کیا

ابھی تو ابتدائے شام غم ہے بات ہی کیا ہے
ابھی دیکھو تو باندھینگے ہوا شور و فغان کیا کیا

تمہارا غیر سے کھُل کھُل کے ملنا بھی قیامت ہے
ہوئی ہین اسکے پردے مین مری رسوائیان کیا کیا

عوض خط کے دلِ بیتاب لیتا جا ذرا قاصد
ملائیگا دم تقریر یہ بھی ہان مین ہان کیا کیا

الٰہی روئین کس کس کو کرین کس کس کا ہم ماتم
گئے نظرون کے آگے سے حسین کیا کیا جوان کیا کیا

کسی کا عرض کرنا ماجرائے دردِ دل وکر
کسی کا چھیڑ کر کہنا ذرا پھر کہیے ہان کیا کیے

کہا استاد کی ارمان امین بات آئی ہے
جہان مین یون تو کہنے کیلئے ہین گفتگو ان کیا کیے

غزل فارسی

وقتیکہ بینم روے تو بر گردی مانم بہوش
در قالبِ خاکی کند مرغِ دلم جوش وخروش

جانان مپرس از دشمنان حالِ مرا بہرِ خدا
از چاکِ صدرم خود ببین حالِ مرا بشنو بگوش

ہرگہ کہ بینم میکنی لطف وکرم بر دشمنان
آتش بسوزد سینہ را خونِ جگر آید بجوش

غافل مشو کافر چرا تائب شدی از یادِ او
از توبہ توبہ کن دگر جامِ محبت را بنوش

وقتیکہ گشتہ بند در از دست صیادِ ازل
از قید این کنجِ قفس طوطی روحم خروش

در حیرتم موسیٰ چگو نہ طاقتِ دیدار برد
کز جلوۂ دیدارِ تو ارض وجبل لرزد زجوش

گر تاب نظارہ نداری گوشۂ عزلت بگیر
سالک چرا تو خرقۂ فقرت بیداری بدوش

گر چشم خود راست کردی وز ضیاے حسن وے
بہتر رسیدن پرورش بار دگر عاطر بکوش

سید حاجی حسن عاطر

چند ضروری قواعد

(۱) یہ رسالہ انجمن عثمانیہ زیر سرپرستی عالیجناب معلی القاب ہز اکسلنسی مہاراجا یان مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای پیشکار سابق مدار المہام سرکار عالی المتخلص بہ شاد تلمیذ حضرت آصف جاہ غفران مکان علیہ الرحمہ ہر ماہ ہلالی کے ہفتہ اول میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) عام رسالوں کی طرح اس کی سالانہ قیمت مختلف مقدار میں نہیں رکھی گئی ہے کہ عام امراء و رؤساء والیان ملک سے علی قدر مراتب لیجائیگی بلکہ مذاق علمی میں آسانی و اضافہ کرنیکے لئے ایک قیمت رکھی گئی ہے یعنی [illegible] سالانہ علمی انجمنوں اور لائبریریوں کو منجانب سرکار مہاراجہ بہادر اور مضامین نگاروں کو منجانب مہتمم مفت دیا جائے گا۔

(۳) جواب طلب امور کے لئے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے ورنہ جواب نہ پہنچنے کی شکایت معاف۔

(۴) اگر کوئی صاحب بذریعہ عنایت اپنا کلام چھپانا چاہیں تو اپنے نام و مقام کے پتے کے ساتھ ماہ ہلالی کی ۵ تاریخ تک خوشخط لکھکر بھیجیں۔
اخلاقی سائنٹفک تحقیقی مضامین ہوں مذہبی مباحث یا پولیٹکل مضامین بھیجنے کی زحمت نہ فرمائیں جس مضمون کا طبع کرنا مناسب نہ سمجھا جائیگا وہ طبع ہوگا نہ واپس۔

(۵) خط و کتابت وغیرہ بنام مہتمم رسالہ انجمن عثمانیہ ہونی چاہئے۔

مہتمم

تزکِ عثمانیہ



جشن سالگرہ مبارک اعلیٰحضرت قدر قدرت جہاں پناہ ظلِ سبحانی
نظام الملک آصفجاہ نواب میر عثمان علیخان بہادر جی۔سی۔ایس۔آئی فرمانروائے
ملک دکن کی

مبارک یادگاریں

جو ہز ایکسیلنسی عالیجناب راجۂ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت
جی۔سی۔آئی۔ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی
تلمیذ حضرت آصف غفران مکان

محبوب پریس [illegible] میں چھپکر شائع ہوئی

بلقیس ملکۂ سبا

ہر قوم کی تاریخ میں ایک ابتدائی عہد ایسا گزرا ہے جسکے حالات اس عہد کے قیاسات عقلی سے باہر اور عجیب وغریب واقعات سے لبریز ہیں۔ یونانیوں رومیوں ہندیوں اور چینیوں ہی میں یہ نہ تھا کہ اُن دنوں آسمان وزمین کے رہنے والے اور عالم بالا اور عالم زیرین والے باہم ملتے جلتے تھے اور سروشستاں و آشیجتان کی آمد ورفت کے راستہ کھلے ہوئے تھے۔ بلکہ بنی اسرائیل اور عرب میں بھی اپنی پرانی تاریخ کے متعلق بھی ایسے ہی حالات مشہور تھے۔ عرب کی ملکہ سبا بلقیس بابل کی ملکہ سمیرامیس اور یونان کی ہلین بھی اُسی قدیم عہد کی خاتونیں ہیں جو قریب العہد تھیں۔ اور ولادت سرورِ کائنات سے دو ہزار سال پہلے تقریباً تین سو برس کے اندر ایک دوسرے کے بعد گزریں

اِن سب کے حالات خلاف فطرت واقعات سے لبریز نظر آتے ہیں۔ مگر اسلام اور بت پرستی کا یہ فرق اس زمانہ میں بھی نمایاں تھا کہ بابل کی سمیرامیس اور یونان کی ہلین تو دیویاں بن گئیں اور بلقیس صرف ایک حق پرست ملکہ اور پیغمبر کی بی بی بن نے سے زیادہ تجاوز نہ کر سکی۔ سمیرامیس اور ہلین میں بے عصمتی آوارگی اور شہوت پرستی تھی۔ اور بلقیس دنیا کو فتح کرنے والے حُسن وجمال کے ساتھ عصمت وعفت کے زیور سے آراستہ تھی۔

بلقیس کا واقعہ کتب آسمانی میں بھی مذکور ہے مگر بہت مختصر اور ما بقی حالات کا تکملہ قومی روایتوں اور کہانیوں سے کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اسکے متعلق اختلافات بھی بہت ہیں۔ اور اُن کا اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بعض اہل روایت کہتے ہیں کہ اسکا اصلی نام بلقمہ تھا۔ اور شیرح بن حارث بن قیس بن صیفی بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی بیٹی تھی۔ بعض اُسکے باپ کا نام یشرح بن تبّع ذی الاغار بن تبّع ذی المنار بن تبّع رائش بتاتے ہیں۔ مگر یہ دراصل کوئی اختلاف نہیں۔ اِسلئے کہ وہ قدیم شاہان یمن کی نسل سے تھی جو تبّع کہلاتے تھے۔ اور اِن بادشاہوں کے نام کے ساتھ ایک لقب بھی ہوا کرتا تھا۔ جسکے اوّل میں

اکثر لفظ "ذو" رہا کرتا۔ پہلی روایت میں اُنکے اصلی نام بتائے گئے ہیں۔ اور دوسری میں اُنکے شاہانہ القاب۔

ان ملوکِ تُبّع کا جو تبابعہ یمن کہلاتے ہیں بڑا زمانہ گزرا ہے۔ اپنے دور میں وہ کسی سلطنت کو اپنے متقابل نہیں سمجھتے تھے۔ اور ساری دنیا کا بادشاہ اپنے ہی آپ کو خیال کرتے تھے۔ قدیم فراعنۂ مصر کا مذاق۔ اُن سامان عیش۔ اُن کا سامان۔ اُن کے ظروف۔ اور اُنکے قصر و ایوان تبابعہ یمن سے اسقدر ملتے جلتے تھے کہ اہل بصیرت کو یہ خیال ہو چلا ہے کہ مصر والے تہذیب و تمدن میں ان ملوک عرب ہی کے شاگرد تھے۔ اور اگر کبھی یمن کے کھنڈروں کو کھود کے وہاں کی تاریخ کا پتہ لگایا جا سکا تو کیا عجب کہ قیاس یقین کی صورت اختیار کرے۔ الغرض انھیں تبابعہ یمن کی ایک وارث تاج و دیہیم ملکہ بلقیس بھی تھی۔

اُسکے متعلق جو خارج از عقل واقعات بیان کئے گئے ہیں انہیں ایک یہ بھی ہے کہ اُسکی ماں بادشاہ جن کی شاہزادی تھی جس کا نام رواحہ یا ریحانہ تھا۔ اور اس غیر معمولی عقد شادی کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ بلقیس کا باپ یشرح اپنے خاندان کا چالیسواں فرماں روا تھا۔ ساری دنیا پر متصرف تھا۔ اور سارے جہان میں کسی شاہی خاندان کو اپنا کُفو اور ہمسر نہ سمجھتا تھا کہ اُسکی لڑکی کو

اپنی ملکہ بنائیے۔ اور آخرکار کہنے لگا کہ میں انسانوں میں شادی ہی نہ کروں گا۔

وہ جنگل میں جاکر شکار کیا کرتا۔ اور ہرنوں کی طرح شریر جنوں کا بھی شکار کیا کرتا تھا۔ بہت سے شریر جن اُسکے ہاتھ سے مارے گئے تو خود بادشاہ جن نے نمودار ہو کے اُسکا شکریہ ادا کیا۔ اور اُسنے اُسکے عوض اُسکی بیٹی کا پیام دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یوں نہیں۔ بلکہ ایک دفعہ اُسنے دیکھا کہ ایک کالا اور ایک سفید سانپ باہم لڑ رہے ہیں آخر لڑتے لڑتے کالا سانپ سفید سانپ پر غالب آیا۔ یہ بات اُسے پسند نہ آئی۔ ملازموں کو حکم دیا کہ اُس کالے سانپ کو مار ڈالو۔ اور سفید جو نہایت مضمحل اور ناتوان ہو رہا تھا اُسے پانی چھڑک چھڑک کے ہوش میں لایا۔ یہاں تک کہ وہ رینگ کر چلا گیا۔ رات کو یشرح اپنے خلوت خانہ میں تھا کہ ناگہاں ایک خوشرو نوجوان نمودار ہوا جس کی صورت دیکھکر یشرح ڈرا تو اُسنے کہا آپ خوف نہ کھائیے میں وہی سفید سانپ ہوں جس کی دن کو آپ نے جان بچائی تھی۔ اس احسان کا جو معاوضہ کہئے کرنے کو تیار ہوں کہئے تو روپیہ پیسہ لاکے نذر کروں۔ یا کہئے تو آپ کو فن طب بتا دوں۔ یشرح نے کہا روپیہ پیسہ خدا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ طب کی ضرورت بادشاہوں کو نہیں۔ حکمرانی کیسا تھ

وہ طبابت بھی کرنے لگیں تو لوگ نام رکھیں گے۔ ہاں میری آرزو البتہ ہے کہ اگر آپ کی کوئی بیٹی ہو تو اُسے میرے عقد نکاح میں دیجئے۔ اُس نوجوان جن نے کہا "ہاں میری ایک بیٹی ہے۔ اور اُسکے لئے آپکا پیام قبول بھی کرتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جو چاہے کرے آپ اُسکے کاموں میں دخل نہ دیں۔ اگر ذرا بھی دخل دیا تو وہ آپ کو چھوڑ کے چلی آئے گی"۔ یشرح نے یہ شرط منظور کی۔ اور شادی ہوگئی شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جسے پیدا ہوتے ہی ماں نے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ باپ کے دل کو صدمہ تو بڑا ہوا۔ مگر اپنے عہد کی پابندی میں خاموش ہو رہا۔ پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی جسے ماں نے ایک کتیا کے سامنے ڈال دیا اور وہ اُسے جھپٹ کے اُٹھا لے گئی۔ اب کے بھی دل شکستہ باپ نے کلیجہ پر صبر کی سل رکھ لی۔

اسکے بعد کسی باغی نے سر اُٹھایا اور بادشاہ نے اُسکی سرکوبی کے لئے فوج کشی کی۔ پر اسرار بی بی بھی اُس سفر میں ساتھ تھی۔ ایک منزل پر پہنچے جہاں رسد اور پانی ملنے کی کوئی اُمید نہ تھی کیا دیکھتا ہے کہ سارے غلہ اور کھانے کی چیزیں مٹی میں مل گئیں۔ مشکوں کے دہانے آپ ہی آپ کھل گئے۔ اور سارا پانی بہ گیا۔ یہ دیکھتے ہی بادشاہ کو اپنی اور اپنے لشکر کی ہلاکت کا یقین آگیا۔ اور یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ کارستانی

جنوں نے میری بی بی کے کہنے سے کی ہے۔ ابھی تک تو ضبط کیا تھا۔
مگر اب نہ ہو سکا۔ بی بی کے سامنے جا کے بیٹھا۔ اور بدعہدی کے
الزام سے بچنے کے لئے زمین کی طرف اشارہ کرکے کہا "تو نے میرے
بیٹے کو جلا دیا میں نے دم نہ مارا۔ میری بیٹی کُتیا کو دیدی میں نے
آہ نہ کی۔ لیکن اس آفت سے تو ہم میں سے کوئی بھی جان بر نہ ہوگا"
بی بی نے فوراً جواب دیا "بہتر تھا کہ تم اب بھی صبر کرتے۔ تمھارے
کھانے پانی میں دشمنوں نے زہر ملا دیا تھا۔ اگر وہ تلف نہ کر دیا جاتا تو
ایک بھی زندہ نہ بچتا" یہ کہہ کے اُسنے ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا
جہاں کھانا پانی سب چیزیں کثرت سے مل گئیں۔ اِس کے بعد وہ بولی
"تمھیں اپنے بیٹے کا صدمہ ہے۔ اُسے میں نے ایک دائی کے سپرد
کر دیا تھا مگر خدا کو زندگی نہیں منظور تھی مر گیا۔ رہی تمہاری بیٹی وہ جیتی جاگتی
موجود ہے" اور اُسکے یہ کہتے ہی ایک حسین وخوبرو لڑکی زمیں سے
نکل کے باپ کے سینہ سے لپٹ گئی۔ یہی بلقیس تھی جس سے مل کے
باپ بہت خوش ہوا۔ خلاصہ یہ کہ بلقیس عرب کی شکنتلا تھی جو انسان
اور پری کی آمیزش سے پیدا ہوئی۔

اِس کے بعد بادشاہ نے اُس غنیم کو مغلوب کیا۔ اور انتظام سلطنت
اپنی زندگی ہی میں بلقیس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ اور جب مرا تو وہی وارث

تاج وتخت ہوئی مگر اسمیں بھی بعض اہل روایت کو اختلاف ہے۔ جو کہتے ہیں
کہ بلقیس کا باپ بغیر کوئی وصیت کئے مرگیا۔ اور اُس کے بعد رعایا میں
جھگڑا پڑا۔ ایک گروہ نے بلقیس کی اطاعت قبول کی۔ اور ایک نے اُس
کے چچازاد بھائی کی۔ اُس کے اس ابن عم نے حکومت پاتے ہی طرح طرح
کے ظلم کرنا شروع کردئے خصوصاً اُسکی شہوت پرستی اس درجہ کو
پہنچ گئی کہ ملک بھر میں جسکی لڑکی کو حسین وخوبرو سُنتا بلوا کے بے آبرو
کرڈالتا۔ آخر لوگ عاجز آکے اس فکر میں ہوئے کہ اُسے تخت سے اُتار
دیں یہ باتیں بلقیس کو ناگوار گزر رہی تھیں کہ اُس نے بلقیس کو بھی بے عزت
کرنے کے لئے بلوایا۔ بلقیس نے کھلا بھیجا "میں نہیں بلکہ آپ خود مجھ سے
ملنے کو یہاں آئے" وہ فوراً چلا آیا۔ اور یہاں دو شخص چھپا کے
لگادے گئے تھے۔ ادہر اُسنے مکان کے اندر قدم رکھا۔ اور اُدہر
اُنہوں نے اپنی تلواروں سے کام تمام کردیا۔ اسکے بعد ہی بلقیس نے
وزرا کو بلوا کے غیرت دلائی کہ تم میں سے کوئی نہ تھا کہ اپنی بیٹی کی بے
آبروئی پر غیرت آتی؟ پھر اُسکی لاش دکھائی۔ اور کہا "اب جس کسی کو
مناسب سمجھو اپنا بادشاہ بناؤ" یہ سب نے کہا "آپ سے بہتر حکمران
ہمیں نصیب نہیں ہوسکتا۔ لہذا آپ ہی اپنے آبائی تخت کو اپنے
جلوس سے زینت دیجئے"

بلقیس کی تخت نشینی کے متعلق اور ایک روایت بھی بیان کیجاتی ہے
کہ جب اُسکا ابن عم بادشاہ ہولیا۔ تو بلقیس نے خود ہی اُس سے شادی
کی درخواست کی اُس نے کہا " مجھے پہلے ہی سے اسکی آرزو تھی مگر اُمید
نہ تھی کہ تم قبول کروگی اور اسی وجہ سے پیام دینے کی جُراُت نہ ہوسکی
بلقیس نے کہا " مجھے انکار کی کیا وجہ تھی ؟ نسب اور خاندان میں تم میرے
ہم رتبہ ہو۔ اچھا تو اب تمام اعزا و اقارب کو جمع کرکے نکاح پڑھوالو"
اس قرار داد کے مطابق نکاح ہوگیا۔ رات کو جب وہ حُجلۂ عروسی میں آیا
تو بلقیس نے اتنی شراب اُسے پلائی کہ مدہوش ہوگیا۔ تب بلقیس نے
اُس کا سر کاٹ لیا۔ اور اپنے گھر چلی آئی۔ اور اُس سر کو اپنے دروازے پر
لٹکوادیا۔ لوگوں کو جب اسکی خبر ہوئی تو بلقیس کے سامنے آکے آستان بوس
ہوئے اور اُسے تخت پر بٹھایا۔

بلقیس نے سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی ایسی خوبی وشان وشوکت
سے حکومت کی کہ اُسکے کوکب اقبال کے سامنے تمام تبابعۂ یمن کا ستارہ
گہنا گیا۔ اُن سب کے واقعات مشکوک ومشتبہ کہانیاں رہ گئے۔ اور
بلقیس کی تاریخ اُس کے کارناموں کی یہاں تک شہرت ہوی کہ قران پاک
کے مقدس اوراق میں بھی درج ہیں۔"

اُس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کہتے ہیں اُسکے

۳۰۰ وزیر تھے جو دربار میں مودب و دست بستہ کھڑے رہتے۔ بارہ سپہ سالار تھے جو اطراف وجوانب میں فوج کشی اور سرکشوں کی سرکوبی کرتے رہتے۔ اور چالیس ہزار لشکر ہمیشہ آستانِ سلطنت میں کمر بستہ رہتا کہ اشارہ ہوتے ہی شمشیر زنی کے لئے روانہ ہو جائے اسکے علاوہ ۴۰۰ تاجدار اُسکے باج گزار اور مطیع فرمان بتائے جاتے ہیں

سب سے زیادہ شہرت اُس تخت کی ہے جسے اُس نے ایسے اہتمام اور تکلف سے آراستہ کیا تھا کہ آج تک دنیا میں کوئی تخت اُس کے تخت کا ہم پایہ نہیں خیال کیا جاتا۔ حتیٰ کہ قران مجید میں بھی وہ ایک حیرت انگیز چیز بتایا گیا ہے۔ اُسپر نہایت خوش سلیقگی سے سونے چاندی کے پتر چڑھائے گئے تھے۔ اور اُن پر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ایوان شہریاری سات عالیشان قصروں سے آراستہ تھا جو ایک دوسرے کے اندر واقع تھے۔ اور ساتویں قصر میں یہ تخت تھا۔ لہذا ہر طرف انسان سات قصروں اور دہلیزوں سے گزرنے کے بعد تخت تک پہنچ سکتا تھا۔ ان سب محلوں کے در و دیوار اور چھت پر بھی چاندی سونے کا ملمع تھا اور جواہرات سے مرصع کر کے اُن میں نقش و نگار بنائے گئے تھے؛

مشرقی جانب ایک روشن دان تھا اور آفتاب کے طلوع ہوتے ہی اُس کی شعائیں آکے تخت کے پایوں پر پڑتی تھیں اور سمجھا جاتا کہ ہر صبح

سب سے پہلے آفتاب آکے سجدہ کیا کرتا ہے۔ اِس روشن دان کی آرایش وزینت میں بلقیس نے تین لاکھ اوقیہ سونا خرچ کیا تھا (ایک اوقیہ ۲ تولہ ۹ ماشہ ۲ رتی کا ہوتا ہے۔

یہ ولادت سرور کائنات صلعم سے ۱۶۱۲ سال پہلے زمانہ کا تھا۔ جبکہ ارض یہوداور فلسطین میں حضرت سلیمان کی حکومت تھی۔ اور شیاطین واجنہ کے علاوہ وحوش وطیور آپ کے مطیع ومنقاد تھے۔ اتفاقاً آپ کا لشکر کسی طرف گزرا جہاں پانی میسر نہ آتا تھا۔ ہُدہُد کو بھیجا کہ پانی کا پتہ لگائے وہ جو اس تلاش میں گیا تو ایوان بلقیس میں گزرا جہاں کی نزہت وشادابی دیکھ کے اُتر پڑا۔ اور یہاں کی دلچسپیوں کا ایسا گرویدہ ہوا کہ واپسی میں دیر ہو گئی۔ حضرت سلیمان برہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہُدہُد آیا اور بلقیس کی حکومت اور اُسکے قصر وایوان کی خبر دی آپ نے اُسی کے ذریعہ سے بلقیس کو ایک خط بھیجا جس میں ملت حنیفہ بیضا کی طرف مدعو کیا تھا۔ یہہ خط پڑھ کے بلقیس نے وزرا وامرا سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے کہا "ہماری سطوت وعظمت ایسی نہیں کہ کسی سے دب جائیں ہم فوج کشی وجانبازی کو تیار ہیں۔ مگر حضور کو اختیار ہے جو مناسب سمجھیں حکم دیں" بلقیس نے کہا "میں اس بادشاہ کے پاس جو پیمبری کا دعوی کرتا ہے ایک ہدیہ بھیجتی اور اُس کے ذریعہ سے اُسے آزماتی ہوں

اگر سچا پیغمبر ثابت ہوا تو اُسکی اطاعت قبول کرونگی ورنہ اُسے اس گستاخی کی سزا دوں گی۔" اس قرارداد کے مطابق بلقیس کے دربار سے ہدیے بھیجے گئے جن میں ۵۰۰ خوبصورت غلام اور ۵۰۰ پری جمال لونڈیاں تھیں۔ لیکن غلام عورتوں کا زیور اور لباس پہنا کے آراستہ و پیراستہ کئے گئے اور لونڈیاں مردانے کپڑے پہنا کے خوبصورت اور بانکے ترچھے جوان رعنا بنا دی گئیں۔ دوسرے تحفہ یہ تھے ایک ہزار سونے چاندی کے اینٹیں ایک مرصع و مکلل تاج مشک اور عنبر۔ اور ایک ڈبہ تھا جن میں ایک بیش بہا موتی اور ایک مہرہ تہا۔ مگر بید ھنے میں دونوں کے سوراخ ٹیڑھے کر دے گئے تھے۔ ان ہدیوں کو لے کے دربار بلقیس کا معزز و محترم شخص مندر بن عمر مع اپنے چند معزز رفقا کے روانہ ہوا۔ بلقیس نے چلتے وقت مندر سے کہا اگر سلیمان نبی ہیں تو لونڈی غلاموں کو پہچان جائیں گے۔ موتی کا سوراخ سیدہا کر دیں گے اور مہرے کے سوراخ میں ڈورا ڈال دیں گے۔" اور یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر ان ہدیوں کو دیکھ کے سلیمان تمھاری طرف بر ہمی اور غصہ کی نظر سے دیکھیں تو سمجھ جانا کہ وہ معمولی بادشاہ ہیں۔ اور اگر اُنکی خندہ جبینی و بشاشت میں فرق نہ آئے تو جان لینا کہ پیغمبر ہیں۔ اللہ جل شانہ نے حضرت سلیمان کو بذریعۂ وحی ان تمام باتوں سے پہلے ہی سے اطلاع دے دی۔

آپ نے ان لوگوں کے دکھانے کے لئے ایسا سامان کیا جو انسان کی قوت و فہم سے بالکل باہر تھا۔ اجنہ کی مدد سے سات فرسنگ تک زمین سونے اور چاندی کی بنا دیگئی اور اُسکے گرد ایک سونے کی دیوار تعمیر کی گئی۔ اور اُس میدان میں دو طرفہ تمام عجیب و غریب جانور لاکے جمع کر دئے گئے۔ پھر آپ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور تخت کے دونوں جانب تمام اہل دربار میں جن و انس شریک تھے اپنے اپنے مرتبہ سے کرسیوں پر بیٹھے۔ یمن کے سفیر جب اس میدان میں داخل ہوئے تو یہاں کا منظر دیکھ کے اُن کے ہوش اُڑ گئے۔ سونے کی یہ بے قدری دیکھی کہ اُس کی زمین پر چوپائے لید کر رہے ہیں۔ لہذا سونے چاندی کی جو اینٹیں لائے تھے اُنھیں یہاں حقیر دیکھ کے راستہ میں ڈال دیا۔۔۔ لونڈی غلام اور اُس ڈبے کو لئے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان اُن سے شگفتہ روئی سے ملے اور خود ہی کہا "وہ ڈبہ جو تم لائے ہو کہاں ہے؟" اور اُنہوں نے جیسے ہی پیش کیا آپنے ایک چونٹی کو اشارہ کیا جس نے سوراخ سیدھا کر دیا۔ پھر ایک سفید کیڑے کو اشارہ کیا اُس نے مہرے میں ڈورہ ڈال دیا۔ اسکے بعد آپ نے لونڈی غلاموں کو حکم دیا کہ اپنے ہاتھ منھ دھوئیں۔ اور اُن کے منہ دھونے کی وضع سے خود ہی کھل گیا کہ جو غلام نظر آ رہے ہیں

اصل میں لونڈیاں ہیں۔ اور جو لونڈیاں دُلہن بنی ہوئی کھڑی ہیں نوخیز غلام ہیں۔ ان سب رموز کا انکشاف کرنے کے بعد حضرت سلیمان نے وہ ہدیے واپس کر دے۔

اِن سفیروں نے واپس آکے جب ساری سرگذشت بلقیس سے بیان کی تو اُسے یقین آگیا کہ حضرت سلیمان صرف بادشاہ نہیں پیغمبر الٰہی ہیں فوراً خود جانے پہ تیار ہو گئی اور بارہ ہزار ہاتھیوں کا پُر اجلال جلوس ساتھ لے کے چل کھڑی ہوئی۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچی تو حضرت سلیمان نے جنوں کے ذریعہ سے اُسکا تخت اُٹھا منگوایا۔ اور محض اس غرض سے کہ بلقیس کو پہچاننے میں شبہ پڑے۔ اُس کے جواہرات جا بجا سے بدل دئے بلقیس کی آمد آمد کی خبر سے جنوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ کہ اگر سُلیمان نے بلقیس سے عقد کر لیا اور اُس سے اولاد ہوئی تو پھر ہم پر سے خاندان سلیمان کی حکومت کبھی نہ مٹے گی۔ کیونکہ بلقیس کی اولاد میں جنوں کے خصائص بھی موجود ہوں گے۔ جو انسانوں میں نہیں ہوتے لہٰذا اُنہوں نے حضرت سُلیمان کے سامنے بلقیس کے عیوب بیان کرنا شروع کئے۔ اور کہا "بلقیس ایک بدتمیز اور بے عقل عورت ہے اور اُسکے پاؤں میں چوپاؤں کی طرح بال ہیں"۔ حضرت سُلیمان نے اسکا پتہ لگانے کے لئے ایک عالیشان شیشہ کا محل بنوایا۔ جس کی زمین بھی شیشہ کی تھی۔ مگر شیشہ کے نیچے

پانی دوڑایا گیا اور اُس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے دریائی جانور لا کے چھوڑ دئے گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پانی نہ تھا۔ بلکہ شیشہ کا رنگ پانی کا سا تھا اور اُسکے نیچے دریائی جانوروں کی تصویریں بنا دی گئی تھیں الغرض جو کچھ ہو۔ اوپر سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ زمین نہیں بلکہ سمندر ہے اور اُسمیں جانور چل پھر رہے ہیں۔ اس محل میں حضرت سلیمان تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ بلقیس جیسے ہی یہاں پہنچی سمجھی کہ یہاں زمین نہیں بلکہ سمندر ہے۔ اور اپنے لباس کے دامن یا پائجامہ ہاتھ سے پکڑ کے اُٹھا لئے تاکہ پانی میں بھیگ نہ جائیں۔ اور ساتھ ہی حضرت سلیمان کو نظر آ گیا کہ اُسکے پنڈلیوں پر بال ہیں۔ اسکے بعد آزمانے کے لئے اُس سے سوال کیا گیا کہ "آپ کا تخت ایسا ہی ہے؟ جسکے جواب میں وہ سوچ کے متامل ہو کے بولی "ہو بہو وہی معلوم ہوتا ہے" الغرض ملنے کے بعد حضرت سلیمان کو یقین آ گیا کہ جنوں کے بیان کے خلاف بلقیس ایک نہایت ہی عاقل اور سمجھ دار ملکہ ہے۔ مگر ہاں اُسکے پاؤں میں بال البتہ ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اسی عیب کے دور کرنے کے لئے اُس زمانہ میں نورہ کا نسخہ ایجاد کیا گیا۔

اب حضرت سلیمان نے بلقیس کو دین الٰہی کی طرف بلایا۔ اور وہ کلمۂ توحید پڑھ کے مسلمان ہوئی۔ پھر حضرت سلیمان نے اُس سے نکاح

کر لیا۔ اور آپکی محبوب ترین ملکہ وہی تھی۔ عقد کے بعد آپ نے اُسے ملک یمن کی ہی حکومت پر برقرار رکھا۔ اور معمول تھا کہ ہر مہینہ میں ایک بار جاکے آپ تین دن تک اُسکے وہاں رہا کرتے۔ اُسکے بطن سے آپ کا ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوا۔ جسکا نام داؤد رکھا گیا تھا۔ مگر وہ باپ کی زندگی ہی میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بعض لوگوں کا اس کے خلاف یہ بیان ہے کہ حضرت سلیمان نے بلقیس سے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اُسے حکم دیا کہ اپنی قوم کے کسی مرد سے عقد کر لے۔ مگر اُسنے انکار کیا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اسلام میں یہ غیر ممکن ہے۔ اگر مسلمان ہوئی ہو تو تمھیں کسی سے نکاح بھی کرنا پڑے گا یہ حکم سن کے وہ بولی "اگر اس سے مفر نہیں تو پھر پادشاہ ہمدان ذو تبع کے ساتھ میرا عقد کروا دیجئے"! آپ نے اُسکی یہ خواہش پوری کر دی اور یمن کے جنوں کو حکم دیا کہ اُسکی اطاعت و فرماں برداری کریں۔ چنانچہ اُس نے اور اسکے شوہر نے جنوں کی مدد سے متعدد قصر و ایوان تعمیر کرائے منجملہ اُنہیں قصروں کے یمن کے عالیشان ایوان صلحین۔ مرواح۔ قلیون ہنیدہ۔ نیون اور غمدان تھے۔

حضرت سلیمان کی وفات کے بعد جنوں نے ذو تبع کی اطاعت چھوڑ دی۔ اور آپ کے انتقال کے ساتھ ہی اُن کی سلطنت کا بھی

خاتمہ ہو گیا۔

مگر بعض اہل روایت یہ کہتے ہیں کہ بلقیس نے جناب سلیمان کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ اور آپ نے اُسے شہر تدمر (یعنی ملکہ زنوبیہ کے شہر) کی خاک میں دفن کر کے قبر کا نشان مٹا دیا۔ تاکہ لوگوں کی نظر سے مخفی رہے۔

شاعری کی بیباکیاں

شاعری! آزاد و خود سر شاعری! شوخ و بیباک شاعری! دلفریب وہ پُر اثر شاعری! تجھ میں کیا بات ہے کہ تیری ساری آزادیاں معاف ہیں؟ تو جسکی نسبت جو چاہے کہہ جائے تجھ سے کوئی نہیں بولتا! تو جسکی چاہے عزت اُتار لے۔ تیرے لئے معاف ہے۔ قانون ساری دنیا کی دھڑ پکڑ کرتا ہے۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی گستاخیوں پر اُسے سزا دیتا ہے مگر تجھ سے نہیں بولتا۔ آخر شاعری نے سلطنت کی کونسی خدمت کی ہے کہ اُسے ہمیشہ کے لئے سند معافی مل گئی۔ اگلے دنوں سُنا کرتے تھے کہ فلاں امیر فلاں سردار کے لئے اتنے خون معاف ہیں۔ موجودہ عہد کی عدالت گستری نے ایسے تمام غیر منصفانہ قانون منسوخ کر دئے ہیں۔ مگر شاعری! بے خوف و بے پروا شاعری! تیری وجہ سے قانون و انصاف کے دشمن

جو دہبا اگلے دنوں تھا آج بھی قائم ہے ۔ دھوئے نہیں دُھلتا اور مٹائے نہیں مٹتا۔ تیری مجنونانہ بیباکیاں جیسے پہلے تھیں ویسے ہی آج بھی ہیں ۔ تو جس کا جیسا چاہتی ہے خاکہ اُڑاتی ہے ۔ جسے جسقدر چاہتی بناتی ہے اور ذلیل کرتی ہے ۔ مگر نہ کوئی عدالت ہے جس میں تیری فریاد سُنی جائے ۔ اور نہ کسی میں اتنا دم ہے کہ تجھ سے مقابلہ کر کے اپنا انتقام لے۔

حسینان عالم جن کے رُخ زیبا پر دنیا جان دے رہی ہے جنکے لئے ایک زمانہ کٹنے مرنے اور جان دینے کو تیار رہے اُنھیں ظالم تو نے کہا۔ بے رحم تو نے بنایا ۔ ناخدا ترسی کا الزام تونے دیا ۔ کافر ماجرائی کی تہمت تونے لگائی ۔ غرض جی بھر کے کوسا ۔ جہاں تک بنا گالیاں دیں مگر باوجود اِس قوتِ حسن کے وہ سوا اسکے کہ ہنس کے چپ ہو رہیں یا شرما کے آنکھیں نیچی کر لیں تیرا کچھ نہ بگاڑ سکے ۔ بھلا کسکی مجال تھی کہ ایک معمولی کلمہ بھی اُن کے سامنے زبان سے نکالتا ؟ مگر ظالم تو منھ پر گالیاں دیتی ہے ۔ اور وہ سنتے ہیں ۔ جیسی توہین و تحقیر چاہے کرتی ہے اور وہ بُرا نہیں مانتے ۔ خدا کے لئے اپنا وہ سچا عمل اور چلتا ہوا جادو ہمیں بھی بتا دے کہ دنیا بھر کو ستائیں زمانہ بھر کو مار آئیں اور کوئی ہم سے نہ بولے ۔

ان حسینوں کو بھی چھوڑو جن میں نزاکت و نازنینی نے جسمانی کمزوری
پیدا کر دی ہے۔ ممکن ہے کہ اپنی اس کمزوری کے خیال سے وہ تیری
بے اعتدالیوں پر اُسی طرح پر خاموش ہو رہتے ہوں جس طرح کسی
کہنۂ ناتراشس جاہل کی دریدہ دہنیوں کو ایک مہذب شخص طرح دیجاتا ہے
مگر میں پوچھتا ہوں کہ تجھے مذہب کے دربار سے کیونکر معافی کا پروانہ
مل گیا۔ ہماری زبان سے خلاف مذہب یا عام مسلمات مذہب کے
مخالف ایک معمولی کلمہ بھی نکل جائے تو جناب مولوی صاحب الگ
خفا ہو جاتے ہیں۔ ساری دنیا میں الگ شورش مچ جاتی ہے۔ اور
جسے دیکھے خون کا پیاسا نظر آنے لگتا ہے۔ مگر تو! اے گستاخ و بے دین
شاعری تو! جتنا کفر چاہے بک دے تجھ سے کوئی نہیں بولتا۔

جناب شیخ۔ یہی حضرت واعظ۔ اور یہی ہمارے مخدوم زاہد جناب زندہ دار
کس دن تیری بے روک زبان کے فلاخن سے زخمی نہیں ہوتے؟ کس طرح
تیرے بے رحم ہاتھوں سے چرکے پر چرکے کھاتے ہیں۔ جناب شیخ کی
پگڑی تو روز اتارتی ہے۔ ان کا مقدس باوقار عمامہ میکشوں میں
اُچھلتا۔ اور میخانہ میں رہن ہوتا ہے۔ حضرت واعظ کی بات بات ہم
زبان پکڑی جاتی ہے۔ اُن کے کلمات ہدایت پر مضحکہ اڑایا جاتا ہے
اور طرح طرح کی پھبتیاں کہی جاتی ہیں۔ جناب زاہد بیچارے کو نہیں

بیٹھے تھے اور یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ چاہئے تھا کہ اُن غریب سے کوئی نہ بولتا۔ مگر اُن کی گت بننے میں بھی کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی گئی۔ اُن کا زہد ریائی بتایا گیا۔ اُن کے دامن میں بدکاری کے دھبہ لگائے گئے۔ اُن کے اعمال اور نماز و روزے پر حرف رکھا گیا۔ اُنکی نیت خراب بتائی گئی۔ حضرت شیخ کی ڈاڑھی کے ساتھ اُنکی ڈاڑھی پر بھی دست درازیاں کی گئیں یہ سب کچھ ہوا اگر قانونی چارہ جوئی در کنار کبھی یہ بھی نہ ہوا کہ اُن بزرگوں نے تیری نسبت کفر و الحاد کا فتویٰ ہی جاری کر دیا ہوتا کہ تیری کچھ تو کِرکِری ہوتی۔ اور ذرا تو تیرا زور ٹوٹتا۔ مگر نہیں یہ سب بزرگانِ دین و پیشوایانِ اُمّت خاموش بیٹھے رہے اور تیری یہ گستاخیاں روز بروز بڑھتی ہی گئیں۔

اے زبردست زیردست آزار شاعری! سچ بتا کیا یہ بزرگ تجھ سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں؟ لیکن خوف ہے تو کس بات کا؟ تجھ میں کیا ہے جو کوئی تجھ سے ڈرے۔

شاعری! تیری آزادی و بیباکی اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اُسے گستاخی سے بھی بڑھ کر اب بدتہذیبی اور بے تمیزی کہنا چاہئے۔ تیرے حملے شریفانہ نہیں ہوتے اور تیری دریدہ دہنیاں جادۂ تہذیب سے گذر گئی ہیں۔ اور افسوس کوئی تدبیر نہیں کہ تیری یہ شوخ و بیباک

زبان روکی جائے۔

اِن بزرگوں کے معاملہ سے بھی خیر در گذر کیا جائے۔ کیونکہ انکی توہین اگرچہ دین و مذہب کی توہین ہے مگر ممکن ہے کہ تجھے اِن سے ذاتی پرخاش ہو۔ اور ذاتیات کا معاملہ تصور کیا جائے۔ مگر خود دین کی اہانت و حقارت اور تحقیر و تضحیک میں بھی اس شاعری نے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ انبائے سلف کی شریعت اور اُن کے نفوس قدسیہ کے لئے کون سی گستاخی تھی جو اُٹھا رکھی گئی ہو۔

اے بدتمیز و بد تہذیب شاعری تو ہی دیکھ کہ حضرت آدمؑ کے جنت سے آنے اور حضرت نوحؑ کے طوفان پر تو نے کیسے کیسے اوآگے ہیں؟ اور کیا کیا باندھنوں باندھے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ کا آتشیں گلزار بھی تیری ستمگاریوں سے نہیں بچ سکا۔ حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کی سفیدی بھلا اس قابل تھی کہ تیرا بانداق مشغلہ بنتی۔ برادران یوسفؑ نے جو کچھ کیا ہو مگر پھر بھی نیک بندے اور بخیال بعض پیغمبر تھے۔ مگر تو نے اُن کے گناہ کو اسقدر اُچھالا کہ اُن غریبوں کو اضحوکۂ روزگار بنا دیا۔ حسن یوسفؑ ایسی چیز تھا کہ تو اُسکی ایسی ہنسی کرے؟ اور ہر فاحشہ و فاجرہ کے حسن کے سامنے اُس معصومانہ حسن کی تحقیر کیجائے؟ حضرت یوسفؑ اگر بھائیوں کی سے کھوٹے داموں بک گئے تھے یا مصر کے بازار میں لا کے

بھیجے گئے تھے۔ تو اس میں اُن بیچارے کی کون سی خطا تھی جو بات بات پر اُنھیں غلامی کا طعنہ دیا کرتی ہے؟ یا خدا کی نیک بندی زلیخا کا دل اگر یوسف کے معجز نما حسن پر آگیا تھا تو یہ چھپانے اور دبانے کی بات تھی۔ یا ایسی کہ اسکی پاداش میں غریب زلیخا کو سارے دنیا میں بنڈا یا جائے افسوس اپنی بدتہذیبی کے جوش میں تجھے پیمبروں کے حرمت و ناموس کا بھی خیال نہیں آتا! حضرت موسیٰ ؑ نے دیدار الٰہی کی خواہش کی اور طور پر جلوۂ ایزدی کے نمایاں ہوتے ہی غش کھا کے گر پڑے۔ اِس پر تو نے موسیٰ ؑ کو ہزاروں طعنے دے اور برابر اس گھڑی تک دے رہی ہے۔ اُن کے وادیِ ایمن۔ ید بیضا۔ اور عصا کو تو نے اپنی خیال آرائیوں کا کھیل بنا لیا۔ اُن کی بے وقری کی۔ اُن کی تحقیر کی اور ایسے ایسے ناپاک مقاموں اور موقوں پر لالا کے اُنھیں پیش کیا کہ دین کی چادر صد جگہ سے چاک ہوگئی۔ لیکن تیری زبان جو گز کنا تھی نہ رُکی۔ آخر ان بدتہذیبیوں اور بدلگامیوں کی کوئی حد بھی ہے

ع ہاں وہاں محمدا دشمن این چہ بدزبانی ہاست؟

خضر بیچارے نے ایک مرتبہ حکم الٰہی سے جناب موسیٰ ؑ کی رہبری کی تھی اسپر موسیٰ ؑ کی نسبت تو نے جو کچھ کہا وہ تو خیر تھا ہی ہئی ہے خود خضر کی ایسی خبر لی کہ غالباً تیرے ہی خوف سے آج تک

وہ بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ اور تو اُنھیں کسی جگہ قرار نہیں لینے دیتی حضرت مسیح کے معجزۂ احیائے اموات کو دیکھ اور اپنی اس ہرزہ سرائی کا خیال کر کہ "او بہ قُم زندہ کُند یار بہ دُشنامے چند" بیباکی کی کوئی بھی حد ہے؟ حضرت مسیح بھی تیری اِن بدزبانیوں سے بچنے کے لئے آسمان پر چلے گئے مگر تو وہاں بھی انھیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ بات بات پر اُنھیں آسمان پر چلے جانے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ اُن کا چلا جانا دلی کمزوری پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور گھڑی گھڑی زمین پر بلائے جاتے ہیں۔

بعض جاہل مُسلمان خصوصاً وہ جو اکثر جناب سرورِ کائنات صلعم کے مقابلہ میں انبیائے سلف کی توہین اور سُبکی کر جایا کرتے ہیں شاید یہ خیال کر کے گھڑی بھر کو خوش ہو جائیں کہ شعرا نے اور سب انبیا پر تو حملہ کئے مگر ہمارے پیغمبر برحق محمد رسول اللہؐ کے محترم دامن تک شاعری کا گستاخ ہاتھ نہیں پہنچ سکا۔ اور دینی ادب سے ایسے موقعوں پر آپ کا مبارک اور پاک نام لیا گیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ شاعری نے مذاہبِ سلف کی اتنی توہین ہرگز نہیں کی تھی جتنی کہ اسلام اور شریعتِ محمدیہ کی کی ہے۔

اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صاف صاف الفاظ میں کفر کا اقرار

اور دین سے انکار کیا جاتا ہے۔ یا تو اگلوں کو شوق تھا کہ بُت خانوں اور گرجوں کو مسجد بنادیں۔ یا یہاں ہمیشہ یہ شوق رہتا ہے کہ مسجدوں سے میخانہ کا کام لیا جائے اور وضو وطہارت کی بدھنیوں میں شرابِ خوشرنگ بھری جائے۔ یہ شکایت اکثر سنی گئی کہ مسجد میں کچھ نہیں بس خُدا کا نام ہے۔ طاق مسجد میں بُت لا کے رکھے جائیں اور اُن کی پرستش کیجائے جب دیکھیے اِسپر افسوس کیا جاتا ہے کہ کعبہ سے بُت نکال دے گئے نیت رہتی ہے کہ پھر کعبہ کو بتخانہ بنا دیا جائے۔ اور بجائے اذان کے کعبہ میں کھڑے ہو کے سنکھ بجائیں۔ حاجیوں کو بہکایا جاتا ہے کہ کعبہ میں کیا رکھا ہے جو وہاں جاتے ہو بتکدہ میں آؤ۔ اور دیکھو کیسی کیسی پیاری صورتیں نظر آتی ہیں۔

کافر شاعری! بے دین وبے ایمان شاعری! ملعون و مردود شاعری! تیرا کچھ دین وایمان بھی ہے؟ اس کا بھی کچھ خیال ہے کہ ایک دن مرنا اور خدا کو جواب دینا ہے؟ طاق حرم کو دیکھ اور بتوں کو دیکھ! حجر اسود کو دیکھ اور اُسے چھوڑ کے بتوں کے چومنے کو دیکھ! ایک فاجرہ و فاحشہ کے گورے گالوں کو دیکھ اور مُصحفِ زبانی کو دیکھ! تیری یہ کیا شامت اعمال ہے کہ علانیہ کفر کا اقرار کرتی ہے۔ جنیو پہننے اور ماتھے پر قشقہ لگانے کا شوق دلاتی ہے! بت پرستی وشرک کی

عاشق زار ہے۔ اور اپنے پیروں کی زبان سے اقرار کراتی ہے کہ

مرا ولے است بہ کفر آشنا کہ چندیں بار	بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

اور کبھی یوں کہلاتی ہے کہ۔

میرے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو۔ اُن نے تو	قشقہ کھینچا۔ دیر میں بیٹھا۔ کب کا ترک اسلام کیا

آخر کمبخت تجھے متقی کا بھی کچھ ڈر نہیں رہا! اور پھر ان دریدہ دہنیوں گستاخیوں۔ ہرزہ سرائیوں اور اس کفر بکنے کے ساتھ آزادی کی سند ایسی مل گئی ہے کہ ان باتوں پر نہ کوئی بگڑتا ہے۔ نہ جناب شیخ برا مانتے ہیں۔ اور نہ مفتی اُمت کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ بلکہ اُلٹے مزہ لیتے۔ جُھوم جُھوم کے تیرے کلمات کفر کو زبان سے دوہراتے۔ اور بیخود و مدہوش ہو کے اُن پر ہوحق مچاتے ہیں۔ اور کمال یہ کہ ان کفر و شرک کی باتوں پر جو فتویٰ دیا جاتا ہے وہ بھی یہ ہے کہ ع "شاعری جزویست از پیغمبری"!

ہمارے ان خیالات پر شاید بعض بت پرست قوموں کو ملال آئے اور کہیں کہ شاعری ہماری طرفدار ہے اور یہ اُسے بُرا کہتے ہیں۔ مگر ہندو دوستو اس دھوکے میں نہ ہو۔ اگر تمہارا ایسا خیال ہے تو تم شاعری کے فریب میں آگئے ہو۔ سچ یہ ہے کہ یہ دریدہ دہن ظالم کسی کی نہیں۔ اور کمال بے وفائی کے ساتھ اپنوں ہی کی دشمن ہے۔

یہ تمہاری طرفداری۔ تمہارے بتوں کی تعریف۔ اُن کے پوجنے کا شوق زُنّار پہننے۔ ماتھے پر قشقہ لگانے۔ اور سنکھ بجانیکی آرزو اُسی وقت تک ہے جب تک یہ شاعری اور اسکے مرید اپنے آپ کو مُسلمان سمجھ رہے ہیں۔ اگر یہ شاعری کہیں ہندو ہو گئی تو یقین جانو کہ ویسی ہی تمہاری دُشمن ہو جائے گی جیسی کہ فی الحال ہماری ہے۔ یہ تو اپنوں کی دشمن ہے اگر تم اسکے اپنے بن گئے تو پھر سمجھ لو کہ یہ تمہاری دشمن اور تمہاری آبرو ریزی کے درپے ہو جائے گی۔

لیکن شاعری! تو چاہے کافر ہو چاہے بے دین۔ اور اپنی آزادیوں کی بدولت تو جو چاہے کرے ہم تیرے کمال کے ضرور قائل ہیں۔ تجھ میں جو کمال ہے کسی میں نہیں معشوقانہ رفتار اور دلربایانہ فن تجھی کو خوب آتا ہے کہ جن کو بُرا کہے اُنہیں میں ہر دل عزیز بنی رہے۔ وہی جن پر تو طعن و تشنیع کرتی اور آوازے کستی ہے وہی تیری قدر کرتے ہیں۔ جن مہوشوں کو تو گالیاں دیتی ہے اُنہیں کو ہم اگر کوئی ایک بات بھی کہہ دیں تو بگڑ جائیں گے۔ مگر تجھ سے خوش ہیں۔ وہی بزرگانِ اُمت جن کی تحقیر و توہین اور آبرو ریزی میں تو نے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ اُنہیں تو محبوب بنی ہوئی ہے اور تیری زبان سے جو گالیاں نکلتی ہیں اُن کو بھی وہ مزہ لے لے کے اور خوش ہو ہو کے اپنی زبان سے دوہرلتے ہیں۔

اور خدا جانے ان گالیوں ہی میں تو نے اُنہیں کون سی رشوت دیدی ہے کہ چاہے ساری دنیا کو کافر و ملحد و بے دین بنا دیں تجھے نہیں بتاتے۔

خوش نصیب شاعری! سند عفو رکھنے والی شاعری! ہم تیری تعریف کرتے اور تیرے کمالات کا اقرار کرنے پر مجبور ہیں۔ اور ملتجی ہیں کہ کوئی ایسا ہی نسخہ ہمیں بھی بتا دے۔ اگرچہ تیری طرح ہم سے بدزبانی و زبان درازی ہرگز نہ ہو سکے گی۔ مگر اتنا تو ہو کہ اگر کبھی اتفاق سے کسی کی نسبت کوئی کلمہ زبان سے نکل جائے تو وہ بُرا نہ مانے اور اُسکے جواب میں کچھ نہ کہے۔

طلسمِ فنا

ابھی چند روز ہوئے ایک انگریزی اخبار میں یہ بحث نظر آئی تھی کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا۔ اُس میں سب سے زیادہ چُبھتا ہوا یہ فقرہ تھا کہ اگلوں سے اکثر لوگ اپنا زیادہ وقت اسی مابعد الموت کے معمہ کے حل کرنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ اور اب بہت کم لوگ اُس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ مگر وہ چونکہ ایک مسیحی دنیا کی صدا تھی لہٰذا انجام میں مسیحیت

ہی کی طرف توجہ دلائی گئی اور اُسی تنگ خیالی پر اُس کا خاتمہ ہوگیا۔ جسکی جھلک آج کل یورپ والوں کی اکثر تحریروں میں اور خاصتہً اُن تحریروں میں نظر آیا کرتی ہے۔ جو مذہب یا معاشرت یا تاریخ کے متعلق ہوا کرتی ہیں۔

انسان کو جس چیز میں سب سے پہلے اور سب سے نمایاں طور پر اپنی بے بسی نظر آئی وہ موت ہے۔ اُس نے پہلے پہل جب کسی کو مرتے دیکھا ہوگا تو خدا جانے اُس کا کیا حال ہوا ہوگا۔ وہ گھبرایا ہوگا کہ یہ شخص جو ابھی باتیں کر رہا تھا یکبیک خاموش کیوں ہوگیا۔ اور اس سے تو ایک گھڑی کے لئے بھی نچلا نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ آخر یہ یکبارگی بے حس و حرکت کیوں ہوگیا؟ اس راز کے دریافت کرنے کے لئے اُس نے خدا جانے کیا کچھ سر مارا ہوگا۔ اور کہاں کہاں کی خاک چھانی ہوگی۔ ہر شخص سے بلکہ ہر شجر و حجر سے دریافت کرتا پھرا ہوگا کہ موت کیا چیز ہے۔ مگر کہیں سے کچھ جواب نہ ملا ہوگا۔ اور آخر تھک کے بیٹھ رہا ہوگا۔ کہ یہ راز سربستہ کسی طرح حل نہیں ہوسکتا۔

مگر افسوس اس معمہ کے حل کرنے میں جس طرح وہ پہلا انسان عاجز و بے دست تھا اُسی طرح آج ہزارہا برس گزر جانے کے بعد بھی انسان ویسا ہی لاجواب اور خاموش ہے۔ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس معمہ نے

دنیا کے آغاز ہی میں انسان کو فلسفیانہ روحانیت کا خیال دلایا۔
یہ خیال بیجا نہ تھا کہ جو چیز قفسِ جسمانی کے اندر رہ کے زندہ دلی اور
طرح طرح کے کرشمے دکھا رہی تھی اُس سے اس جسم کی قید سے آزاد
ہونے کے بعد کیا کچھ کمالات نہ ظاہر ہوتے ہوں گے۔ یہ جملہ اگرچہ بہت
آسانی اور صفائی سے کہہ دیا جا سکتا تھا کہ جو چیز جسم کے اندر سے یہ معجزہ
نمائیاں دکھا رہی تھی وہ ایک عارضی کیفیت تھی۔ جو جسم کے اندر ہی
فنا ہو گئی۔ مگر اس پر کسی کو اطمینان نہ ہوتا تھا اور نہ یہ تسلیم کرنے کو جی چاہتا تھا
کہ ایک ایسی زبردست قوت یوں آناً فاناً میں فنا ہو جائے۔ جسم سے
علٰحدہ ہونے کے بعد کسی روح کے قائم و برقرار رہنے کا خیال نہ آتا تھا
کہ انسان کو خیال کی آنکھوں سے ارواح کا ایک بڑا بھاری عالم نظر
آ گیا۔ پہلے اُسے دنیا ہی کے ہر سنّاٹے اور ہر خاموشی کے مقام میں بری
بھلی ہر طرح کی روحیں نظر آئیں۔ اُسے درختوں پر جھاڑیوں میں۔
پہاڑوں میں۔ وادیوں میں۔ دریاؤں میں۔ نہروں میں۔ جنگلوں میں
اور بیابانوں میں ہر جگہ روحانی مخلوقات نظر آنے لگی اُسنے بڑے بڑے
زبردست اور قوی ہیکل دیوتا دیکھے۔ بڑی بڑی خوبصورت دیویاں
دیکھیں۔ اور جدہر نظر اُٹھائی اس جسمانی عالم سے زیادہ بڑا اور زیادہ
وسیع عالم ارواح نظر آیا۔ جس میں فرشتے تھے۔ جن تھے۔ ہیبت ناک

دیو تھے - پریاں تھیں - شیاطین اور بھوت تھے - اور انھیں روحوں کے غول میں سے اپنے وہ عزیز اور محبوب دوست بھی نظر آگئے جو اُس سے چھین کے غیر مجسم مخلوقات کے عالم میں بھیج دے گئے تھے -

دنیا کی اس روحانی ترقی نے دماغوں اور عقیدوں میں پہلو بدلتے بدلتے اور ایک خاص مزاج اور خاکہ قائم کرتے کرتے افلاطون اور پرانے صوفیوں کا عالم مثال پیدا کیا - بلکہ اُس سے بھی پہلے ژاژند زرتشت میں بتایا گیا کہ "زمین پر جو کچھ ہے اُن چیزوں کا عکس اور سایہ ہے جو آسمان پر ہیں" یعنی آسمان کے ارواح کا خزانہ ہے - اور یہاں جو کچھ ہے وہاں بھی موجود ہے - بلکہ وہ اصل ہے اور یہ زمین والی صورتیں اور شکلیں اُسکا سایہ اور عکس ہیں - یہ وہ زمانہ تھا جب انسان کو موت کے راز کے علاوہ آسمان بھی ایک بڑا طلسم خانہ نظر آیا تھا - جہاں تارے چاند سورج اور مختلف کیفیتیں تو نظر آتی ہیں مگر اسکا پتہ نہیں کہ یہ سارا کارخانہ کیا ہے اور کیوں ہے - اور اس بالائی قصر زمردیں میں ان نورانی اجرام کے ساتھ اور کیا کیا چیزیں ہیں -

چند روز کے غور و خوض کے بعد انسان کا یہ خیال قائم ہوا کہ یہ آسمان ہی روحوں کا خزانہ یا عالم ارواح ہے ہمارے یہاں تمام روحیں آسمان سے آتی اور پھر وہیں چلی جاتی ہیں - اسی وقت سے روحانیت اور

نورانیت کا علاقہ پیدا ہوا۔ اور لوگوں کو خیال ہوا کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے قریب ہی ہیں۔ اور نورانیت ایک کثیف درجہ کی روحانیت ہے۔ جو بمقابل تمام اجسام کے ارواح سے بہت قریب ہے۔

لیکن اتنی ترقی ان تمام خیال آرائیوں کے بعد بھی غور سے دیکھا تو موت کا مسئلہ ویسا ہی عقدۂ مالا ینحل تھا۔ اب خیالات کی کثرت نے یہ حالت کر دی کہ نہ تو اسی پر دل جمتا تھا کہ مرنے کے بعد زندگی کی کیفیت مطلقاً فنا ہو جاتی ہے۔ اور نہ اسی کا پورا پورا یقین آتا تھا کہ روح جسم سے نکل کے کسی دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے۔

نوع انسانی کی ہدایت اور اُسکے اصول زندگی کے مرتب و منضبط کرنے کے لئے مذاہب پیدا ہوئے تو انہوں نے بھی سب سے زیادہ فائدہ اسی موت کے نہ حل ہونے والے معمے سے اُٹھایا۔ مذاہب کو اس بات کی تعلیم دینی تھی کہ اچھے کام کرو۔ اور بُری باتوں سے باز آؤ۔ مگر دنیا میں کوئی ایسی زبردست قوت نہ تھی جو انسان کو اُن کی ہدایات کے ماننے اور اُن پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کر دیتی جب تک بھلائی کا انعام دینے کے لئے کوئی دارالجزا اور بُرائی کی سزا دینے کے واسطے کوئی دارالبوار موجود نہ ہو غیر ممکن تھا کہ انسان جسمیں بہی خواہشات

کا جوش تھا۔ اُس کا ہر ادنیٰ و اعلیٰ اور ہر عالم و جاہل کسی کام کے کرنے یا اُس کے ترک پر مجبور ہو جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے جنت و دوزخ کو موت ہی کے دامن میں چھپا یا ہوا بنایا۔

اُدہر موت نے دنیا والوں کو اسقدر ستایا اس قدر بے بس کیا اور ایسے ایسے دُکھ دئے تھے کہ لوگوں کو خُود موت ہی کسی مہیب دیو اور کسی خونخوار بلا کی صورت میں نظر آنے لگی تھی۔ وہ توانا اور صاحب اثر شخص کے سامنے جا جا کے موت سے پناہ مانگتے تھے۔ مگر پناہ نہ ملتی تھی۔ انسان کی اس کمزوری کو دیکھ کے لاکھوں حکیم اور طبیب اور ہزاروں ملا سیانے پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے دوائیں دیں۔ گنڈے دئے۔ تعویذ دئے اور سیکڑوں چلّے کئے مگر موت ایسی بلا نہ تھی جو کسی کے ٹالے ٹل سکتی۔ یا کوئی علاج سود مند ہوتا۔ بہرحال سارے عالم کے عجز اور بڑے بڑے عقلا کی بیچارگی نے موت کو ایک ایسا پردہ ثابت کر دیا جس کے اُس طرف کا حال کسی کو معلوم نہیں اور قطعی طور پر طے پا یا گیا کہ جب تک کوئی جام مرگ کو پی نہ لے نہیں جان سکتا کہ اس میں کیا ہے۔

موت نہ ہوتی تو آج دنیا میں انسان کو رہنے کے لئے جگہ نہ ملتی اسلئے کہ موت کا فرشتہ بعد والوں کے لئے ہمیشہ جگہ خالی کراتا رہتا ہے دنیا ایک بڑا دلچسپ میلا ہے جسکی سیر کو لوگ آتے ہیں۔ اور جس طرح

کسی جگہ زیادہ مجمع ہوتے دیکھ کے پولیس کا کانسٹبل کہتا ہے "سو یکھے جا اور گزر سے جاؤ" اور کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتا۔ اُسی طرح موت دُنیا میں آنے والوں کو یہاں قرار نہیں لینے دیتی۔ اور سب کو ہنکا ہنکا کے اُس بستی میں پہنچا دیتی ہے۔ جہاں سے پھر کبھی کوئی پلٹ کے نہیں آیا۔

خیال تو کرو کہ کیسے کیسے لوگوں اور کس کس پلّہ کے بزرگوں کو موت نے ہنکا کے عدم آباد میں پہنچا دیا ہے؟ سب گئے کسی نے جانے میں عذر نہ کیا۔ مگر افسوس جتنے گئے ہیں سب نہایت ہی بے بسی کے ساتھ گئے ہیں۔ ان جانے والوں میں بڑے بڑے اُولوالعزم بادشاہ ہیں۔ فوجوں کے فتحمند سپہ سالار ہیں۔ انبیاء و رُسل ہیں۔ اولیا و اتقیا ہیں۔ غرض اچھے بُرے سب ہی طرح کے لوگ ہیں اور سب ایک ہی راستہ سے گئے ہیں۔

مذاہب نے مرنے والوں کی نسبت اپنے اپنے مذاق کے موافق جُدا جُدا فتوے دے رکھے ہیں۔ اور اپنے پیرؤوں کے سوا دوسروں کا انجام بُرا بتایا ہے۔ ہمیں اُنکا کہنا ماننے میں عذر نہیں۔ مگر یہ تو دیکھو کہ دنیا سے جانے میں سب کی حالت یکساں ہی رہی۔

چند ضروری قواعد

(۱) رسالہ تزک عثمانیہ بہ سرپرستی عالیجناب معلی القاب ہز اکسلنسی راجہ راجایان سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جی سی۔ آئی۔ ای مشیار وسابق مدارالمہام سرکار عالی المتخلص بہ شاد تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمۃ ہر ماہ ہلالی کے ہفتہ اولیٰ میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) عام رسالوں کی طرح اسکی سالانہ قیمت مختلف تعداد میں نہیں رکھی گئی ہے کہ عام امرا اور رؤسا و والیان ملک سے علی قدر مراتب لیجائے بلکہ مذاق علمی میں آسانی و اضافہ کرنے کے لئے ایک قیمت رکھی گئی ہے۔ یعنی (عـہ) سالانہ انجمنوں اور لائبریروں کو منجانب سرکار مہاراجہ بہادر اور مضامین نگاروں کو منجانب مہتمم مفت دیا جاتا ہے معاف

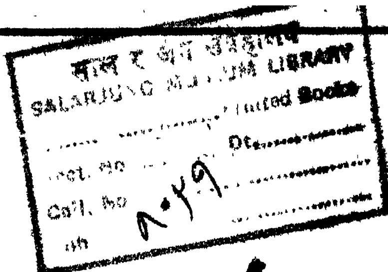
(۳) جواب طلب امور کیلئے آدہ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے۔ ورنہ جواب آنا ممکن نہیں

(۴) اگر کوئی صاحب ازراہ عنایت اپنا کلام بھیجنا چاہیں تو اپنے نام و مقام کے پتے کے ساتھ ماہ ہلالی کی ۱۵ تاریخ تک خوشخط لکھکر بھیجیں۔

اخلاقی۔ تاریخی۔ تمدنی مضامین ہوں۔ مذہبی مباحث یا پولیٹیکل مضامین بھیجنے کی زحمت نفرمائیں۔ جس مضمون کا طبع کرنا مناسب سمجھا جائیگا وہ نہ طبع ہوگا نہ واپس

(۵) ہمہ خط و کتابت وغیرہ ذریعہ مہتمم یا ایڈیٹر رسالہ تزک عثمانیہ ہونی چاہئے۔

مہتمم رسالہ تزک عثمانیہ



سلسلہ نمبر (۱)

[illegible] ۱۳۳۴ھ

تزک عثمانیہ

انتیسویں سالگرہ مبارک اعلیحضرت قدر قدرت جہان پناہ ظل سبحانی نظام الملک آصفجاہ نواب میر عثمان علی خان بہادر جی سی۔ ایس آئی فرمانروائے ملک دکن کی

مبارک یادگار میں

بسرپرستی عالیجناب راجہ راجایان سر کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جی-سی-آئی-ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی تلمیذ حضرت آصف غفران مکان

محبوب پریس علاقہ پیشکاری سے شائع ہوا

فہرست مضامین تزک عثمانیہ جلد ۳ نمبر ۱

نئی دنیا کی کہانی

نئی دنیا سے میری مراد امریکہ سے ہے اور امریکہ کا بھی ایک حصہ یعنی یونائٹڈ
اسٹیٹس United States (ریاستہائے متحدہ) اسے نئی دنیا کیون
کہتے ہین۔ اس لیے کہ اس قطعۂ زمین کو دریافت ہوئے صرف چار سو سوا برس
ہوئے ہین۔ بیشک اس سے پیشتر یہان آدم زاد آباد تھے لیکن اُن کی بابت
ہمین کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اس کے علاوہ اور کئی باتون مین بھی یہ ملک
نیا ہے۔ آزادی۔ بہبودی۔ روشن دماغی۔ اس کے چہرے پر عیان ہے
یہان کے باشندے پہلے اہل یورپ سے کہین پیچھے تھے۔ مگر اب آگے
نکل گئے ہین۔ جو حاکم تھے۔ وہ اب ان کے برابر ہوگئے ہین۔ جو اُستاد
تھے اب وہ چیلے ہین۔ سائنس و حرفت کی نئی معلومات یہان سے
آغاز ہوئی ہین۔

نئی دُنیا کے کئی شہرون کے نام پُرانی دنیا کے نامون پر رکھے گئے ہین
انگلنڈ کے نام پر یہان نیو انگلینڈ اور یارک کے نام پر یہان سب سے
بڑا شہر نیویارک ہے۔ یہان بھی لندن۔ کیمبرج۔ روم۔ ایمسٹرڈیم۔ وغیرہ

کے نام پر قصبے نام زد ہین آپ یہ پڑھ کر خوش اور متحیر ہون گے کہ یہان ایک
چھوٹی سی جگہ کا نام دہلی ہے۔غریب ہندوستان تک کو یہان کے نام
دینے والے نہ بھولے۔

چار سو سولہ سال ہوئے کہ ایک سیّاح ہندوستان کی تلاش مین یورپ
سے چل کر ہندوستان کے بجائے امریکہ جا پہنچا۔ اُس سے پہلے کسی شخص
کو اس وسیع سرزمین اور اُس کے باشندون وغیرہ کی بابت مطلق خبر نہ تھی
یہ خیال کیا جاتا تھا کہ زمین چپٹی ہے اور انگلستان کے مغرب کے جزیرے
دنیا کی مغربی حد ہین۔گو ارسطو بتلا گیا تھا کہ زمین گول ہے۔مگر عام لوگ
حیران تھے کہ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مغرب کی طرف سے
روانہ ہو کر مشرق مین جا نکلے۔کولمبس نے دل مین ٹھان لی کہ کیسی ہی مشکل کا
سامنا کیون نہ کرنا ہو جائے کتنی ہی مشقت و مصیبت اُٹھانی پڑے اور کوشش
مین جان چلی جائے۔مگر اس بات کو سچ کر دکھاؤن گا کہ زمین گول ہے
اور ہندوستان قریب۔ لیکن اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ ہندوستان پہونچنے
سے پیشتر اسکی آنکھون کے سامنے ایک نئی دنیا سمندر سے اُبھر آئیگی۔

اس زمانے مین یورپ کے بادشاہون کو دھن تھی کہ کسی ترکیب سے
ہندوستان (جو کہ سونے کی چڑیا خیال کیا جاتا تھا) اپنے قبضے مین
لے آئین لیکن کولمبس کی تجویز ایسی انوکھی تھی کہ روپیہ دینے سے سب جھجکتے تھے

اُس نے کئی جگہ کوشش کی۔ آخر سپین کے بادشاہ نے اس کی مدد کی۔ کولمبس
کا خیال تھا کہ یورپ سے جہاز میں سوار ہو کر وہ جاپان، چین ہوتا ہوا ہندوستان
پہنچ جائے گا۔ اُسے یقین تھا کہ اس راستے سے ہندوستان (افریقہ کے
گرد جانے کی بہ نسبت) نزدیک پڑے گا۔ اس امید میں وہ ۶ ستمبر ۱۴۹۲ء
کو اپنے ساتھیوں سمیت سپین سے روانہ ہوا کئی روز تک زمین کا کنارا نظر نہ آیا
کھانے کی اشیا ختم ہونے لگیں۔ آخر ۱۲۔ اکتوبر کو ایک جزیرہ پر آ نکلا
(اُسے ۳۵ دن لگے تھے آجکل انگلستان سے بڑے آرام سے ۵ دن میں
امریکہ جا سکتے ہیں)۔

کولمبس نے سپین واپس پہنچکر اپنی تکلیف و مسرت کی سرگذشت سنائی تو سپین
میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ جب ایک سال بعد اس نے دوبارہ سفر کی نیت
باندھی تو کئی آدمی اُس کے جہاز پر جانے سے بڑی مشکل سے روکے گئے
سب کا خیال تھا کہ وہاں پہنچتے ہی مالا مال ہو جائیں گے لیکن وہیں پہنچکر بڑی
مایوسی کا سامنا ہوا۔

تیسری مرتبہ کولمبس جنوبی امریکہ جا نکلا۔ اب بھی اُسے یہی یقین تھا کہ
یہ ملک ایشیا کا جز ہے۔ لیکن حیران تھا کہ ایشیا کی دولت کہاں ہے۔
۱۵۰۲ء میں چوتھے سفر کے بعد اُس کی مایوسی کا جام لبریز ہو گیا اور
چار سال بعد اس عالمِ فانی سے کوچ کر گیا۔ ایک اور سیّاح امریکس نے

بھی بہت جستجو کی امریکہ کے کئی حصّے دریافت کئے (خاصکر جنوبی ممالک) اور
اُسی کے نام پر اس برّاعظم کو آجتک امریکہ کہتے ہین ۔
امریکہ کے اصلی باشندے ریڈ یعنی سُرخ انڈین کہے جاتے ہین۔ کیونکہ
کولمبس کا خیال تھا کہ وہ انڈیا پہنچ گیا ہے (آجکل بھی اکثر اوقات یہ سمجھا جاتا ہے
کہ یہان آنے پر ہمارے ملک والے اپنے آپ کو بجائے انڈین کے ہندو
یا ہندوستانی بتائین۔ ورنہ لمبی چوڑی تشریح کرنی پڑتی ہے کہ انڈین
سے نہ تو ریڈ انڈین نہ ویسٹ انڈین مراد ہے۔ اور نہ انڈیا سے انڈیانا
اسٹیٹ یا ریاست۔ ایک انڈین ہم ہین دوسرے انڈین یہان تھے ۔
مین کہنے کو تھا کہ دوسرے انڈین یہان ہین۔ لیکن ہین کہان فقط نام باقی
رہگیا ہے گنتی کے دو چار سو کہین کہین پائے جاتے ہین باقی تقریبا
نیست و نابود ہو گئے ۔
عجیب قوم تھی جنگل اور شکار کے شوقین اس زمانے کی یوروپین تہذیب
سے بے بہرہ۔ گولی بارود کے سامنے اور فکر والم کے بار کے نیچے
اپنے غرور مین غلامی کی زندگی سے موت بہتر جان کر اپنی جانون پر
کھیل گئے۔ یورپ کے آدمیون کو وہ پیل فیس (pale Face) زرد رُو
کہتے تھے جب یوروپین لوگ یہان آئے تو گویا وہ غیر ملکی تھے ۔
مگر انڈین اُن سے مہربانی سے پیش ہی نہ آئے بلکہ اُن کو رہائش کیلئے

جگہ دی ہے لیکن جب زیادہ تعداد مین آنے لگے تو لڑائی شروع ہوئی حتی کہ
ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے - یوروپینون کی بیرحمی اور بیوفائی
بعض اوقات حد پر پہنچ جاتی تھی - بعض انڈین اُن کی طرفداری کرتے تھے -
لیکن ایسے آدمیون کے گھربار بھی یوروپینون نے لڑائی مین برباد کر دیئے
ایسی باتون سے اُن کے دوست بھی برانگیختہ ہو گئے کہ یہ ظالم غیر ملک
سے آکر دوستون کو شکر گذاری کے بجائے رنج اور تکلیف دیتے ہین
اسلئے اب اُنھون نے انھین ملک بدر یا سمندر مین غرق کر کے غرض کسی طرح سے
اُن سے پیچھا چھڑانے کی ٹھان لی - اور بہت سے امن پسند انڈین بھی
مرنے مارنے پر تیار ہو گئے - اگر شروع مین یورپ سے مدد نہ آتی تو انڈین
فتح پاتے - لیکن اُنکی قسمت مین شکست اور موت لکھی ہوئی تھی - کچھ بہادر تو
لڑتے لڑتے مر گئے اور باقی ماندہ اپنی ہار کا غم غلط کرنے کے لئے
شراب کے شکار ہوئے - یورپ کی تلوار سے جو بچے وہ یورپ کے
آب آتشین سے جل مرے (انڈین شراب کو White man's fire
کہتے ہین -) تھوڑے سے انڈین جو اب پائے جاتے ہین - خاص خاص
مقامون مین محدود ہین - وہین کام کرتے ہین سرکار سے کھانا کپڑا ملتا ہے
یوروپینون نے ریڈ انڈینس کی قومی ہستی بالکل مٹا دی - اس مثال کو یاد کر کے
امریکہ والون کو یہ ڈر لگتا ہے کہ کہین جاپانی چینی بھی یہان آکر نہ پھیل جائین

اور ہمین تباہ کردین ۔ اسلئے یہان ایشیا والون کو دور رکھنے کی کوشش
کی جارہی ہے ۔

فرانس اور سپین سے یوروپین لوگ امریکہ آکر آباد ہونے لگے ۔
لیکن زیادہ تعداد انگریزون کی تھی ۔ جنہون نے بالآخر سب پر اپنا
سکہ بٹھا لیا ۔

پہلے پہل انگریزون کا مدعا نیگرو یعنی حبشی غلام بیچنے کی تجارت بڑھانا
اور اس سے فائدہ اُٹھانا تھا ۔ اُس زمانے مین بڑے آدمی اس بات پر
فخر کرتے تھے کہ اُنہون نے بردہ فروشی کے لئے کمپنیان جاری کرکے
انگلستان کی دولت دُگنی کردی تھی ۔ لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے انگریزون
نے نقصان گوارا کرنا منظور کیا اور ایک راے ہوکر اس ناپاک پیشے سے
ہاتھ دہو ڈالے ۔ جون جون زمانہ گذرتا جاتا ہے ۔ نیک کام کرنا دولت
جمع کرنے سے اعلیٰ تر قرار دیا جاتا ہے ۔ آجکل افیون کی کاشت اور عادت
روکنے اور شراب کا استعمال بند کرنے کی ہر ملک مین سرگرمی سے تدبیرین
سوچی اور عمل مین لائی جارہی ہین ۔ انگریزون کی بستیون کا آغاز بادشاہ
جیمز کے زمانے مین ہوا ۔ جب کہ اُس نے لندن اور پلیمتھ کی کمپنیون کو فرمان
جاری کئے شروع مین تو سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا ۔ انڈینس نے
انگریزون کو بُری طرح ستایا ۔ آخر ان کا قدم جمگیا ۔ اور وہ کاشت کرنے لگے

تماکو کی کھیتون مین جب زیادہ مزدورون کی ضرورت محسوس ہوئی تو افریقہ سے
جشیون کو پکڑ کر یہان لانے لگے۔ یہان والے انگریز آزاد طبع تھے۔ اس لیئے
جب چارلس اول کی گدی نشینی کے موقع پر اُن کے اوپر حکومت کرنیکے لیئے
ایک گورنر بھیجا گیا جو کہ ظالم اور بے ایمان تھا۔ اُن کے دل مین بغاوت کا بیج
بو گیا۔ اُدھر خود انگلستان مین عام رعایا بادشاہ کے برخلاف کرومویل کی
سرداری مین لڑنے لگی۔ اس غدر کا نتیجہ یہ ہوا کہ چارلس کا لڑکا تخت پر بیٹھا دیا گیا
اب امریکہ کی حالت سُنئے ورجینیا کا دوسرا گورنر بھی کچھ کم بیرحم نکلا۔ اُس نے
تعلیم و اخبارات کی اشاعت کو روکنا چاہا۔ کیونکہ اُسے ڈر تھا کہ اگر رعایا پڑھ لکھی
تو اُس کا زور جاتا رہے گا اور ایسا ہی ہوا۔ رعایا نے اُس کے خلاف بادشاہ
کو ایک عرضداشت بھیجی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چارلس دویم نے اُسے واپس بُلا لیا
ایسی باتون سے یہان والون کے دل مین ظالمون سے نفرت اور آزادی
کی خواہش پیدا ہو گئی۔

امریکہ کے ایک دوسرے حصے نیو انگلینڈ مین اعلیٰ خیالات کے آدمی
آباد تھے جو کہ یاتری یا حاجی (Pilgrim fathers) کہلاتے ہین۔
ان سب سے پہلا گروہ ایک سو مسافرون کا سنہ ۱۶۲۰ء مین دو مہینے کے سفر
کے بعد مے فلاور (May Flower) نامی جہاز مین امریکہ پہنچا تھا
انگلستان مین یہ لوگ اُس زمانے کے طریق عبادت مین تبدیلیان کرنا چاہتے تھے

اس لئے وہ باغی سمجھے گئے اور اُنھیں اذیتیں دی گئیں جس سے اُنہوں نے اپنا ملک چھوڑ دیا کچھ تو ہولینڈ چلے گئے اور کچھ امریکہ آ گئے اور آپ ہی اپنی حکومت کرنے لگے اِن نو واردون مین مختلف خیالات نے زور پکڑا چند شخص موجودہ حالت پسند نہ کرتے تھے۔ کوئی مذہبی معاملات مین دخل دینے لگا اور کسی نے یہ خیال کیا کہ ملک کی سلطنت مین ہر فرد بشر کو حصہ لینے کا موقع دینا چاہیئے ریاستین یعنی صوبے آپس مین وابستہ اتحاد قائم کرنے لگین اور اپنی اپنی حکومت کے دائرے بڑھانے لگین۔ بعض آدمی انگلستان واپس کر دئے گئے جس سے وہ اپنا انتقام لینے کی غرض سے بادشاہ کو بہکانے لگے کہ سمندر کے پار آپ کی جو رعایا ہے وہ دراصل وفادار نہین ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک صوبے کے اختیارات چھین لئے گئے۔ بادشاہ ولیم نے حقوق تو بدستور رہنے دئے لیکن گورنر مقرر کرنا اپنے ہاتھ مین رکھا بستیان بڑھتی گئین اور نئے صوبے بننے لگے مغربی حصے مین فرانسیسیون نے ایک سلطنت قائم کی۔ لیکن لڑائی مین انگریزون سے ہار گئے تاہم کینیڈا (Canada) مین فرانس کا راجہ رہا۔ وہان بھی جنگ ہوتی رہی۔ آخر ۱۷۴۸ء مین ایک عہدنامہ دونون سلطنتون کے درمیان ہوا لیکن تھوڑے عرصے مین پھر لڑائی ہونے لگی ۷ سال تک جنگ رہی جو کہ ۱۷۶۳ء مین ختم ہوئی۔ کینیڈا اور فلوریڈا انگلستان کے قبضے مین

آ گئے ۔ اُدہر فرانس کی لڑائی کا انجام بخیر ہوا ۔ اُدہر خود اپنی قوم کے برگشتہ باغیوں سے انگلستان کو سابقہ پڑا ۔ تجارتی جھگڑون اور پولیٹکل اختلافات کے باعث امریکہ والون کی اپنی مرضی کے برعکس حکام وقت سے ناچاقی ہوگئی ۔ انگریزی افسرون کا ظلم دن بدن امریکہ والون کے آزادی کے سدراہ ہونے کے باعث ناگوار معلوم ہونے لگا ۔ آخر وہ برداشت نہ کرسکے ۔ اِن کی تجارت محدود کردیگئی کہ انگلستان کے سوائے کسی اور سے لین دین نہ کرین ۔ افسرون نے ٹیکس بڑھا دئے اور اپنی حفاظت کے لئے گھرون مین مسلح رہنے لگے ۔ وہ لڑائی کے واسطے تیار رہتے تھے ۔ ایسی باتون سے آپس مین نفرت اور بھی زیادہ ہوگئی لیکن ابھی امریکہ والے تعداد مین کم تھے ۔ اور اس کے علاوہ اِن مین باہمی اتفاق نہ تھا ۔ اپنے آپ کو علیحدہ علیحدہ صوبے والے خیال کرتے تھے ۔ ایک ملک کیلئے محبت نہ تھی ۔ کوئی پوچھے کہ تم کس ملک کے ہو تو اپنے صوبے کا نام بتاتے تھے امریکہ نہ کہتے (جیسے ہندوستان مین پنجابی بنگالی ایک دوسرے کو جُدا قوم کے سمجھتے تھے) سنہ ۱۷۶۵ء مین ایک قانون Stamp Act پارلیمنٹ لندن مین پاس ہوا ۔ امریکہ مین ایک فوج قائم کی گئی اور اُس کے مصارف کے لئے سرکاری کاغذ (اسٹامپ) پر نیا محصول لگایا گیا ۔ امریکہ والون کی مخالفت کا یہ اثر ہوا کہ اگلے سال یہ قانون منسوخ ہوگیا ۔

بادشاہ جارج سوم امریکہ والون کا جانی دشمن بنگیا ۔ اُس نے نئی تدبیر سوچی کہ

کاغذ کے بجائے چائے شیشے وغیرہ پر ٹیکس لگایا جائے۔ اس حکم کی خبر جب امریکہ پہنچی تو وہان والون نے جلسون مین جمع ہو کر یہ تجویز قرار دی کہ انگلستان کی اشیا کا ہرگز استعمال نہ کیا جائے اسپر فوج بھیجی گئی مگر افسر کو نیچا دیکھنا پڑا۔ چائے سستی کر دی گئی پھر بھی کوئی شانتی نہ ہوئی۔ بوسٹن مین چائے کا جہاز آنے والا تھا۔ افسر نے پبلک کا کہنا نہ مانا تو سب نے متفق ہو کر دل مین یہ ٹھان لی کہ چائے کے بکس اُترنے نہ دین گے۔ جہاز کا آنا تھا کہ چند آدمی انڈین کے بھیس مین چپ چاپ جہاز پر گئے چائے کے صندوق توڑ کر ساری چائے سمندر مین بہا دی۔ جب اس کارنامے کی خبر امریکہ والون مین پھیلی تو بہت خوش ہوئے لیکن جارج سوم کی خفگی کی کوئی حد نہ رہی۔ سُن کر جل ہی تو گیا اور حکم دیا کہ بوسٹن والون کو قید کر کے بھوکا رکھا جائے حتی اکہ فاقے کی مصیبت سے تنگ آکر ڈر جائین اور معافی کے خواستگار ہون۔ گورنر کو یہ بھی لکھا گیا کہ اُن کے لیڈر گرفتار کر کے انگلستان روانہ کر دئے جائین۔ چنانچہ اس غرض سے آٹھ سو سپاہی بھیجے گئے لیکن کسی طرح راز کھُل گیا۔ خبر پھیلتے ہی لوگ لیڈرون کی جان بچانے کے لئے ہتھیار لیکر مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ گولی چلی مگر سپاہی اپنا سا منہ لیکر بھاگ گئے۔ اب کیا تھا پورے طور پر لڑائی چھڑ گئی اور ایک صوبے سے دوسرے صوبے مین آگ کے شعلے پھیلنے لگے۔

امریکہ والون نے اپنی ایک کانگریس بنائی۔ ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کو یہ تجویز

قرار پائی کہ امریکہ کی ریاستین آزاد ہین۔ اور ان مین انگلستان سے کوئی پولیٹکل
رشتہ نہین رکھنا چاہئے۔ امریکہ کی فوج کا کمانڈر جورج واشنگٹن منتخب کیا گیا۔
کئی میدانون پر جنگ ہوئی انگلستان سے بھی بادشاہی فوج کے سالے
کمک آسنے لگی۔ لیکن امریکہ والے قسمت کے بلی آخرکار کامیاب ہوئے۔
بادشاہ جورج کو روہو کر انکی آزادی ماننی پڑی۔ اب امریکہ مین واشنگٹن پہلا
پریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ چند فوجی افسرون نے اُسے بادشاہ بنانے کی کوشش
کی۔ لیکن واہ رے واشنگٹن۔ ہرگز منظور نہ کیا۔ خوش ہونے کے برعکس ایسی
تجویز کرنے والون کو اُس نے ملامت کی۔ واشنگٹن اور اُس کے سکرٹری ہیلٹن
نے بڑی خوش اسلوبی سے اُس نازک زمانے مین سلطنت کا جہاز بھنور سے
نکالا۔ ایک مجموعۂ قواعد (Constitution) بنایا گیا جو یہان کی ریاستون
کے سلطنت جمہوری کا بنیادی پتھر ہے۔ واشنگٹن کو تیسری مرتبہ پریذیڈنٹ
بنانا چاہتے تھے۔ لیکن اُس مرد نے اس پر لات ماری۔ قوم کی سچی خدمت
کرنے کے بعد بخوبی تمام اپنے پرائیوٹ کامون مین لگ گیا۔ یہان بھی اُسنے
ایک قابل تعریف مثال آئندہ کے لئے قائم کردی یعنی اپنے غلامون کو
آزادی بخش دی۔ واشنگٹن کے نیک اصولون پر یہان والے چلتے رہے
تو کبھی غلطیون سے بچے رہین گے۔ ملک نے جس قدر اُسے قرض دینا تھا
دے دلاکر نئی زندگی پائی۔ امریکہ اُس زمانے مین تیسرے درجے کی طاقتون مین

شمار کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگا آزادی کا ستارہ چمکنے لگا ستارہ بہ ستارہ ملکی نشان پر Stars & Stripes بڑہتا گیا۔ مقناطیس کی طرح یورپ کے ہر حصے سے آدمیوں کو کھینچنے لگا۔ لافیٹ Lafayette جس نے اول اول لڑائی جیتنے میں امریکہ کو مدد دی فرانسیسی تہا۔ ہر ملک کے آزاد خیال آدمی جو یورپ مین بادشاہوں کے مظالم سے تنگ آکر یہاں آئے۔ امریکہ والے آزادی حاصل کرنیکے چند سال بعد دنیا کی نگاہ مین اس درجہ بڑہے کہ منرو (Monroe) نے ۱۸۲۳ء مین یہ دہمکی دی اور ہمیشہ کے لئے ایک طرح کا اصول بنا دیا کہ امریکہ کے کسی حصے بری یا بحری مین اگر یورپ کی کسی قوم نے دخل اندازی کی تو اُسکے لئے اچھا نہو گا۔ ابھی سو سال بھی نہین ہوئے ہین لیکن امریکہ کا قومون مین اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ ناظرین خیال کرین کہ اس نے کتنی ترقی کی ہے کیسے آن کی آن مین ہر سو کرشمے دکھائے ہین۔ کیا لڑائی کے میدان مین۔ کیا امن کے کام مین۔ یورپ سارا ملکر یونائیٹڈ سٹٹس کے برابر نہین (اگر کینیڈا بھی ہو گیا جیسا بعض کی خواہش ہے اور یہ دونون مل گئے تو امریکہ اکیلا دنیا کو ڈرا سکے گا) ایک ریاست کے بعد دوسری یونین مین داخل ہوتی گئی۔ اور اب امریکہ سے باہر جزیرون پر بھی قبضہ کر لیا ہے (اس پر بہت اعتراض ہوا تہا جس پر فلپائنز مین رعایا کو اپنی حکومت آپ کرنے اور اپنے ملک کے لئے قوانین بنانے مین حصہ دیا جاتا ہے اور یہ بھی وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ خود حکومت کرنے کی قابلیت اور آزادی کی

خواہش ظاہر کرین گے تو وہان سے ہاتھ اُٹھا یا جائے گا)۔

علوم و فنون مین امریکہ والون نے جو کارنمایان کئے ہین وہ اظہر من الشمس ہین دولت مین دنیا کے ہر ملک سے سبقت لے گئے ہین سیکڑون کروڑپتی اور سنکھپتی موجود ہین۔ ہزارون بڑے کارخانے چل رہے ہین جن مین لاکھون آدمی کام کرتے ہین۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ پہلے یہان بردہ فروشی کی تجارت بڑھانے کے لئے کمپنیان قائم کی گئی تھین۔ مگر اب سُنکر حیرت ہو گی کہ حصول آزادی Independence سے سو سال سے پیشتر غلامی کے برخلاف امریکہ کے شمالی حصّے مین اتنی نفرت ہوئی کہ اس مکروہ رواج کو ہٹانے کے لئے جنوبی حصّے سے لڑائی کر کے نیگرو آزاد کر دیئے گئے یہ لوگ بے زبان جانورون کی طرح کھیتون کام کیا کرتے تھے۔ اب گورون کے برابر حقوق رکھتے ہین۔ اُن کو مہذب باشندہ Citizen بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اسکولون مین لڑکے لڑکیون دونون کے لئے تعلیم مفت اور لازمی ہے کسی زمانے مین یہان والے بھی ڈرتے تھے کہ کہین تعلیم پا کر نوکر آقا کی برابری نہ کرنے لگین۔ غلامون کو بے علم رکھا جاتا تھا اب عالی درجے کے حاکم کا ے آدمی کی رائے Vote اپنی طرف حاصل کرنے کے لئے اُن کی خوشامد کرنے کو تیار ہین حبشیون کو بھی تعلیم

کے فوائد معلوم ہو گئے ہین۔ اور اُنہون نے اپنے لئے کالج بنائے ہین
اُن کے لئے سلطنت کے پولیٹکل شاخ مین کوئی دروازہ بند نہین گو جنوبی
حصے مین ابھی تک سوسائٹی انھین حقیر سمجھتی ہے ۔

یہ بات عجیب معلوم ہو گی لیکن درست ہے کہ اگر کوئی غیر ملک کا باشندہ
یہان آکر پانچ سال تک رہنے کے بعد سٹیزن ـــــ بنکر پولیٹکل امور
مین قابلیت دکھائے اور عام رائے اپنی طرف کھینچ لے تو وہ سلطنت کا
پریذیڈنٹ تک بن سکتا ہے بعض یہودی ضلعون کے اعلیٰ افسر چنے
گئے ہین۔ جرمنی تجارت مین اعلیٰ عہدون پر ممتاز ہین۔ امریکن بڑے عالم
باعمل ہین۔ تجارت مین سب قومون سے ترقی کر گئے ہین۔ دنیا کا ہر کونہ
اُنہون نے کسی نہ کسی مطلب کے لئے چھان مارا ہے۔ دھاتین ہندوستان
مین پائی جاتی ہین لیکن امریکہ کا مشہور امیر مسٹر کارنگی یہان بیٹھا ہوا
صدہا عالیشان آہنی کارخانے چلا رہا ہے۔ روک فیلر تیل منگا کر صاف
کر کے دنیا بھر مین بھیجتا ہے۔ شروع شروع مین امریکہ والون نے اپنی پیداوار
وصنعت وحرفت بڑھانے کے لئے بیرونی اشیا پر بڑے محصول لگائے
تاکہ مقابلے مین اُن کی نئی چیزون کی کساد بازاری نہ ہو جائے۔ امریکہ والون
نے سائنس مین بھی کار نمایان کئے ہین۔ ایک ستارہ ایسا نکالا کہ بجلی کی
تیزی سے ہزارون کرامات سکے بعد دیگرے دکھائے ہین۔ ایڈیسن نے

فونوگراف ایسا آلہ ایجاد کیا کہ گھر بیٹھے ہر طرح کے بھجن۔ گیت سن لیجیے۔ دنیا کے مشاہیر اور بزرگون کی آواز اُن کی موت کے بعد بھی اپنے دل خوش کرنیکے لیے سُنی جاسکتی ہے۔ برقی طاقت کی بدولت کئی طرح کے کام سے کئے گئے ہین۔ ایلیکٹرک (Electric) گھنٹے پنکھے آئے (Electric) ایلیکٹرک لمپ تار ٹیلیفون۔ انگیٹھی (Heater) وغیرہ کام دے رہے ہین۔ کئی جگہ ایلیکٹرک ریلوے بھی جاری ہو گئی ہین۔ یہان کے کارخانے دنیا بھر کے لیے برقی آلات اور مشینین بناتے اور بھیجتے ہین۔ بغیر تار کے یعنی ہوا ہی ہوا مین پیغام کیا تصویر بھی کئی سو میل تک بھیج سکتے ہین۔ ایک ہی قدرتی قوت ہے لیکن اس کے کتنے ظہور ہین۔ یہان کے بہت سے مکانون مین کوئی ملنے آئے تو دروازے پر کھڑے ہی اوپر والون سے سوراخ مین منہ لگا کر بات چیت کر سکتا ہے بٹن دبانے سے فوراً دروازہ کھل جاتا ہے اور لمپ روشن ہو جاتے ہین۔ ایک ذرا سا اشارہ چاہیے مشین چلنے لگتی ہے کپڑے دھونے کھانا پکانے وغیرہ کے لئے بھی برقی طاقت کو کام مین لا سکتے ہین (ہندوستان مین ابھی صرف دو ہی تین جگہ بڑے کارخانے اُسکے پیدا کرنے اور دور لیجا کر مختلف طرح سے استعمال مین لانیکے لئے بنائے گئے ہین) کسقدر محنت و مشقت سے کے اب کئی کام مشین سے لئے جاتے ہین۔ خداداد برکتون سے آدم زاد کو آرام پہنچانے کے لیے قدرتی طاقتون کو قابو مین لایا گیا ہے

سوسائٹی آزادانہ ہے معمولی درجے کا آدمی سب سے بڑے عہدے پر منتخب کیا جاسکتا ہے۔ ملک کا راج خود رعایا کے ہاتھون مین ہے کوئی بادشاہ یا نواب نہین۔ یہان کسی کو خطاب نہین دیا جاتا۔ امیر و غریب ادنیٰ اعلیٰ قانون کے آگے برابر ہین (اگرچہ بعض قابل اعتراض طریقے سے یہان بھی بعض حضرات کبھی زور پکڑ جاتے ہین) یہان کے کئی پریذیڈنٹ غریب آدمیون کی اولاد تھے۔ بعض نے اپنے لڑکپن مین مزدوری چھپائی کھیتی باڑی وغیرہ ادنیٰ کام کئے تھے۔ ان کا اصول ہے

بجا کہے جسے عالم اُسے بجا سمجھو   زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

حب وطن کا یہ چار بڑے زور و شور سے ہوتا رہتا ہے۔ قومی خطرہ کے سامنے مختلف خیالات و مذاہب کے آدمی بھائیون کی طرح ساتھ ساتھ کام کرتے ہین۔ چودہ برس کی عمر تک بچون کو اسکول جانا ضروری ہے بعد مین نوکری کرین یا کالج مین پڑھین۔ تقریباً ہر شہر مین ایک دو کتب خانہ ہین۔ اخبار صبح دوپہر شام نکلتے اور ہر روز لاکھون بک جاتے ہین۔ عورتون کو ووٹ دینے اور لکھپتیون کی طاقت توڑنے کی کوشش ہو رہی ہے بعض ریاستون مین شراب بالکل منع ہے۔ جوا کھیلنا اور لوٹری (چھٹی) ڈالنا اکثر جگہ بند ہے۔

شیونراین
منقول از زمانہ

گذشتہ سے پیوستہ

(۲)

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۳ جلد ۲)

جس قدر ڈیو برگ کونٹ آف مانٹ ریول کے محل کے قریب ہوتا جا رہا تھا اسی قدر صبح ہونے سے پہلے فریڈرک سے ملنے کی امید موہوم ہوتی جا رہی تھی کیونکہ وہ اچھی طرح سے واقف تھا کہ اس وقت دربان کو جگانا مناسب نہوگا۔ بیٹے کو جگانے مین یہ اندیشہ تھا کہ کہین باپ نہ جاگ اُٹھے اور رات کے ڈہائی بجے کونٹ سے دوچار ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ باوجودیکہ یہ خیالات تیزی سے ڈیو برگ کے دل مین موجزن تھے لیکن وہ قدم بڑہائے چلا جا رہا تھا اور جب وہ کونٹ کے محل کے قریب پہنچا تو سڑک کے دونون جانب گاڑیون کی قطارین دیکھکر متعجب ہو گیا جن کی قندیلین گلی مین دور دور تک روشنی ڈال رہی تھین۔ اس نے جلد جلد قدم بڑہائے اور دیکھا کہ گاڑیان کونٹ کے محل کے سامنے ہی کھڑی تھین۔ محل کے عالیشان دروازے

کھلے پڑے تھے اور صحن بھی گاڑیون سے بھرا ہوا تھا۔کوچبان آپس مین سرگوشیان کر رہے تھے اور خدمتگار اور نوکر چاکر اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر دوڑتے پھر رہے تھے گاڑیون کی قندیلین اور وہ چراغ جو مکان کی سیڑھیون کے دونون جانب روشن تھے رات کی تاریکی مین دن کا عالم پیدا کر رہے تھے اور باجون کی وہ پر ترنم آواز جو مکان مین سے گونج کر دور دور تک پہنچ رہی تھی اُس عالم سکوت مین نمایان تغیر پیدا کر دیتی تھی جو یہان سے تھوڑے فاصلے پر چارون طرف پھیلا ہوا تھا۔ڈیوبرگ تیز تیز قدم ڈالتے ہوئے یہان پہنچ گیا۔چراغون کا نظّارہ۔مہمانون کی گڑبڑ اور باجون کی سریلی آواز جو ناچ کے ساتھ بج رہے تھے ان سب چیزون نے مل کر اُس کے دل مین یہ خیالات پیدا کر دیئے جن کا اظہار وہ اس طرح کرنے لگا۔

"بیشک آج یہان محفلِ رقص منعقد ہے مین بھی کیسا احمق ہون کہ مجھے اِس بات کا مطلق خیال نہین رہا کہ آج جمعرات کا روز ہے اور اس روز کونٹ کے یہان پارس بھر مین سب سے زیادہ شاندار جلسہ منعقد ہوا کرتا ہے۔فریڈرک نے بھی کئی بار مجھے اس جلسہ کی دعوت دی تھی اور وہ یہ چاہتا تھا کہ اس موقع پر کونٹ سے میرا تعارف کرا دے لیکن جس طرح میری عادت ہے کہ پارس کے کسی جلسے کی دعوت مین شریک

نہین ہوتا اسی طرح اس جلسہ کی شرکت سے بھی باز رہا۔ آہ !۔ یہ سب کچہ میرے افلاس اور عسرت کی وجہ سے ہے۔ اب مین اپنی عادت کو ہرگز درست نہین کرسکتا اور قمار بازی کی لت مجہ سے نہین چھوٹ سکتی "۔

یہ خیالات کرتے ہوئے ڈیوبرگ محل کے صحن مین داخل ہوا اور گاڑیون خدمتگارون اور کوچبانون مین سے ہوکر گذرا لیکن کسی نے بھی اُس کی طرف توجہ نہین کی اگر اُس کا لباس اس جلسے مین شریک ہونیکے قابل ہوتا تو وہ مکان مین بیدھڑک داخل ہوجانے مین تامل نہ کرتا اور رقص و سرود کی محفل مین شریک ہوجاتا کیونکہ اُس کو اس بات کا مطلق خیال نہین تھا کہ مالک مکان اُسکی نسبت کچہ شبہہ کرے گا۔ ایسے بڑے جلسون مین اکثر یہ ہوا کرتا ہے کہ میزبان اپنے آدھے مہانون کو بھی مشکل سے پہچان سکتا ہے۔ ڈیوبرگ مکان کے احاطہ مین داخل ہوکر اُس کمرے کے دریچون کے قریب ٹھہر گیا جہان ناچ ہورہا تھا اور اس غرض سے کہ وہ سبکو دیکھ سکے لیکن کوئی اُس کو نہ دیکھے وہ ایک بڑی گاڑی کی آڑ مین کھڑا ہوگیا جس کے سایہ مین وہ کامل طور پر چھپا ہوا تھا ایک لمحے کے لئے اُس کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ ناچ کے کمرے مین داخل ہوجائے لیکن جب اُس نے اپنے کپڑون پر نظر ڈالی تو اُس کو یہ بات بالکل تہذیب کے خلاف معلوم ہوئی کہ ایسے

معمولی لباس سے کونٹ مانٹ ریول کے سامنے گذرے جو آداب مجلس
کا ہر طرح سے خیال رکھتا ہے۔ اس وقت ڈیوبرگ کے جسم مین ایک
بینل کی گنڈیون کا نیلا کوٹ تہا اُس نے کالر کی جگہ ایک سیاہ رومال
گردن کے اطراف لپیٹ لیا تہا اور بوٹ پہنے ہوئے تہا۔ یہ لباس
مس ڈلعن کے مکان مین تاش کھیلنے کے لئے موزون تہا لیکن ایک ذی ثروت
امیر کے شاندار جلسے مین شریک ہونے کے قابل نہین تہا۔ جب ڈیوبرگ
ناچ دیکھنے مین مصروف تہا اور لیڈیون کی طرف محبت بھری نگاہین ڈال
رہا تہا جن کی نظر اُن پر نہین پڑ سکتی تھی تو اُس نے دو معزز مہمانون کو تاش
کھیلنے کی میز کے قریب جاتے ہوئے دیکھا جو ایک کھلے ہوئے دریچے
کے قریب بازو کے کمرے مین دہری ہوئی تھی۔ فوراً ان مہمانون کے
اطراف چارون طرف سے لوگ آکر جمع ہو گئے جو کھیل مین بازی لگانکی
خواہش رکھتے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے میز اشرفیون سے بھر گئی کھیل کو
اچھی طرح دیکھنے کی غرض سے ڈیوبرگ اُس گاڑی کے پیچھے جڑھ گیا
جس کے سایہ مین وہ چھپا ہوا تہا اور اس طرح اُس کو ان لوگون کے ہاتھ
مین تاش کے پتے اچھی طرح دکھائی دے رہے تھے جو کھیلنے مین
ہمہ تن مصروف تھے۔ یہ دیکھکر ڈیوبرگ کے دل مین بھی ایک خواہش
پیدا ہوئی جس کا اظہار اس نے اس طرح کیا کہ یہ لوگ بھی کیسے خوش قسمت

ہین کہ جیسی بازی لگا کر کھیلنا چاہین کھیل سکتے ہین۔ آہا اب کھیل زور پکڑ رہا ہے دونون جانب سوا اشرفی کی ہار جیت سے کیا کم ہوگی۔ کاش اس وقت میری جیب مین وہ پانسو فرانک ہوتے جو میری چچی نے بھیجے تھے تو مین بھی یہان کوئی اچھی بازی لگاتا۔

مگر ہائین یہ مین کیا کہہ رہا ہون مین نے تو عہد کر لیا ہے کہ اب کبھی تاش کو ہاتھ نہین لگاؤن گا لیکن نہین توجہ سے اتفاقی غلطی ہو گئی تھی جو بازی ہاتھ سے جاتی رہی ورنہ کھیل کی رو سے میرے ہی پو بارہ تھے۔ اچھا اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ شخص کس طرح کھیل رہا ہے۔ آہا وہ تو ایک بڑی بازی لگانے کی فکر مین ہے" اس وقت ڈیوبرگ اس بات سے بالکل بے خبر ہو کر کہ وہ مکان کے صحن مین گاڑی کے پیچھے دبکا ہوا کھڑا ہے جس قدر زور سے ممکن تھا چلا اٹھا ہائین ہرگز بازی مت لگاؤ۔ یہ تم کیا کر رہے ہو کلب کیون نہین کھو لتے مین کہتا ہون کہ کلب کھیلو مین اس بات کا ذمہ دار ہون"

ڈیوبرگ کی آواز نے ان تمام لوگون کو جو کھیل مین مصروف تھے چونکا دیا وہ اسپے گرد وپیش دیکھنے لگے اور باہم دیگر سوالات کرنے لگے کہ کس شخص کی آواز ہے یہ ایک ترش رو بڈھے نے جواب بازی لگانا چاہتا ہے جو اس طرح سے مجھے مشورہ دینے کی جرأت کی ہے۔

مین جواب کا منتظر ہون" ایک نوجوان شخص نے جو دریچہ کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا کہنے لگا " یہ آواز صحن مین سے آتے ہوئے سُنائی دی" بڈھا شخص۔ کیا صحن مین سے آتے ہوئے سُنائی دی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ گستاخ کوچبان ہمارے کھیل کو دیکھ رہے ہین؟

جب یہ کہ چکا تو بڈھے نے اُٹھکر صحن مین دیکھنا شروع کیا۔ یہ دیکھکر ڈیوبرگ گاڑی پر سے کود گیا لیکن اُس ہچکولے سے جو اُس کے کودنے کی وجہ سے گاڑی کو پہنچا تھا گھوڑے بھڑک اُٹھے اور بے تحاشا صحن مین دوڑنے لگے بعض کوچبان جو سو رہے تھے یہ سمجھکر کہ جلسہ ختم ہو چکا ہے آنکھین ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے بعض جو باتون مین مصروف تھے اپنی نشست گاہ پر چڑھنے کیلئے دوڑے اور وہ لوگ جو راستہ مین کھڑے ہوئے تھے صحن کی طرف بھاگے اسی اثنا مین اُس گاڑی کے کوچبان کو جس پر سے ڈیوبرگ کودا تھا اپنے گھوڑون کو سنبھالنے مین بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ ڈیوبرگ اس ہنگامے کو دیکھکر جس کا باعث وہی مکان کے بازو کے حصّے مین یہ بڑبڑاتے ہوئے وبک گیا " افسوس میری قسمت مین یہی لکھا ہے کہ جہان کہین جاؤن شورش ہی پیدا ہو یہان تین سے زیادہ کوچبان اور تقریباً اتنے ہی نوکر دوڑے پھر رہے ہین جو خوب ہی میری خبر لے سکتے ہین۔ خدا نے خیر کی کہ مین گھوڑون کے پانون تلے دب جانے سے بال بال

بچگیا ورنہ ہڈی پسلی چور چور ہو جاتی ۔ یہ سب کچھ صرف اُس نیکی کا صلہ ہے
کہ مین نے ازراہِ انسانیت اُس فرتوت بڈھے کو غلطی سے آگاہ کرکے
ایک بھاری نقصان سے بچانا چاہتا تھا اب مجھے کافی نصیحت ہوچکی
ہے کہ کسی کے معاملات مین دخل نہ دون ؎

اس وقت ڈیوبرگ اُس کمرے کے دروازے پر پہنچا جس مین سے
کئی ایک نوکر اس ہنگامے کی وجہ دریافت کرنے کی غرض سے نکل رہے
تھے تقریباً تمام نوکر ڈیوبرگ کی طرف لپکے مگر خیر یہ ہوئی کہ انہین فریڈرک
کا نوکر بھی شریک تہا جو ڈیوبرگ کو اچھی طرح جانتا تہا ۔ اس خدمتگار کو
دیکھتے ہی ڈیوبرگ کی جان مین جان آگئی اور اُس سے فوراً یہ سوال
کیا "جرمین تمہارا آقا کہان ہے؟"

یہ خدمتگار جس نے ڈیوبرگ کو اکثر فریڈرک کے پاس دیکھا تہا پہچانکر
جواب دیا "اہا صاحب کیا آپ ہین؟ ناچ کے کمرے مین کیون نہین
تشریف لے چلتے ؟"

ڈیوبرگ "جرمین ! مین اس وقت ناچ مین شریک ہونا نہین چاہتا
صرف یہ بتاؤ کہ تمہارا آقا کہان ہے؟"

نوکر "ایم فریڈرک ناچ کے کمرے مین تشریف رکھتے ہین"
ڈیوبرگ "مجھے اس وقت اُس سے ملنے کی سخت ضرورت ہے

کوئی ایسی ہی اہم بات کہنی ہے جو اس وقت مین اس سے ملنا چاہتا ہون لیکن نہین جب وہ ناچ کے کمرے مین ہے تو مین اُس کی خوشی مین مخل ہونا نہین چاہتا اور نہ خود وہان جانا چاہتا ہون کیونکہ میرے کپڑے اس قابل نہین ہین "

نوکر " صاحب! اگر آپ ایم فریڈرک کا اس وقت تک انتظار کرنا چاہتے ہین کہ وہ جلسے سے واپس آجائین تو چلیے مین آپ کو اُنکے کمرے مین لے چلتا ہون "

ڈیوبرگ " اس سے بہتر کیا بات ہے ۔ فوراً مجھے اپنے آقا کے کمرے مین لیچلو "

جرمین نے ایک قندیل لے لی اور ڈیوبرگ کو فریڈرک کے کمرے کی طرف لیچلا جو یہان سے کسی قدر فاصلہ پر واقع تھا ۔ ڈیوبرگ اس طرح چند گھنٹے استراحت پا لینے کا موقع حاصل کرکے نہایت خوش ہوا اور خدمتگار نے بھی یہ خیال کرکے کہ وہ فریڈرک کا بے تکلف دوست ہے اُسکو کمرے مین لیجانے مین کسی قسم کا پس وپیش نہین کیا ۔

خدمتگار " (موم بتی کو میز پر رکھکر) صاحب کیا مین ایم فریڈرک کو آپکے تشریف لانے کی اطلاع کرسکتا ہون "

ڈیوبرگ " نہین یہ مناسب نہین ہے اُس کے آنے تک مین کسی کتاب

کے مطالعہ سے دل بہلاؤن گا جبتک اُس کا جی چاہے ناچ مین شریک ہے
مجھے کچھ ایسی جلدی نہین پڑی ہے ؎

فریڈرک نے نوکر کے چلے جانے کے بعد نہایت آرام سے ایک نرم و ملائم استراحت
کی کرسی پر لیٹکر کہا ؎ بھاڑ مین جائے کتاب۔ اب نیند مین جی لگانیکا وقت ہے
اُس شخص کیلئے یہ نرم نرم بچھونا اور یہ ٹھنڈی ٹھنڈی کافوری روشنی کیسی راحت بخش ہے
جسکی قسمت مین سڑک پر پڑا رہنا تھا۔ مجھے اپنی تقدیر پر ناز ہے کہ ایک ذی مرتبت امیر
کے محل مین فروکش ہون جس کی سالانہ آمدنی بتیس ہزار فرانک ہے۔ یہ
اور بھی خوشی کی بات ہے کہ اُس کی کل دولت کا مالک اک اکلوتا بیٹا ہے
جو میرا جانی دوست ہے۔

اس لڑکے کو تعلیم تو دی گئی ہے مگر ناقص۔ نسانی فلسفہ کا ایک لفظ بھی
وہ نہین جانتا اور جنس آناث کی فطرت سے تو محض ناواقف ہے چونکہ مین ان
فنون مین مہارت تامہ رکھتا ہون مجھے اس بات کی کوشش کرنا چاہیے کہ فریڈرک
کو ان تمام باتون سے ماہر کردون ؎ اسی طرح کے خیالات پکاتے ہوئے
ڈیوبرگ رفتہ رفتہ اونگھتے ہوئے آرام کرسی پر لیٹنے کے پانچ منٹ بعد گہری
نیند کے مزے لینے لگا۔

باقی آئندہ

سید الہ بخش

غزلیات سرکار مهاراجه بهادر یمین السلطنت دام اقباله

عاشقانرا خوش بود سر در گریبان داشتن — چشم دل بر جلوه‌های حسن جانان داشتن

عاشق شوریده از آرایش تن بگذرد — عزتش باشد همین صد پاره دامان داشتن

دل ز نور ذات پاکش گر کند کسب فروغ — زیبدش انوار چون خورشید رخشان داشتن

رنگ زرد و ناله بر لب درد در دل چشم تر — اینهمه باید بکام عشق سامان داشتن

در هوای خویش شاید آفتاب حسن را — عاشق شوریده را چون ذره رقصان داشتن

عاشقانرا این نشان‌ها باید اندر راه عشق — دل تپان سینه بریان چشم گریان داشتن

ذاتش از فرط خفا باشد نشانمند ظهور — واجب آمد دیده ور را چشم ایقان داشتن

نیست مشکل شاد چون مهر سخن شو پرتو افگن
دل ز نور او چو خورشید درخشان داشتن

بجز از ذات خدا کون و مکان چیزی نیست — چه زمان و چه مکان و چه جهان چیزی نیست

هوس کوثر و حوران نکنم ای زاهد — بیش این ساغر و می عیش جنان چیزی نیست

بیخبر وز است جهان باده بده ای ساقی — که غم دهر و غم عمر روان چیزی نیست

خوگر درد و غم و دل لذت عشقش دارد — کوشش چاره گر از نهان چیزی نیست

عشرت وصل تو ای یار حیات ابدیست — آنند یم جز آنها در دو جهان چیزی نیست

مکن اندیشہ زننگ و بد دنیا در دل　　بگزر از جملہ جہان گذران چیزی نیست

مے خور و چنگ زن و رقص بمستی کن شاد

بیش ندان غم و اندوہ جہان چیزی نیست

چہ گویمت کہ شب غم چہ کار خواہم کرد　　براہ آمدنت انتظار خواہم کرد

زننگ خویش دریچہ فکر این و آن بیچیم　　چو جمع نیست دل من چہ کار خواہم کرد

قدم چو رنجہ نماید شبے بمنزل من　　زجان نثار سر راہ یار خواہم کرد

بعہد فصل بہاری زنجبہ وحشت　　زجیب دامن خود تار تار خواہم کرد

ببر کشم چو شبے آن غزال رعنا را　　ببوے طرہ نفس مشکبار خواہم کرد

بیار بادہ کہ امشب ضیافت مستان　　بہ خیر مقدم آن گلعذار خواہم کرد

بقول حافظ شیراز شادی خواہم

طریق رندی و عشق اختیار خواہم کرد

غزل جناب سید محمد علی صاحب مضطر دہلوی

دل کو لایا ہون اُسکی محفل سے　　کس مصیبت سے کیسی مشکل سے

کوئی پوچھے ذرا یہ قاتل سے　　اُف بھی نکلی زبان بسمل سے

اس کی تصدیق کر رہی ہے نگہ　　میری الفت ہے اُسکو دل سے

ٹھہرتا ہے کوئی ہزارون مین　　چوٹ چلتی ہے جب مقابل سے

سختیِ ہجر غیر کیا جانے | آپ پوچھین یہ اپنے مائل سے
اے دل اُسکا وصال مشکل ہے | باز آ اس خیال باطل سے
ہمنے کی اختیار خاموشی | جب بڑی بات آکے جاہل سے
قیس نظارے سے ہوشا ویگ | دیکھے لیلی کبھی جو محمل سے
چلدئے رکھکے قبر مین احباب | چھٹگیا ساتھ پہلی منزل سے
ہمنے فقرون کی وہ ہوا باندھی | کہ اُڑا لائے اُس کو محفل سے
شیخ نے میکدے مین جا کر آج | کی ملاقات پیر کامل سے
ہم سے بھی ہون گی اُنکی چار آنکھین | آئینہ تو ہے مقابل سے
جلتے پرزے ہو تم بھی آفت ہو | گھڑتے ہو اک نہ اک نئی دل سے
گالیان دین سوال بوسے پر | ہے یہ اچھا سلوک سائل سے
گالیان ہون مگر دیا اُسے دل | ہو ہی جاتی ہے چوک عاقل سے
آپ کا گھر ہے آپ کا مین ہون | رہئے آنکھون مین آئیے دل سے
تمکو راحت ہو جس مین وہ تکلیف | مجھکو منظور ہے بتہ دل سے
وان سے اس طرح نامراد آیا | پیاسا واپس ہو جیسے ساحل سے

داد دیگا کمال کی مضطر
ہے یہ امید شاہ عادل سے



غزل جناب عبدالکریم خان صاحب صبر دہلوی

اُن کی جب تیغ آزمائی ہوئی — اپنی اور غیر کی صفائی ہوئی
زرد رنگ آنکھ ڈبڈبائی ہوئی — ہے طبیعت اُسی پہ آئی ہوئی
عالم نزع میں جو آیا تو — پھر گئی موت میری آئی ہوئی
بات کہنا تو سوچکر کہنا — مُنہ سے جو نکلی وہ پرائی ہوئی
وہ مجھے پوچھیں جھوٹ ہے قاصد — یہ تو ہے بات سی بنائی ہوئی
حق کہیں گے کسی کا کیا اِس میں — کیا یہ منصور کی خدائی ہوئی

وصل اس کا محال ہے اے صبر
مدتوں قسمت آزمائی ہوئی

غزل جناب محمد عبدالرحیم صاحب المتخلص بہ شیخ ڈریسر ڈاکٹر خانہ علاقہ سرمہاراجہ بہادر مدین السلطنة

میرے حالِ زار پر کچھ ترس کھانا چاہیئے — آپ تو آتے نہیں مجکو بلانا چاہیئے

وصل کی دولت سے کوئی شاد کوئی ناصرلو | حسن کا صدقہ تمہین یکسان لٹانا چاہیے
غیر ہے اب حال میرا یا محمد مصطفےٰ | اپنے بیمار محبت کو جلانا چاہیئے
کیا غضب ہی راہ پر آنے نہین دیتا مجھے | اب مجھے اس نفس شیطان سے بچانا چاہیئے
آرزو یہ ہی کہ دیکھو مین سکے بیت اللہ کو | بعد اُسکے روضۂ اقدس دکھانا چاہیئے
حسرتین نظّارہ کی لکھین آرزو بیچین ہے | جب سمائے آنکھ مین تو دلمین آنا چاہیئے

شیخ اُفتادہ ہو تنہا قبر مین جب یا رسول
دستگیری کے لئے تشریف لانا چاہیئے

غزل جناب عبدالعظیم خانصاحب المتخلص بیان دہلوی

دیر و کعبہ مین ہی کیا دیوار سنگ و خشت ہے | جلوۂ جانان کہان دیوار سنگ و خشت ہے
تیرے دیوانے نہ پھوڑین سر تو آخر کیا کرین | ہر گھڑی پیش نظر دیوار سنگ و خشت ہے
توڑنی ہی سنگدل کس دل شکستہ کی امید | بات مین سختی ہی یا انبار سنگ و خشت ہے
جسکو دیکھو سنگدل باتین سنو جسکی وہ سخت | کسقدر دنیا مین کاروبار سنگ و خشت ہے
سجدۂ عشاق ہی سوئے جمال دیر و دوست | سجدۂ زاہد سو دیوار سنگ و خشت ہے
تو بھلا اللہ کے دیدار کے قابل کہان | تیرا حج زاہد پئے دیدار سنگ و خشت ہے
تیرے سے دیوانہ پہ بھی پھر بار جاتا ہے جدھر | کسقدر گرم آجکل بازار سنگ و خشت ہے
جلوۂ جانان کسی صورت نظر آتا نہین | آنکھ کا پردہ ہی یا دیوار سنگ و خشت ہے

دیکھو اس معمورہ ہستی کی ویرانی بیان جو جگہ کھودی وہین آثار سنگ وخشت ہے

رباعی

بندے تو ہین ان گنت مگر نیک نہین اللہ کی دل مین ایک کے ٹیک نہین
دعویٰ ہو کسیکو تو بتائے مجھکو میرے نزدیک فی صدی ایک نہین

ایضاً

زاہد ہین تو کیا۔ صاحبِ ایمان تو نہین حافظ ہین تو ہون۔ عاملِ قرآن تو نہین
اخلاق بھی ہین دیکھنے مین نیک بھی ہین سب کچھ ہین ہم افسوس مسلمان تو نہین

مناجات بدرگاہ سرور کائنات

از جناب قاضی بشیر الدین احمد صاحب حسامی

یا رسول اللہ گنہگارم نظر بر حالِ زار رحمۃ للعالمینی شافع روزِ شمار
ای قرارِ بے قرارے ای شکیبِ ناشکیب ای شکیبِ ناشکیبے اے قرارِ بیقرار
ارمغانِ خدمتِ عالی بغیر از جرم نیست زین سبب ہستم ندامت دار ہم و شرمسار
پاکبازان بر امیدِ مایہ حسنِ عمل من بامیدِ کرمہائے توام امیدوار

چند ضروری قواعد

(۱) یہ رسالہ ترک عثمانیہ بسرپرستی عالیجناب معلی القاب ہنر اکسلنسی مہاراجہ راجایان راجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی المتخلص بہ شاد تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمہ ہر ماہ ہلال کے ہفتہ اولی میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) عام رسالوں کی طرح اسکی سالانہ قیمت مختلف تعداد میں نہیں رکھی گئی ہے کہ عام امراء و روساء و والیان ملک سے علی قدر مراتب لیجائیگی بلکہ مذاق علمی میں آسانی و اضافہ کرنیکے لیے ایک قیمت رکھی گئی ہے یعنی دو روپیہ سالانہ علمی انجمنوں اور لائبریریوں کو منجانب سرکار مہاراجہ بہادر اور مضامین نگاروں کو منجانب مہتمم مفت دیا جائے گا۔

(۳) جواب طلب امور کے لیے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیے ورنہ جواب نہ بھیجنے کی شکایت معاف۔

(۴) اگر کوئی صاحب از راہ عنایت اپنا کلام بھیجنا چاہیں تو اپنے نام و مقام کے پتے کے ساتھ ماہ ہلالی کی ۱۵ تاریخ تک خوشخط لکھکر بھیجیں۔
اخلاقی تاریخی تمدنی مضامین ہوں مذہبی مباحث یا پولیٹیکل مضامین بھیجنے کی زحمت نہ فرمائیں جس مضمون کا طبع کرنا مناسب سمجھا جائیگا وہ طبع ہوگا نہ واپس۔

(۵) جملہ خط و کتابت وغیرہ بنام مہتمم یا ایڈیٹر رسالہ ترک عثمانیہ ہونی چاہیے۔

مہتمم

١

تزک عثمانیہ

انتیسویں سالگرہ مبارک اعلیحضرت قدر قدرت جہان پناہ ظل سبحانی
نظام الملک آصفجاہ نواب میر عثمان علیخان بہادر جی سی ایس آئی فرمانروائے ملک دکن کی

مبارک یادگار میں

بسرپرستی عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت
جی سی آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی
تلمیذ حضرت آصف غفرانمکان

محبوب پریس علاقہ پیشکاری سے شائع ہوا

فہرست مضامین تزک عثمانیہ جلد (۲) نمبر (۳)

۷۸۶

علم یا سائنس

صنعت کوئی اِس جسم سے بہتر کیا ہے ۔۔۔ طاقت دل کے پُور سے بڑھکر کیا ہے
ہی خانہ بے چراغ قابل یہ دماغ ۔۔۔ نور اسکے لئے علم (قوت ارادی) سے خوشتر کیا ہے

یہ ہمارا چھوٹا سا جسم جو باعتبار قد و قامت کوئی پانچ چھ فیٹ کا ہوگا۔ ایک نکمی سی ہستی ہی۔ جسے ہمنے اپنی نا قدر شناسی کے ہاتھون اور بھی نکما بنا رکھا ہے صدیان گذر گیئین (علم تشریح جسم انسانی کی تحقیقات بیچاری بوڑھی ہونے کو آئی مگر آئے دن اس ناچیز جسم کے اندر قدرت کی حیرت انگیز صناعیون کی ایک آدھ ایسی انوکھی جھلک نمودار ہو جایا کرتی ہے کہ بیچارے ماہرین "فزیالوجی" کی تحقیقات کا قافیہ تنگ ہوئے بغیر نہین رہتا۔

اگر ہم قدرت کی حیرت افزا صناعیون اور سائنس کی عجیب وغریب تحقیقاتون کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کردین تو بھی کوئی سمجھدار آدمی اپنے روزمرہ کے مشاہدے اور تجربے کی بنا پر اس سے انکار نہین کرسکتا کہ یہ جسم بے شمار مفید کل پُرزون کا مجموعہ ہے۔

بظاہر اس جسم مین دو قسم کے کل پُرزے کام کر رہے ہین۔

(۱) قوائے احساسی اور (۲) قوائے افعالی سب سے پہلے آنکھ کو لیجئے جو قوائے احساسی مین سب سے بہتر اور برتر تسلیم کی گئی ہے۔ کس قدر مفید شئے ہے اور کہان کہان کی خبر دیتی ہے۔ مثلاً آسمان پر گھٹا ٹوپ ابر چھایا ہوا نظر آیا۔ ہوش کے طوطے اُڑنے لگے۔ بھاگ پڑے مچ گئی۔ آخر کہین سر چھپا لیا۔ قیمتی سامان محفوظ کر دیا۔ لیجئے جان و مال کا خطرہ جاتا رہا۔

اگر آنکھ نہ ہوتی ہمین کیا معلوم ہو سکتا کہ بدقسمتی نے ہمین کسی خونخوار درندے کے روبرو پیش کر دیا ہے تاکہ وہ ہمین آسانی سے ناشتہ کر سکے۔ یا کسی گہری جھیل کے کنارے ہم غرقاب ہونے کے لئے جا پہنچے ہین۔

یہی حال کان کا ہے جو آنکھ سے دوسرے نمبر پر ہے۔ ایک کڑاکے کی آواز آئی جلدی سے ایک طرف ہٹ گئے۔ اُفوہ اگر ذرا چوک ہو جاتی گھوڑے کی ٹاپون نے کچل ہی دیا ہوتا۔

ایک دلکش آواز آئی گویا کسی نے پاؤن جکڑ دئے۔ خدا کی قسم کتنی سُریلی تان تھی۔ کان بھی کیا چیز ہے۔ اب ناک کی طرف دیکھئے۔ چپراسی! آج یہ بدبو کیسی آرہی ہے۔ دماغ پھٹا جاتا ہے۔ کہین چوہا تو نہ سڑ گیا ہو۔ دیکھو اسے فوراً صاف کرو۔ ذرا فنائل چھڑکو۔ عود کا فور جلاؤ اور وسینٹ کی شیشی بھی لیتے آنا۔ دیکھئے ناک نے ایک خطرے سے بچا دیا۔ خدا جانے کمبخت چوہا کیا آفت ڈھاتا۔

اسی طرح ذائقہ اور لامسہ اپنی اپنی موافق اور مخالف اشیاء کیلئے رغبت اور نفرت کی معیادین ہین اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جس قدر بھی قوائے احساسی ہین ہمارے لئے بیحد سودمند اور فائدہ رسان ہین۔

اب قوائے افعالی کے کرتوت ملاحظہ کیجئے۔ گھر مین ذرا غیر معمولی کھٹکا ہوا فوراً بیدار اُٹھے "چور چور" سے محلے والے جمع ہوگئے۔ کیون بھئی خیریت؟ "جی ہان ذرا یونہین شبہ ہوگیا تھا"۔ ایک مچھر نے پیشانی پر کاٹا۔ اس زور سے ہاتھ مارا کہ اگر اُڑ نہ گیا ہوتا تو بیچارے غریب جانور کا کچومر نکل جاتا۔ یہی حال بقیہ قوائے افعالی کا ہے مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سب جتنے بھی قوائے افعالی ہین قوائے احساسی کے ماتحت ہوتے ہین۔ کیونکہ جب تک آنکھ دیکھتی نہین یا کان سنتے نہین۔ ہاتھ اور پانون خطرے سے بچ نکلنے کی کوشش نہین کرتے اور نہ کرسکتے ہین۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو بات اتنی ہی نہین ہے۔

ایک جج اپنے اجلاس پر ایک اہم مثل کا معاینہ کررہا ہے دفعتاً اُس نے سر اُٹھایا مگر کسی گہری سوچ مین ڈوبا ہوا ہے۔ بیسیون آدمی اجلاس کے کمرے مین موجود ہین مگر جج کسی ایک کو بھی نہین دیکھتا۔

ایک جنٹلمین اپنے ریڈنگ روم مین کسی کتاب کا مطالعہ گہری دلچسپی کے ساتھ کررہا تھا۔ خدمتگار آیا۔ سرکار کھانا تیار ہے۔ مگر جنٹلمین ایک نہین سنتا۔

یہ واقعات کوئی من گھڑت نہین ہین بلکہ اکثر ہمارے اپنے تجربے مین آئے ہون گے کہ آنکھ کھُلی ہوئی ہے مگر دیکھتی نہین۔ کانون مین روی نہین ہے مگر سُنتے نہین لیکن ذرا دیر مین جج اپنے کمرے کے آدمیون کو پھر دیکھنے لگتا اور جنٹلمین پکار اُٹھتا ہے۔ آدمی! کھانا تیار ہوا؟

ان واقعات کی بنا پر ہمین تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہماری دونون قوتین "افعالی اور احساسی" ایک تیسری قوت کے ماتحت ہین جس کو متخیلہ کہتے ہین۔

علما ہند نے انسانی جسم کو ایک گاڑی سے تشبیہ دی ہے جس مین دسؔ گھوڑے جُتے ہین اور وہ دسؔ گھوڑے کون ہین۔؟ یہی پانچ احساسی اور پانچ افعالی قوتین۔

اس گاڑی کا کوچبین قوت متخیلہ ہے۔

ہم اس سے ناواقف نہین ہین کہ گھوڑون کی آنکھون پر اندھیری لگی ہوئی ہے اور اُن کا چلنا پھرنا بہت کچھ کوچبین کی مرضی پر منحصر ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ناشائستہ گھوڑا ایک لائق کوچبین کے حسن تدبیر سے شائستہ بن جاتا ہے۔ مگر شائستہ سے شائستہ گھوڑا ایک نالایق کوچبین کے ہاتھ مین ہمیشہ خطرناک ہی ثابت ہوگا۔ اسلئے اگر کوچبین شائستہ اور شراب کے نشہ مین مخمور بھی نہین ہے تو یقین ہے کہ گاڑی بخیریت منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گی ورنہ بیچارے بے بس گھوڑون کو الزام مت لگانا۔ یہ ضرور کسی غار مین لے گرینگے

یا کسی پہاڑ سے ٹکرا کر گاڑی کا خاتمہ کر دینگے ۔

چٹوری زبان دولت کا زیان کرتی ہے حسن پرست آنکھ زندگیان تباہ کر دیتی ہے اِس مین کوئی شک نہین مگر غور تو کیجئے اس مین بیچاری زبان اور آنکھ کا کیا قصور؟ آنکھ پھوڑ دیجئے ۔ زبان قطع کر ڈالئے کیا خواہشون کا خاتمہ ہو جائے گا ۔؟ "ہرگز نہین" قصور تو اس کمبخت دل کا ہے اسلئے ضرورت ہے کہ سب سے پہلے دل ہی کو شائستہ بنایا جائے ۔

کہتے ہین کہ ایک شریف آدمی بیچارہ مفلس تھا کسی نے اُس سے کہا اگر آپ فارغ البالی چاہتے ہین تو تسخیر جنات کی کوشش کیجئے اہل الغرض مجنون بیچارے نے تسخیر کا عمل شروع کر دیا ۔ ایک دن ایک خوفناک صورت اُس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور کہنے لگی کہ جناب مین آپ کا تابع فرمان ہون ۔ مگر ایک شرط قبول کر لیجئے ۔ کیا شرط؟ شرط یہ کہ مجھ سے ہر وقت کام لیتے رہنا ورنہ آپکی خیر نہین "

"اُہ وہ کتنی سی بات ہے مین تو تم جیسے دس ابن سے کام لے سکتا ہون اچھا فی الحال یہان ایک عمدہ محل تو تیار کر دو" پانچ منٹ نہ گزرے تھے کہ محل تیار ہو گیا اور ایسا خوبصورت کہ طبیعت پھڑک گئی ۔ اچھا اِس مین اعلیٰ درجے کا فرنیچر ۔؟ "بہت خوب" محل سجا دیا گیا ۔ اچھا ایک دس ابن لاکھ اشرفیون کی ضرورت ہے ۔ فوراً موجود تھا اور فرمایا ۔ "اچھا یہ کہو وہ کر دو"

یہ سب اور وہ سب ہوگیا" اب تو فی الحال کوئی کام یاد نہین آتا"
"اوب مجھے آپ کی گردن وابنا تو یاد ہے" یہ کہتے ہوئے جن نے ہاتھ
بڑھاکر گردن ناپنا چاہا اور بیچارہ عامل دُم دبا کر بھاگا۔

اتفاقاً مُرشد صاحب اپنے مُرید کی خیریت پُرسی کے لئے آرہے تھے
راستہ مین ملاقات ہوگئی۔

حضرت! خدا کے واسطے جان بچائیے۔ مُرشد نے سب واقعہ سُن کر
کہا اچھا اس جن سے کہو کہ اس درخت پر اُس وقت تک چڑھا اُترا کرے
جبتک ہم کسی کام کی فرمایش کرین۔

بات ذرا سی تھی جن صاحب کے لئے کافی سے زیادہ کام ہوگیا اور بیچارے
غریب عامل کی جان بھی بچ گئی۔

یہ جن درحقیقت ہمارا اپنا ہی دل ہے۔ اگر یہ چاہے تو پھر دنیا مین ایسا
ایک بھی کام نہین ہے جو مشکل ہو اور اگر یہ نہ چاہے تو پھر سہل سے سہل کام بھی
مشکل بات بن جاتا ہے ؎

مشکل ز توجہ تو آسان
آسان ز تغافل تو مشکل

ایک انسان کو فرشتون سے اعلیٰ تر بنانا اور دوسرے کو حیوان
مطلق سے بدتر کردینا یہ اس دل کے بائین ہاتھ کا کرتب ہے اس لئے ضرورت

ہے کہ اس دل کے کندۂ ناتراشیدہ کو سب سے پہلے خراط پر چڑھایا جاوے۔

یہ دل کس طرح شائستہ بن سکتا ہے۔؟

پھر اُسی گاڑی کا خیال کیجئے۔ ذرا دیکھئے تو سہی اس گاڑی مین ہے کون۔ ایک امیر آدمی گاڑی مین سوار ہے۔ بیچارہ نیک اور شریف النفس اس کا نام ہے روح۔ اس کے سامنے ایک اور آدمی بیٹھا ہے جس کا نام عقل ہے اور یہ اُس کا مشیر ہے۔

امیر آدمی کو اثنائے سفر مین بھوک پیاس لگنا ایک یقینی امر ہے اور مختلف ضروریات بھی پیش آئین گے۔ اس مین شک نہین کہ جا بجا پانی کی نہرین اور کنوئین موجود ہین مختلف قسم کی غذائین پھل اور پھول کھانے کو مل سکتے ہین اور رفع ضروریات کے لئے ہر قسم کا سامان بھی کثرت سے مہیا ہے۔ مگر بعض مقامات کا پانی ایسا مضر ہوتا ہے کہ مسافر پیتے ہی بیمار ہو جاتا ہے بعض اشیار زہریلی ہوتی ہین۔ بعض مقامات خصوصیت کے ساتھ خطرناک ہوتے ہین جہان ٹھگ مسافرون کو لوٹ لیتے ہین۔

بیچارہ امیر آدمی ان باتون سے کیا واقف۔ اس لئے قدرت نے اُسکے ساتھ ایک لائق مشیر لگا رکھا ہے۔ اگر مشیر ہوشیار لائق شریف اور ایماندار ہے تو یقین ہے کہ امیر آدمی کا بیڑا پار ہو جائے گا۔ ورنہ بصورت دیگر امیر آدمی

کی تباہی کا یقینی اندیشہ ہے۔

مشیر کا صرف یہی فرض نہین ہے کہ امیر آدمی کو خورونوش کی مضرات اور ٹھگون کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے بلکہ اُس کا یہ کام بھی ہے کہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ کوچمین کو راستہ کے متعلق ہدایت کرتا رہے۔ کیونکہ اگر ذرا بھی غلطی ہو گئی تو اُس کا کفارہ روز بروز دشوار ہوتا جائیگا۔

مثلاً اس وقت ایک گاڑی چار مینار کے پاس جا رہی ہے وہ اسٹیشن جانے والی ہے مناسب تھا کہ چار کمان سے سیدھی افضل گنج کی طرف چلائی جاتی مگر کوچمین شرارت یا غلطی سے اُس کو شاہ علی بنڈے کی طرف ہانکتا ہے تو یقین مانئے کہ جتنے قدم بھی وہ چلے گی اسٹیشن سے دور ہی ہوتی جائے گی۔ خوب تیز دوڑائیے اور فاصلہ بڑھتا جائیگا۔

• عقلمند مشیر ہمیشہ اِس تاک مین لگا رہنا چاہیے کہ گاڑی کا رخ کس طرف پھر رہا ہے۔ ذرا غلطی ہوتے دیکھی نہین کہ فوراً کوچمین کو ایک ڈانٹ بتلادی پھر مجال ہے کہ گاڑی بجائے اسٹیشن کے فلک نما پہنچے۔

مگر یہ کمبخت دل کا کوچمین بعض وقت مخمور ہو جاتا ہے مشیرِ عقل ہرچند سر پٹکتا ہے مگر وہ اپنی ہی کیے جاتا ہے اِس وقت فتح اور شکست امیر آدمی کے ہاتھ مین ہے اگر امیر آدمی نے اپنے مشیر کی آواز سُن لی تو بہتر ورنہ آگے چل کر جو کچھ پیش آئے گا اُس کی نسبت یہی کہنا پڑے گا کہ ع۔

بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہین جاتی

ایک ساہوکار کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی دکان پر بیٹھا کچھ شیخ چلیون کے جیسے خیالات پکا رہا تھا کیونکہ دنیا مین قناعت اکا نام عنقا ہے اور خصوصاً کاروباری آدمی کے لئے قناعت کا مرض مہلک بتلایا جاتا ہے۔

اس وقت ایک آدمی اُس کے پاس آتا ہے جس کی نسبت ساہوکار کو یقین تھا کہ کوئی شریف اور دیانتدار آدمی نہین ہے بلکہ چلتا پُرزہ اور خودغرضیون کے اندر گھُلا ہوا ہے مگر اُس نے آتے ہی ایک چلتا فقرہ چُست کیا۔ "اُرے میان یہ تم خاک تجارت کر رہے ہو خدا کی قسم اگر یہی تجارت آج میرے ہاتھ مین ہوتی تو یون آناً فاناً لکھ پتی کروڑ پتی بن جاتا"

این! قسمت سے زیادہ بھی کچھ مِل سکتا ہے۔؟

توبہ توبہ اجی قسمت کا ڈھکوسلا تو بیوقوفون کے لغت مین ہوتا ہے بھلا چند روز کے لئے مجھے اپنی دکان کا منیب تو بنا دو پھر دیکھو کہ کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔

ساہوکار نے کہا بھائی مین نے تو تجارت بڑی عقلمندی سے کی ہے عموماً ہر کام مین اپنی ذاتی نگرانی رکھتا ہون اور مجرب اقوال کے موافق

ہمیشہ شریف آدمیوں سے معاملہ کیا کرتا ہون تم اس سے زیادہ اور کیا کروگے۔؟

اُس نے جواب دیا کہ شرافت اور لیاقت کچھ اور چیز ہے تجارت کا قانون ہی علحدہ ہے اس کے لئے تو چالاک آدمی ہونا چاہیئے۔ دیکھو مین نے فلان معاملہ مین ہزار روپیہ یون آناً فاناً پیدا کرلیا۔ موقع پڑ جائے تو بے ایمانی بھی کرگزرتا ہون۔

بے ایمانی! اُفوہ! ساہوکار کانپ گیا۔

چالاک آدمی کہتا ہے اجی ذرا آنکھ کھول کے دیکھو تو یہی یہ سب جتنے لکھ پتی کروڑپتی ساہو نظر آتے ہین۔ ان مین سے کوئی ایک آدھ ایمانداری سے بنا ہوگا ورنہ سب کے سب........

اب تو ساہوکار بھی کچھ ڈھل مل یقین سا ہونے لگتا ہے استنے مین ایک فقیر آواز دیتا ہے۔ "یہ دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے۔ مسافر خبردار۔ یہان ٹھگ بہت ہین"

ہاین یہ کوئی غیبی آواز تو نہین ہے؟ ساہوکار چونک پڑا۔ ممکن ہے کہ چالاکی کا وار مجھپر ہی چلایا جائے۔ ہان جی چالاک ہی تو ٹھہرے۔ اُسکے چہرے پر تبدیلی خیالات کے آثار نمایان ہونے لگتے ہین۔

چالاک آدمی فوراً تاڑ جاتا ہے۔ "اوہ اس ضعیف الاعتقادی کا تو علاج

نہین ہے سیٹھ جی! بھلا وہ نوبت کچھ دیکھ چکے ہو چند روز یہ بھی دیکھ لو نا"؟ ع۔

بد وزد طمع دیدۂ ہوشمند

ساہوکار طوعاً و کرہاً رضامند ہی نہین ہو جاتا بلکہ اُسے اپنی دُکان کا مختار بنا دیتا ہے۔

سیٹھ جی! تمہاری دُکان کے گماشتے تو بالکل بیوقوف ہین۔ آخاہ اب سمجھ مین آگیا کہ یہ ابتری کیون تھی۔ اچھا ان سب کو نکال دو۔ سب کارخانہ نیا ہو جاتا ہے "نیا دانہ نیا پانی اور پھر بیج کھیت مین"

چالاک آدمی ابتدا ئً کچھ ایسی ہاتھ کی صفائی بتاتا ہے جس سے ساہوکار دنگ ہو جاتا اور یقین کرنے لگتا ہے کہ اُس کے اچھے دن آ گئے۔ مگر رفتہ رفتہ چالاک آدمی اُسے ننانوے (۹۹) کے چکر مین ڈالدیتا اور خوب ہی ہاتھ رنگنے لگتا ہے۔ آہ بیچارہ بھولا ساہوکار "ٹیڑھی کھیر نہ کھا سکتا نہ اُگل سکتا ہے" وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے مگر مایوسی کے سوا کوئی یار و مددگار نظر نہین آتا ؎

آگے کے دن پاچھے گئے ہر سے کیو نہ ہیت
اب پچتائے کا ہوت ہے چڑیان چگ گئین کھیت

نتیجہ یہ کہ چند روز مین ساہوکار تباہ ہو گیا اور بیچاری قسمت کا نام مُفت

بدنام ہوا۔

یہ نظیر اُس شخص کی ہے جو دیدہ و دانستہ اصول عقلی کے مقابلے مین دل کے وسوسون کو ترجیح دیتا ہے۔

جب ہم یہ جانتے ہین کہ ہماری قوت افعالی قوت احساسی کی ماتحت ہے جب ہم یہ بھی جانتے ہین کہ قوت افعالی اور احساسی دونون ایک اور قوت کے قبضۂ اقتدار مین ہین جس کو متخیلہ کہتے ہین تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ ہر ایک انسان سے اُسی قسم کے افعال سرزد ہون گے جیسے کہ اُس کے خیالات ہین اور یہ ہمارا تجربہ ہے کہ جیسے افعال ہوتے ہین ویسی ہی سزا جزا ملتی ہے مگر انسان مین ایک عجیب خاصہ ہے کہ وہ عموماً جزاے نیک کا خواہشمند ہے کوئی شخص سزا کے لئے تیار نہین پایا جاتا مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ نتیجہ زیادہ تر سزا ہی ملتا ہے۔ کیون اور کس لئے؟ اُس لئے کہ خیالات گندے ہین۔" حالات کس طرح پاک ہون؟

اُس وقت جبکہ متخیلہ عقل کے تابع فرمان ہو۔"

اچھا ہم اس متخیلہ کو عقل کے ماتحت کئے دیتے ہین۔ واقعی اس کو ایک شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دینا مناسب نہین ہے مگر اُس سے بیشتر کہ اس کی لگام عقل کے ہاتھ مین دی جائے یہ غور کر لینا ہمارا کام ہے کہ جس عقل پر ہم بھروسہ کرنیوالے ہین وہ صالح بھی ہے کہ نہین۔

اثنا سفر مین ایک شخص کو ہم اپنا مشیر یا رہنما بنا ئینگے مگر پہلے یہ تو دیکھ لین کہ وہ راستہ کے حالات اور خطرات سے واقف بھی ہے۔؟

ہم ایک شخص کو اپنی دکان کا منیب بنانے سے پہلے یہ کیون نہ جانچ لین کہ اُس مین ہمارے کاروبار کو عمدگی کے ساتھ چلانے کی صلاحیت بھی ہے کہ نہین۔ ورنہ ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

مگر سب سے پہلے سوال یہ پیدا ہوگا کہ عقل ہے کیا چیز۔

ذرا گہرے پانی مین چلے جائیے۔ مگر گہرائی یا عمق اتنا ہو کہ جہان سورج کی کرنون کا گذر نہو اور اُس وقت سوال کیجئے کہ آنکھ کیا چیز ہے۔

کلکتہ میوزیم مین ایک مچھلی نظر آئی جس کی آنکھ نہ تھی۔ بڑی حیرت ہوئی مگر معلوم یہ ہوا کہ اس قوم کی مچھلی سمندر کے ایسے عمیق مقامات مین رہتی ہے جہان سورج کی روشنی نہین پہنچ سکتی۔ حیرت جاتی رہی۔ بات تو ٹھیک ہے۔ جہان روشنی نہو آنکھ دیکھ نہین سکتی۔ جہان نظر کام نہ کرے۔ آنکھ بیضرورت ہے اور جو چیز بے ضرورت ہو قدرت کو اُس کے بنانے سے سروکار ہے؟

ہم روشن مقامات مین رہتے ہین قدرت نے ہمین آنکھ عطا کر رکھی ہے مگر تاریک مقامات مین ہماری اس آنکھ کا وجود مچھلی کی آنکھ کے عدم سے کسی طرح تفوق نہین رکھتا اور پتہ چلتا ہے کہ آنکھ بذاتہ کوئی روشن چیز نہین ہے

بلکہ محض ایک آلہ ہے جو روشنی کی مدد سے اشیاء کے عکسون کو جذب کرتا ہے بس یہی حالت عقل کی ہے۔

قدرت نے جہان ہم پر یہ احسان کیا ہے کہ قواے احساسی۔ افعالی خیال اور عقل عطا کی ہے۔ ساتھ ہی نظام عالم مین ان کی امداد کا انتظام بھی کر دیا ہے مثلاً یہ آنکھ جس پر ہم اتنا اتراتے ہین اگر سورج نہوتا تو یہ کس چیز کو دیکھ سکتی اگر ہوا نہوتی تو آوازون کو ہمارے کان تک کون ڈھکیلتا اور یہ بیچارے کان کیا سُنتے وغیرہ۔

اسی طرح اگر بجلی نہوتی ہمارے قواے افعالی کیونکر چاق چُست اور کام کرنے کے لائق ہو سکتے۔ اور اگر ہیٹ (حرارت) ہمارے دورانِ خون کی معاون نہوتی تو کتنی دیر تک ہم زندہ رہتے۔ الغرض جب یہ امر مسلمہ قرار پا چکا کہ ہماری قوت احساسی اور افعالی اپنے قدرتی مددگارون کے بغیر ناکارہ ہے تو عقل بھی جو انھین کے مشابہ ہے اس کلیّہ سے مستثنیٰ نہین ہو سکتی۔

عقل کا مدار دیوتا علم ہے اور جس طرح عقل اپنی کمال لطافت کے باعث جسم کے ایک چھوٹے سے چھوٹے عضو پر قدرتی تسلّط رکھتی ہے اس کا طاقتور دیوتا علم بھی ذرّے ذرّے مین سمایا ہوا اور محیط ہو رہا ہے۔

ایک ذرّے کی طرف ذرا نگاہ غور سے دیکھئے بس وہ زبان حال سے اپنی ہسٹری بیان کرنے لگے گا۔ مگر یاد رکھئے ذرّہ ناطق نہین ہے ہماری طرح

اُس کی زبان نہین ہوتی اور نہ سے ہے ان کانون سے اُس کی تقریر سُنی جا سکتی ہے جس طرح آنکھ کے سوا سورج کو اور کوئی حواس محسوس نہین کر سکتا۔ اِسی طرح علم کا لیکچر سُننے کے لئے عقل ہی کے کان درکار ہین۔ اور جو حال سورج کے بغیر آنکھ کا ہے وہی حال علم کے بغیر عقل کا ہی۔

کیون جی! تم اس باغ مین ہوا خوری کے لئے آئے ہو۔؟ اچھا بتلاؤ تو سہی چمیلی اور جوہی کے منڈوے کہان ہین ینیشکر کا کھیت کس طرف ہے اور آم کے درخت کس جانب؟۔

اچھا یہی بتلائیے کہ اس باغ مین کس کس میوے کے درخت ہین اور کون کون پھول کس کس موسم مین پھولتا ہے۔ کون میوہ کس ذایقے کا ہی اور اُس کا کیا خاصہ ہے؟

اگر یہ کچھ نہین جانتے تو یقیناً آپ باغ مین ہوا خوری نہین بلکہ تضیع اوقات کے لئے آئے ہین یہی نہین ذرا اور آگے چلیے۔

ایک دواخانہ مین ہزارون دوائین رکھی ہین ان مین آب حیات کی خاصیت والی اودیہ بھی ہین اور زہر بھی۔ وہ شخص کتنا بدقسمت ہے جو اس دواخانے مین سکونت پذیر ہے مگر زہر اور امرت مین تمیز نہین کر سکتا۔ یقین مانیے کہ یہ ناواقفیت اُسی کے حق مین مہلک ثابت ہوگی۔ کہتے ہین کہ ایک شخص جو آشوبِ چشم اور دردِ شکم کے مرضون مین مبتلا تھا کسی حکیم سے

پاس گیا۔ حکیم نے اُسے دو پوڑیان دین۔ دیکھو اس پوڑیہ کو کھا کر پانی پی لینا اور اس پوڑیہ کو گھول کر آنکھ مین ڈالنا۔

"بہت خوب" یہ گھر پہنچتے پہنچتے خیال جاتا رہا۔ آنکھ کی دوا پی گیا۔ اور پیٹ کی دوا آنکھ مین ڈال لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درد شکم تو کم ہوا مگر آنکھ کا درد اور بڑھ گیا اور لگا حکیم کو کوسنے۔

جو شخص باغ کے حالات سے ناواقف صرف ہوا خوری کرتا پھرتا ہے ضرور خطرے مین پڑنے والا ہے اور جو شخص دواخانے مین رہتا ہے مگر وہ اُن کی خاصیت سے ناواقف ہے ایک دن زہر کھا کر ہلاک ہوگا۔ غور کیجئے۔ مثلاً اس وقت ہم ایک عالیشان کمرہ مین داخل ہوتے ہین۔ یہ ہمین معلوم ہے کہ ہماری ضروریات کا کافی سامان اس مین موجود ہے مگر اندھیر اگھپ ہے کچھ سوجھ نہین پڑتا ہمین بھوک پیاس محسوس ہو رہی ہے اور کچھ سر مین درد بھی ہے۔ خیر کھانا پینا تو پھر ہوتا رہے گا مگر لاؤ پہلے دوا تو کھا لین۔ ٹٹولتے ٹٹولتے ایک شیشی پر ہاتھ جا پڑا۔ کون جانتا ہے کہ اس مین کیا بلا بھری ہے۔ دل دھڑکنے لگا۔ ارے میان دیا سلائی جیب مین موجود ہے کھینچتے کیون نہین۔ ہا لیمپ روشن ہوتے ہی کچھ نظر آنے لگا۔ ہان اب دوا کھاؤ۔ کھانا کھاؤ آرام سے سو رہو۔ یہ لیمپ کیا ہے ہا علم اور یہ امر مسلمہ ہے کہ اس کے بغیر عقل کی آنکھ دیکھنے کے ناقابل ہے۔ اگر کمرہ مین لیمپ نہین ہے ہزارون خطرے موجود ہین اگر

لیمپ روشن ہوچکا ہے۔ ہر قسم کے آرام و آسائش ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ یہ علم جس کے معنی ہیں روشنی یا جاننا، سنسکرت میں اسکو "ودیا" کہتے ہیں جسکے معنی ہیں "روشنی" اور انگریزی میں اس علم ودیا کا مرادف لفظ "سائنس" آتا ہے۔

سائنس دو قسم کا ہے (۱) فزکس اور (۲) میٹافزکس۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ سائنس ایک درخت ہے۔ تو فزکس اور میٹافزکس اُسکی دو شاخیں ہیں۔

"فزکس" علم الاشیاء کو کہتے ہیں یعنے ایک ادنی ذرے سے لیکر آفتاب تک جو کچھ بھی وجود پذیر ہے اُس کا مادی علم مثلاً کسی شئے کا طول عرض خوشبو بدبو ذائقہ خواص اور اُس کی پیدائش قیام اور فنا کے ظاہری اسباب وغیرہ۔

اور "میٹافزکس" ایک باطنی علم ہے جو اِن ظاہری اسباب میں اُس اصول کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے جو ایک ایک ذرے کے اندر کام کر رہا ہے۔ مثلاً ایک گلاب کا پھول اُٹھا لیجئے۔ اہا کیا خوبصورت ہے۔ اور اتنا نازک کہ ذرا چھوتے ہی کُمھلا جائے۔ اس کا خوبصورت ہلکا رنگ تو دیکھئے کتنا دلکش ہے اور کیسی بھینی بھینی خوشبو آرہی ہے کہ دل بے اختیار ہوا جاتا ہے مگر اسے ناک سے مت لگانا ورنہ فوراً نزلہ کی تحریک ہو جائے گی۔ ہاں اگر قبض کی شکایت ہو تو شکر کے ساتھ قوام کر کے کھا لو یہ اسکا مٹیریل سائنس یعنی مادی علم ہے۔

اس شاخ "فزکس" کی صدہا چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں جو بجائے خود مکمل ہیں۔

مثلاً جیولوجی (علم جمادات)، فزیالوجی (علم تشریح جسم انسانی۔ بیالوجی (علم الحیوانات)، باٹنی (علم نباتات)، ہیٹ (علم حرارت، ساونڈ (علم آواز)، لائیٹ (علم روشنی)، الیکٹریسٹی (بجلی کا علم)، میگنیٹزم (علم مقناطیس)، سٹرانومی (علم ہیئت) وغیرہ وغیرہ۔

یہ شاخیں بجائے خود ایک مکمل صورت رکھتی ہیں مگر ان کا ذکر یہاں اسلئے نظر انداز کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک ایک کا ذکر بجائے خود ایک علیحدہ مضمون ہو جائے گا مگر اب ایک کرشمہ میٹافزکس کا بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ایک میٹافزیشین (فلاسفر) باغ کی روش پر ٹہل رہا تھا گلاب کے پھول پر نظر پڑ گئی ذرا ٹہر دیکھتا رہا پھر پتوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے درخت کے تنے اور جڑ کو باری باری سے دیکھا۔ خدا جانے کیا خیال آیا۔ زمین سے تھوڑی مٹی اٹھالی خوب غور سے معاینہ کیا۔ قریب ہی ایک پانی کا حوض تھا۔ حوض کے پاس گیا۔ مٹی پہ پانی ڈالا اور اُسی کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ پھر درخت کے پاس آیا۔ کبھی درخت کی طرف اور کبھی پانی اور مٹی کی طرف دیکھتا ہے۔ حیرانی ترقی پذیر ہوتی جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے اے خوشنما گلاب کے پھول! تیرا رنگ گلابی کیوں ہے۔ تیرے پتے سبز ہیں۔ تیرا تنہ اور جڑ سفیدی مائل ہے۔ کیسے

ممکن ہے کہ سفیدی سے سبزی اور سبزی سے گلابی رنگت پیدا ہو گئی ہو۔ ہوا کی طرف دیکھتا ہوں مگر اُسے تیری ہوا نہیں لگی ہے۔ پانی سے سوال کرتا ہوں بیچارہ شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہے۔ اب خاک سے کیا خاک پوچھوں۔ صورت یہیں حالش مپرس'' کا معاملہ ہے۔

خیر رنگ نہ سہی مگر کوئی یہ تو بتلائے کہ یہ خوبصورت پنکھڑیاں کس طرح بنگئیں۔ انہیں اتنی خوبصورتی کے ساتھ کس نے تراشا۔؟

اچھا یہ بھی جانے دو مگر اتنا تو کہو کہ یہ بھینی بھینی خوشبو کہاں سے آگئی۔ اور ہاں ذرا اس بیپ کو تو دیکھو یہ پانی اوپر کی طرف کون چڑھا رہا ہے سورج کی کرنو!؟ کیا یہ تمہارے کرتوت ہیں؟ نہیں جی اب تو شام ہو چکی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔

اے لو ایک اور غضب۔ اِن نازک نازک پنکھڑیوں میں کسی نے نل کا جال بھی بچھا رکھا ہے۔ اُف وہ کون نازک ہاتھ ہوگا جس نے اس نزاکت کے ساتھ آب رسانی کا انتظام کیا ہے۔

پھر کہتا ہے۔ اے پھول! تو اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ ہے سچ سچ اگر میں تیری اصلی حالت کو سمجھ سکوں تو یقین ہے کہ میں تیرے پیدا کرنے والے کو سمجھ لوں گا۔ ایک جذبے کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور فلاسفر پکار اٹھتا ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

معزز ناظرین! جس طرح بیالوجی وغیرہ "فزکس" کی صدہا شاخین سرسبز نظر آتی ہین۔ میٹافزکس کی چھوٹی چھوٹی بارآور شاخین بھی انتھالوجی وغیرہ ہین۔ مگر یہ سب شاخین یا ان مین سے کوئی ایک "اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ" کی مصداق نہین ہین بلکہ سب کی سب کسی ایک ہی مقصد کو نشانہ بنا رہی ہین۔ یا یون سمجھ لیجئے کہ "سائنس" ایک رباعی ہے۔ جس کے فزکس اور میٹافزکس دو اشعار ہین اور جو الفاظ کہ ان اشعار کو مکمل کرتے ہین بیالوجی انتھالوجی وغیرہ وغیرہ ہین۔

الفاظ جدا جدا ہین اور اشعار علیحدہ علیحدہ مگر رباعی کسی ایک ہی مضمون کو حل کر رہی ہے۔ ایک راگنی مین مختلف سر لگتے ہین اور مختلف طریقون سے تانین لگائی جاتی ہین مگر سرگم نہین بدلتی۔ بس اسی طرح یہ چھوٹی چھوٹی شاخین اپنی بڑی بڑی شاخون سے اور بڑی بڑی شاخین اپنے درخت سے مختلف اور منحرف نہین ہین۔

مبارک ہے وہ باغ عقل جس مین سائنس کا درخت نشو ونما پاتا ہے اور مبارک ہے وہ باغبان جو اس درخت کو سینچتا اور پرورش کرتا ہے۔

عقل کے پوجاریون سے کہدو کہ وہ اپنے دیوتا "علم" کے دھیان مین اپنے

آپ کو فنا کر دے اور فنا بھی اس درجہ کر دوئی کا امکان باقی نہ رہے۔
پھر دیکھنا وہ دنیا کے لئے کس طرح برکت کا موجب ہوتی ہے۔

انسان دنیا مین ایک مسافر کی طرح گزر کر رہا ہے وہ چاہتا کیا ہے؟ "صرف دو باتین"

(۱) یہ کہ خطرات سفر سے محفوظ رہے۔

(۲) یہ کہ راستہ بھٹکنے نہ پائے عقل جو اس مسافر کی شیر ہے اگر سچ مچ وہ اپنے دیوتا سائنس (علم) کی بھگت ہے اور گائیڈ آف جرنی (رہنمائے سفر) کی پوتھی بھی اُس کی بغل مین موجود ہے تو وہ اُسکے باب نمبر (۱) "فزکس" کے ذریعہ سے اپنے آقا کو آنے والے خطرات سے نہ صرف آگاہ کر دیگی بلکہ اُس کی معاون بھی ہوگی اور سرکش کو جمین کا علاج بھی خاطر خواہ کر سکے گی مگر اس پوتھی کا دوسرا باب "جوگرافیا فزکس" ہے اُسکی مدد سے گاڑی کو منزل مقصود تک پہنچانے مین کوشان بھی ہوگی۔

افسوس ہے کہ ہم لوگ سائنس (علم) کی تعلیم کی طرف توجہ نہین کرتے۔ جو درحقیقت ہماری موجودہ تکالیف کے دور کرنے اور آئندہ آسائشون کے حاصل کرنے کا حقیقی ذریعہ ہے۔ جو نہ صرف انسان کو انسانیت کا راستہ بتلاتا ہے بلکہ وسائل رزق بھی مہیا کر دیتا ہے۔ مگر بجائے اُسکے صرف زباندانی کے لئے وقت کا قیمتی حصہ گذارا جاتا ہے۔

مین یہ تسلیم کرتا ہون کہ لنگویج زبان، کا حاصل کرنا دراصل تحصیل علم کا پہلا زینہ ہی مگر اسکا یہ مقصد نہین کہ محض صرف نحو کی تحقیقات اور زباندانی کے نکات کے لئے عزیز زندگی وقف کردی جائے یہ تو وہی مثل ہوئی کہ ایک شخص جسنے ایک گاڑی محض اس لئے کرایہ کی تھی کہ اسٹیشن پہنچکر ریل مین سوار ہو اگر وہ اسٹیشن نہ جا کر گاڑی کو اِدھر اُدھر دوڑاتا پھرتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ یہ حرکت بھی داخلِ سفر ہے تو یقیناً وہ غلطی کرتا ہے۔

پس اے دوستو سب سے پہلے اپنے گھرون مین لیمپ روشن کرنے کی کوشش کرو پھر دیکھنا کہ کس طرح تم خود بخود برکت کی صورتین نظر آتے ہو اور کس طرح تمہاری ہمتین بلند اور حوصلے فراخ ہوتے ہین یقین مانئے کہ تحصیلِ علم کے ساتھ ہی انسان مین شرافت اور نیکی وغیرہ خوبیان اس طرح داخل ہونے لگتی ہین جیسے چھوٹی چھوٹی ندیان بڑے بڑے دریاؤن مین اور بڑے بڑے دریا سمندر مین داخل ہوتے ہین ورنہ دنیا جسکو ہم اس وقت دوزخ کی طرح بھیانک اور دکھدائی دیکھ رہے ہین کس طرح بہشت نظر آنے لگتی ہی

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

بھیرون پرشاد۔ قابل

جذباتِ اکبر

اب کیا مین نا طاقت اُنکی گو زحمت اُٹھاؤن اُسکے لیئے
دل کہتا ہی اور یہ کہتا ہی کہ اُنکے لیئے اور کسکے لیئے

یہ گوش و زبان چشم چمن پائے و نمای جہان سے فارغ ہین
کرتا ہون دُعا مین گُل کے لئے سوسن کے لئے نرگس کیلیئے

ہو مجکو مبارک شوق نمود افسردہ پڑا رہنے دو مجھے
بیکس کو ہی کافی داغ جگر تم شمع بنو مجلس کیلیئے

خود گوارا نہین فریاد کا یہ جوش سبب مجھے
کبھی چلتی اجل آکر کہین خاموش مجھے

عقل کچھ کر نہ سکی قدر شناسی جنون
بزم ہستی مین مبارک نہ ہوا ہوش مجھے

حالت قابل فریاد کے سب ہین شاہد
اس سے کیا ہوتا ہی کر دیجیئے خاموش مجھے

تابِ نظارۂ گلزار مین کیا لاؤن گا
رُت بدلتا ہی سکتے دیتا ہی بیہوش مجھے

بُت پرستی مین بھی پردے کا ہون حامی اکبر
بخش ہی دیگا خداوند خطا پوش مجھے

بہت سے عہدے بھی پا چکا ہی ملی ہی کونسل کی ممبری بھی
پہر سبہ کہتا ہی یونین ہو کا یہ پیٹ ٹینو کا ہی کہ ٹھکا

سنوار ہی خود آپ ہی نے پتلے اور اُنمین کنجی لگائی غرب
لگے وہ جب ناچنے تو خود ہی کسیکو بھیکا کسیکا ٹیکا

انقلاب

اب نہ جرأت ہی نہ ہمت ہی نہ دل مین جوش ہی
جسکو دیکھو شیر قالین کی طرح خاموش ہے

شوق کچھ علم وہنر کا ہی نہ کچھ کسب کمال
شغل مے نوشی ہی ہر سو شور نوشا نوش ہے

یا تو وہ دن تھے کہ بغل مین رہتی تھین رحل و کتاب
یا ہی بوتل ہاتھ مین معشوق ہم آغوش ہے

یا وہ دن تھے ملک ملک کا فدائی تھا ہر ایک
یا فقط زلفون کا سودا ہی جنون کا جوش ہے

یا وہ دن تھے جام جم کی بھی نہ خواہش تھی کبھی
یا یہ دن ہین طفل مکتب بھی ہر اک مینوش ہے

وقت پر اب ایک کی صورت نظر آتی نہین
مرد میدان جسکو کہتے تھے کہان روپوش ہے

اب کوئی اگر چڑھاتا ہی نہین دو چار پھول
اپنی اعمالونکی چادر صرف تربت پوش ہے

یا الٰہی اب کہان ہین ساری بزم آرائیان
شمع محفل جو تھی وہ بھی دیر سے خاموش ہے

ظاہر و باطن کسی کا اب کہان آئینہ ہے
دل مین ہر اک کے کدورت نیش بہر نوش ہے

کسکے سر پر تاج ایمان باعث زینت ہی اب
کفر کا زنار بھی یارب وبال دوش ہے

تک رہے ہو ستا دو کیا تم یہ نہین کیا ہو گیا
آج اپنے سے ہو باہر یا کہو کچھ ہوش ہے

یہ نظم مدرسہ عثمانیہ بیگم پیٹھ کے سنگ بنیاد کے جلسے مین جو بصدارت حضرت
خواجہ حسن نظامی صاحب دام فیوضہ وعالیجناب نواب
عظیم الدین خان بہادر عظیم مستثنیٰ یادگار کرناٹک منعقد ہوا الفا
مولوی سید شاہ یوسف الدین صاحب اورنگ آبادی
معتمد مدرسہ مذکور سنے پڑھی ناظرین کی ضیافت طبع کے سلئے درج رسالہ
کی جاتی ہے وہو اہذا ۔

ہین معرفت کے نیّر خواجہ حسن نظامی
اور رشک ماہ انور خواجہ حسن نظامی

دل اُسکا ہو منّور وہ سرخرو ہو یکسر
ہو ور د جسکے لب پر خواجہ حسن نظامی

یہ صوفیون مین بیشک خورشید معرفت ہین
ہین بسکہ فیض گستر خواجہ حسن نظامی

اک آفتاب روشن ملک دکن مین آیا
چرچا یہی ہے گھر گھر خواجہ حسن نظامی

مقبول حق وہ بندہ اک آن مین نہ کیون ہو
تیری نظر ہو جس پر خواجہ حسن نظامی

ہین فیضیاب تجھسے درویش کیا تو نگر
تو صدر وزرہ پرور خواجہ حسن نظامی

آئین نہ ہوش مین ہم تو اپنے مئکدے سے
ایسا پلا دے ساغر خواجہ حسن نظامی

خلق حسن خدا نے ایسا دیا ہے تجھکو
تیرا نہین ہے ہمسر خواجہ حسن نظامی

بھٹکے ہوئے ہزارون رستے پہ آرہے ہین
تو خلق کا ہے رہبر خواجہ حسن نظامی

دل اُسکا آئینہ ہے جام جہان نما ہے
ہے بخت کا سکندر خواجہ حسن نظامی

میسر کا دائرہ

میسر کا بھی دائرہ ہی ایک عبرت کا مقام
اسمین کیا کیا سو رہے ہین سربلند و نیکنام
اسکے ہین آغوش مین کیسے حسین محشر خرام
صورتون پر جنکی ہوتا تھا فدا ماہِ تمام

مرقدون پر کوئی اب آنسو بہانیکو نہین
نامرادی کے سوا رونے رلانیکو نہین

پھول کے بستر پہ سوتے تھے جو کل کی بات ہے
آج زیرِ خاک وہ گم سُم ہین یون ہیہات ہے
دم بخود ہین لب ہلانے کسکی یہ اوقات ہی
ہین اکیلے کوئی مونس ہی نہ ہمدم ساتھ ہے

کل جو فرشِ ناز پر تھے خاک پر وہ آج ہین
کل جو قرآن پڑھ رہے تھے قل کے وہ محتاج ہین

سرو قد نازک بدن رشکِ بتانِ ملکِ چین
غیرتِ بلقیس گل ندام تھا اک اک حسین
روکش خورشید تھا کوئی تو کوئی مہ جبین
ہو گئے سب ایک صورت جاتے ہی زیرِ زمین

کیسے پروانے مزارون پر ہین اب اوندھے چراغ
تھے جو شمع حسن اب اُنکی لحد ہے بے چراغ

تیل کے بدلے پڑا ہی آج بالو مین غبار
ہاتھ آیا صحن ایوان کے عوض کنجِ مزار

بوم کی فریاد ہی اب تھا جہاں شورِ ہزار ‌ ‌ وسعتِ گورِ غریباں میں بسے شہر و دیار

فرشِ مخمل پہ جنھیں راحت سے تھا دشوار خواب
آگیا آج انکو زیرِ دامنِ کہسار خواب

کچی پکی قبریں وہ وحشت کا عالم الاماں ‌ ‌ پتھروں کے ڈھیر تعویذِ لحد کے ہیں نشاں
چوکی پہرہ اب کہاں ہی ہیں کہاں وہ پاسباں ‌ ‌ کسجگہ پر بستے تھے کل آج آئے ہیں کہاں

سادہ پن کی زندگانی کل انھیں بھاتی نہ تھی
فرشِ گل جبتک نہوتا تھا تو نیند آتی نہ تھی

کچھ تو بولو منہ سے اپنے کیا گذرتی ہی بھلا ‌ ‌ کسجگہ مسکن۔ کہاں ہی گھر بتاؤ تو پتا
کسلئے خاموش ہو کیا سے کہو کچھ ماجرا ‌ ‌ اک زمانہ ہوگیا ہو کر تمھیں ہم سے جدا

چل بسے احباب کو رنج و محن میں چھوڑکر
جاتی ہے بلبل کہیں گل کو چمن میں چھوڑکر

جسجگہ رہتے ہو تم کیسی وہاں کی رسم ہے ‌ ‌ کیا ابھی تک یاد تمکو کچھ یہاں کی رسم ہے
تمنے جو سیکھی ہی اب کیسی کہاں کی رسم ہے ‌ ‌ یہ ہمیں معلوم ہی اُلٹی جہاں کی رسم ہے

سچ کہو اہلِ عدم کیسا تمہارا حال ہے
کیا وہاں بھی مہر و الفت کا ہمیشہ کال ہے

کس نے کی ہی مہر لب پر این واں خاموش ہے ‌ ‌ دیکھکر حیرت کا عالم آسمان خاموش ہے
ایک تم خاموش کیا ہو سب جہاں خاموش ہے ‌ ‌ کیا سبب ہے کیوں تمہارا کارواں خاموش ہے

اب ہا باقی نہ کچھ مال و زر و املاک مین
مل گئے دستِ اجل سے لاکھ کے گھر خاک مین

ہین کہان اسباب شاہی اب کہان ہین وہ محل — اب کہان قندیل و فانوس اور کسجا ہین کنول
آج وہ دولت کہان ہی جسکے تم مالک تھے کل — کیون پڑے ہو دم بخود کیا بھید ہی اہلِ دول

ایک تم ہو ایک آغوش لحد ہے پاس ہے
دستِ حسرت کے سوا کچھ بھی تمہارے پاس ہے

آئی اک تربت سے یہ ناشاد جانسوز سا صدا — کون ہون پہچانتا ہی مجکو تو اے بیوفا
مین گل امید ہون باغِ وفا مین جو کھلا — باد صرصر کی صداؤن سے مگر مرجھا گیا

ایک مین ہون اور اک خالی مرا آغوش ہے
آہ کیا حالت سناؤن کب مجھے یہ ہوش ہے

بیکسی ہی پھول کے بدلے چراغ پاس ہے — شور بلبل ہی نہ پھولونکی کہین بو باس ہے
کون آئے فاتحہ پڑھنے کو کس سے آس ہے — اب جزاء خیر و شر اپنی خدا کے پاس ہے

زن کہان بچے کہان اعمال اپنے ساتھ ہین
آئے خالی ہاتھ تھے ہم اب بھی خالی ہاتھ ہین

یہ صدا مین نے سنی جب تو پسینہ آگیا — تھام کر دلکو گھڑی بھر بیٹھکر رو یا کیا
صبر سے ہوش سر سے یک بیک جاتا رہا — دم لگا رکنے ہوا مین زندگانی سے خفا

پھر تسلی دیکے دلکو اپنے سمجھانے لگا

قصۂ یاران رفتہ آپ دوہرانے لگے

ان مین کچہ ایسے ہین جو نیکی پر اپنی مر مٹے بعض ایسے ہین تکبر مین جہان سے چل بسے
ہین کچہ ایسے بھی جو اپنے دین پر قایم رہے اور کچہ ایسے ہین خود کامی کے جو بندے بنے

تہا غرض ڈوبا ہوا ہر ایک اپنی رنگ مین
صلح کل کوئی۔ کوئی رہتا تہا فکر جنگ مین

آدمی کی ہی جہان مین زندگانی چندروز بلبلون کی ہی چمن مین نغمہ خوانی چندروز
گل کھلاتی ہی بہار بوستانی چندروز چل بسا بچپن تو ہی عہد جوانی چندروز

سانس سے ثابت ہوا یہ دور پیمانیکا ہے
ایکدن آنیکا تہا اور ایک دن جانیکا ہے

جسجگہ گلشن تہا اب اُڑتی وہان ہی خاک دہول دولت دنیا پہ ناداں کیا گئے تھے ہائی بہول
قبر کو انکی میسر اب نہین باسی بھی پہول ہ ایک آغوش لحد ہی ایک خود ہین دل ملول

چل رہا ہی کل جہان قصر فریدون تہا یہین
عیش خانہ تہا جہان گور غریبان ہی وہین

کیا ہوئے دارا فریدون کیا ہوئی کاؤس جم موت نے انکو کہلایا دیکہے دہوکا ہائے ہم
جسکے آگے آسمان کرتا تہا اپنے سر کو خم وہ نتیجہ انکا ہو جب تو کہان تم اور ہم

جلتی پہرتی چہا تو ہی اسکی بھی کچہ اوقات ہی
چاردنکی چاندنی ہی پہر اندہیری رات ہے

ہی کسی جانب پہ نعمت خانِ عالی کا مزار　　جسپہ پھولونکے عوض گریان ہی حسرت نثار زار

ہی کہان جوکی کہان پہرہ - کہان خدمتگزار　　زیر مرقد ہی کہان وہ خلوت رشک بہار

بیکسی اب رو رہی ہی جا در تربت کہان

اڑ رہی ہی خاک وہ اگلی سی اب زینت کہان

سب جیتے جی کے تھے جھمیلے آج کوئی بھی نہین　　حسرتین سب ہوچکین افسوس پیوندِ زمین

وہ بندآئی تھی جنکی مہر ادائے دلنشین　　جنکی محفل سے نہ جاتا تھا کوئی مضطر حزین

زندگی مین جنکے سب اہلِ جہان محتاج تھے

آج وہ بیکس ہین کل دنیا مین جنکے راج تھے

جنکی ہر تحریر سے حیران دبیر آسمان　　جنکی طرزِ گفتگو کو مانتا تھا اک جہان

مدح خوان تھا صدق دلسے جنکا پیر وجوان　　رشک گلزار جنان تھا جنکے دم سے گلستان

ہوگئے افسوس وہ اس طرح پیوندِ زمین

شمع بھی مرقد پہ اب رونے رلانیکو نہین

علم کے نشے مین جو حد سے زیادہ چور تھا　　اک زمانہ جسکی تیغِ خامہ سے مجبور تھا

سر جھکاتا سامنے جسکے ہر اک مغرور تھا　　ہستیٔ موہوم پہ وہ شاد تھا مسرور تھا

اب فلک کے ساتھ تربت اسکی بھی گردش مین ہے

دل کی صورت آج حسرت اسکی بھی گردش مین ہے

شعر کے لکھنے مین جو حاکم تھا اپنے وقت کا　　سامنے آجائے اسکے تھا یہ کس کا حوصلہ

یون تو نادر تھے زمانہ مین بہت نامِ خدا　　اُس سے لائق تھے مگر اک بات اُسمین تھی جدا

سب پہ یون نقشہ جما تھا اُسکے رعب و داب کا

رنگ پھیکا جس طرح ہو مہر سے مہتاب کا

اُسکی پیدائش تھی شاید خطۂ شیراز کی　　بھائی تھین اُسکو ادائین ہند سے دمساز کی

کیا چھُری اُسپر چلی ملکِ دکن کے ناز کی　　یہ جگہ لکھی تھی اُسکی روح کے پرواز کی

اُسکو بھایا حیدرآبادِ دکن افسوس ہے

مرگ غربت دوریٔ اہلِ وطن افسوس ہے

آسمانِ فتنہ پرور ڈھائیگا ظلم و جفا　　خاک کا پُتلا ہی آخر خاک مین مل جائیگا

یاد تھا اُسکو یہ دن آئیگا مجھپر بر ملا　　یار سینے سے مرے ہو جائیگا تیرِ قضا

اب بھی اُسکی یادگارین دہر مین قائم رہین

یہ سبیلین نیک اُسکے نام پر دائم رہین

یہ جہان ہی مکر کی جا کارگاہِ بے ثبات　　سب کے سب گردش مین ہین ممکن نہین اِنسے نجات

ہی زمانہ اِسکو چھوڑتے تک نہین ہین خوش صفات　　صاحبِ دانش لگاتے بھی نہین ہین اسکو ہات

کل جو اہلِ تاج تھے افسوس اب محتاج ہین

ہین نہ وہ باقی نہ اُنکی یادگارین آج ہین

سو رہی تربت دیکھنے سے حسرتون کو جوش ہے　　ہم بھی سکتے مین ادھر وہ بھی اُدھر خاموش ہی

سبزۂ بیگانہ بھی افسوس اب روپوش ہے　　بے ثباتی اور دیکھے کسکو اتنا ہوش ہے

الرحیل ای منظر گور غریبان الرحیل
کیسی مایوسی سے اب کہتا ہے ارمان الرحیل

[illegible] [illegible]

نتیجۂ فکر جناب سید ناظر الحسن صاحب بلگرامی المتخلص بہ ہوش ایڈیٹر رسالۂ ذخیرہ

سبزے سے بے نمک گل رخسار ہو گئے
پہلے تو پھول تھے مگر اب خار ہو گئے

کیا جرم کیا قصور جو بیزار ہو گئے
کیون آپ میرے درپئے آزار ہو گئے

تم تو عزیز سب مین ہوئے اپنے حسن سے
ہمنے جو تم سے عشق کیا خوار ہو گئے

بوسون کے راز کھل گئے ہونٹونکے داغ سے
خود آپ ہی کے لب لب اظہار ہو گئے

آنکھین لڑائین یار سے کیون عین بزم مین
اچھا ہوا کہ عشق مین بیمار ہو گئے

نکلا کبھی وہ یوسف ثانی جو سیر کو
میری طرح ہزارون خریدار ہو گئے

اک بوسہ لے لیا تو یہ ایسی خطا نہ تھی
ناراض اتنی بات یہ بیکار ہو گئے

ای ہوش انکا نام نہ اب لین گے عمر بھر
خوب آنکے ہتکنڈون سے خبردار ہو گئے

تزک عثمانیہ

۱۳۴۳ ہجری



انیسویں ۱۹ سالگرہ مبارک اعلیحضرت قدر قدرت جہان پناہ ظل سبحانی مظفر الممالک آصفجاہ نواب میر عثمان علی خان بہادر جی سی ایس آئی فرمانروائے ملک دکن کی

مبارک یادگاریں

بسرپرستی عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی

تلمیذ حضرت آصف خلد مکان

محبوب پریس علاقہ پیشکاری سے شائع ہوا

فہرست مضامین تزک عثمانیہ جلد ۲ نمبر ۵

کسان کی لڑکی

۱

گوالیار کے آگے دہلی کے راستہ مین بہت دور تک میدان چلے گئے ہین۔ مسافرون کو اس راستہ مین بہت سی تکلیفون کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دور دور تک پانی نہین ملتا۔ آبادی کا کوسون پتا نہین۔ کوہ بندھیاچل کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔ مسافرون کے حلق خشک ہو جاتے اور ہونٹون پر پپڑیان جم جاتی ہین۔ اگر خدانخواستہ اس راستہ مین سایہ دار درخت نہ ہوتے تو مسافر تڑپ تڑپ کر مر جاتے۔

ٹھیک دوپہر کا وقت ہے۔ ایک نیم کے درخت کے سایہ مین ایک سوار دم لینے کے لئے ٹھہر گیا ہے۔ باد سموم کے تھپیڑے منھ پر چل رہے ہین۔ بیچارے نے اس سے بچنے کے لئے دامن سے اپنا منھ ڈہانپ لیا ہے اور دل ہی دل مین کہہ رہا ہے۔ اُف! اس طرف کیسی لو چلتی ہے سخت غلطی کی جو اس قدر دور نکل آیا۔ سب کے ساتھ رہتا تو اچھا تھا۔ خیر ذرا دھوپ کم ہو جائے تو آگے بڑھون۔ اب جبتک آبادی نظر نہ آئے گی کہین دم نہ لون گا۔ ا کچھ دیر آرام کر کے

وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی۔ گرمی سے اس کا حلق خشک ہو گیا تھا، اور پیاس اس شدّت کی تھی کہ غش کھا کر گرا چاہتا تھا۔ اتنے مین ایک گانون نظر آیا جس کے باہر چار پانچ سایہ دار درخت تھے سوار فوراً گانون کے کنوئین پر جہان ایک بھولی بھالی لڑکی پانی بھر رہی تھی، جا پہنچا۔ اِس لڑکی نے اس ٹھاٹھ کا سوار مشکل سے دیکھا ہو گا' وہ اِس کے آنے سے گھبرا گئی۔ اور ڈول اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زور سے کنوئین مین جا پڑا۔ لڑکی نے گھبراہٹ مین جلدی سے رسّی پکڑ تو لی مگر اُس کے ہاتھ برابر کانپ رہے تھے۔!

سوار نے کہا "گھبراو نہین! مین تمہارا دوست ہون۔ دیکھو تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہین۔ رسّی مجھے دو، مین ڈول کھینچکر تمہین پانی پلا دون۔ اور خود بھی پی لون"۔ اتنا کہکر وہ گھوڑے سے اُترا، اور ڈول کھینچکر لڑکی کو پانی دینا چاہا' مگر لڑکی نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب دوبارہ سوار نے کہا تو وہ ڈرتے ڈرتے بولی "مہاراج! تم پی لو' مین نہ پیونگی!"

غرض سوار نے پانی پی کر گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا' اور کنوئین کی جگت پر نیم کے سایہ مین پڑ کر سو رہا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد یکبارگی چونک کر جو اُٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہی لڑکی دودھ لئے کھڑی ہے۔ لڑکی نے کہا "مہاراج! یہ تھوڑا سا دودھ ہے۔ اسے پی لو!"۔

سوار نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا' اور اس لڑکی کی اس دعوت پر مسکرا کر بولا "لڑکی! ہم ضرور پھر کسی اور وقت ملین گے! مگر کسی دوسری زمین پر اور کسی دوسری صورت مین۔ مجھے میرے ہمراہی سورما کہتے ہین۔ دیکھین، تم مجھے پھر کبھی پہچانتی ہو کہ نہین"۔ اتنا کہکر اُس نے گھوڑے پر زین کسا اور سوار ہو کر باگ موڑی' اور اُسی میدان مین غائب ہو گیا۔

۲

"ہم ضرور پھر کسی اور وقت ملین گے"! یہ کون تھا؟ ضرور کسی ملک کا راجہ ہو گا' جبھی تو ایسے کپڑے پہنے تھا۔ مگر راجہ ہوتا تو ایسے مارا مارا کیون پھرتا۔ راجہ نہین تھا' کسی دیوتا کا اوتار تھا! یا کوئی اچھا آدمی تھا! سوار کے چلے جانے کے بعد لڑکی اُن باتون پر غور کرتی رہی' جو اُس نے چلتے وقت کہی تھین۔ اُس کے دل مین کچھ ایسی محبت سی پیدا ہو گئی تھی' کہ اُسے ہر وقت یہی فکر رہتی تھی کہ مین سوار سے کیونکر ملونگی۔

دو مہینے اسی حالت مین گزر گئے۔ وہ زیادہ بےچین ہونے لگی کہ سورما ابھی تک نہین آیا۔ دنون پر دن گزرنے لگے مگر بیچاری کا لکا کے سورما کا کہین پتا نشان نہ تھا۔ والدین بھی اُس کی اس حالت سے واقف ہو گئے تھے۔ اُنھون نے چاہا کہ اس کو کہین ٹھکانے لگا دین۔ مگر لڑکی اپنے والدین کی ان باتون کی زیادہ برداشت نہ کر سکی۔ اُس نے ارادہ

کر لیا، کہ جس طرف میرا سُورما گیا ہے مین بھی اُسی طرف چل دون گی ا۔
شاید کہین نہ کہین اُس کے درشن ہو جائین ۔

۳

مُصیبت کی ماری کالکا اپنے سُورما کی تلاش مین پانی پت
کے میدان مین جا پہنچی ۔ راستہ مین ترکون نے اُسے تنگ کیا، مگر
اُس کا بھولا پن اور سادگی اُسے اُن کے پھندے سے نکال لائی۔
"شکر ہے تیرا۔ بُری بلا سے تو نے بچایا۔ یہ یہ مصیبتین جھیلین دیکھون
اب بھی سُورما ملتا ہے کہ نہین ۔ آخر کب تک جوگن بنی پھرونگی ۔ خدایا!
اب تو جی گرا جاتا ہے۔ پاؤن مین طاقت نہین رہی ۔ تلوون مین آبلے
پڑ گئے ہین ۔ آہ! ذرا آگے بڑھ کے دیکھون، یہ کس کا ڈیرہ ہے ۔ یہ تو
لڑائی کا سامان معلوم ہوتا ہے ۔ یہان میرا سورما ضرور ہو گا ۔ مگر میری
ہمت کیون ٹوٹی جاتی ہے۔ راجپوت تو ہمت نہین ہارا کرتے !
میرا باپ تو دن بھر اکیلا ہی ہل چلاتا ہے۔ اور مین اِتنے ہی مین تھک
گئی!" بہادر کالکا اپنے دل سے اس قسم کی باتین کرتی ہوئی آگے
بڑھی ۔

ایک طرف تو احمد شاہ دُرّانی کی فوج پڑی ہے، اور دوسری
طرف مرہٹون کا پڑاؤ ہے ۔ یہ بھولی لڑکی اپنے سورما کی تلاش مین بادشاہ

کے خیمہ کے پاس پہنچی۔ افغان سپاہی لڑکی کو پکڑ کر اپنے افسر کے پاس لے گئے۔ تھوڑی دیر مین بادشاہ کو بھی خبر ہو گئی۔ اُس نے اپنے حضور مین اُسے بلا کر پوچھا "تو کون ہے؟ اور کہان جانا چاہتی ہے؟" لڑکی نے سارا حال سچ سچ بتا دیا۔ بادشاہ کو بھی اُس کی باتون پر یقین ہو گیا۔ اور لڑکی فوراً رہا کر دی گئی۔

آگے چل کر لڑکی مرہٹون کے خیمون کے پاس پہنچی۔ لیکن وہ بہت سہم سہم کر قدم اُٹھاتی تھی۔ ایک جگہ کسی کو دیکھکر ٹھٹک گئی۔ "میرے رام! کہین یہی تو سُورما نہین۔ آگے بڑھ کر ذرا اِن کا نام پوچھون!"

سندھیا اپنے خیمہ مین جانے ہی کو تھا کہ لڑکی کے سامنے آجانے سے رک گیا۔

لڑکی:۔ مہاراج! مجھے میری کالی کالی آنکھون والے سُورما کا پتا بتا دو!"

یہ بھولی بھالی آواز سُن کر سندھیا پہلے تو اُس کی بھولی صورت کو دیکھتا رہا۔ مگر جب اُسے کچھ یاد نہ آیا تو پوچھا کہ "تو کس کو پوچھتی ہے؟"

لڑکی:۔ "مہاراج! میرے راجہ کا نام سُورما تھا۔ بندھیاچل کے پاس جہان میرے ماں باپ رہتے ہین، اُنھون نے ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا کہ ہم ضرور پھر کسی اور وقت ملین گے۔ مہاراج! اُس سُورما مین

دیوتاؤن کی سی باتین تھین - مین کہان کہان اُسے ڈھونڈتی پھری ہون - اُس کے لئے مین جوگن بنگئی - مہاراج! یون تو ہم غریب کسان ہین، مگر ہم مین چھتری خون ہے جس نے مجھے یہانتک پہنچایا - مہاراج! تمہاری صورت تمہاری آنکھین اُس سے ملتی جلتی ہین - کہین تمہارا ہی نام تو سُورما نہین!"

سندھیا لڑکی کی ان باتون کو سُن کر بیچین ہو گیا اور اُس روز کا سمان اس کی آنکھون کے سامنے پھر گیا - اُسے حیرت تھی کہ گانون کی لڑکی نے جس کو اُس نے مذاقاً پھر ملنے کی امید دلائی تھی، اس قدر بیچین ہو کر اُس کی تلاش مین ایسی ایسی مصیبتین جھیلین - سندھیا کے دل پر بھی اس لڑکی کی محبت سے چوٹ لگی - جواب دیا "لڑکی! تیرا سُورما مین ہی ہون! تو نے بڑی تکلیفین اُٹھائی ہین - آ اس ڈیرے مین چل تاکہ اطمینان سے بات چیت کر سکون"-

۴

پانی پت کے میدان مین جہان ہمیشہ ہندوستان کے بادشاہون کو شکست ملا کی ہے - ہتھی ہارے اور ایسے ہارے کہ پھر نہ پنپے - سندھیا جی تو لڑ کر لڑائی مگر جب پانسہ پلٹتا ہے تو بنائے نہین بنتی - اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگے - مگر لکا کی محبت اس نازک وقت مین بھی

نہ بھولی۔ جبتک وہ لڑتا رہا، بار بار خیمے مین جاکر اُس کو تسکین دیتا رہا۔ اب جبکہ بھاگنے کی نوبت آئی تو کالکا کو بھی اپنے ساتھ لئے ہے۔ ایک افغان نے جب دیکھا کہ جس شکار کو پہلے اُس نے پکڑا تھا، اُسے ایک مرہٹہ لئے جارہا ہے، تو وہ اُس پر جھپٹا۔ سندھیا نے بھی گھوڑے کو تیز کیا اور دو گھنٹے تک برابر بھاگتا رہا۔ اُس نے سمجھا کہ افغان نا امید ہو کر واپس چلا گیا ہو گا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی، لیکن تھوڑی ہی دیر مین افغان پھر نظر آیا۔ سندھیا نے بھی گھوڑے کو تیز کیا، مگر افسوس جمنا چڑھی ہوئی تھی، اور اس صورت مین تھکے ماندے جانور کو پار لیجانا مشکل تھا سندھیا کو بے حد صدمہ ہوا۔ افغان برابر پیچھے چلا آرہا ہے۔

کالکا: "مہاراج! مجھے یہین چھوڑ دو۔ مجھ کمبخت کے لئے اپنی جان نہ گنواؤ۔ کالکا کی محبت کو آزمانے کا یہی مقام ہے۔ آئندہ جنم مین اُسے اس خیال سے بڑی خوشی ہو گی کہ بانی پت کی لڑائی مین اپنے سورما پر نچھاور ہو گئی تھی۔"

سندھیا کو یہ کب گوارا تھا۔ جان جائے پر کالکا پاس سے جدا نہو۔ اتنے مین افغان سر پر آپہنچا۔ کالکا کو گھوڑے سے اتار کر سندھیا بھی اُس پر جھپٹا۔ بہت دیر تک دونون مین لڑائی رہی۔ آخر سندھیا کے سر پر تلوار کی ایک ایسی ضرب پڑی کہ وہ اپنے گھوڑے کی گردن سے

لپٹ کر بیہوش ہو گیا گھوڑے نے جب اپنے مالک کی یہ حالت دیکھی تو کسی طرف کو بھاگ نکلا مگر کالکا کہاں ہے؟ وہ اُسی جگہ ہے جہاں اُس کے شوہر نے اُسے اُتار دیا تھا۔ اُس کے چہرے پر خون کے چھینٹے پڑے ہو گئے ہیں۔ اُس نے خود ہی خنجر سے اپنا کام کر لیا ہے جس وقت افغان نے اُسے اُٹھانا چاہا اُس کے مُنہ سے صرف "شورما" نکلا اور وہ دنیا سے چل بسی۔

پلٹشم

شبِ فراق

اُف یہ کمبخت کالی بلا میرے پیچھے کیوں پڑی ہے۔ شام ہوئی نہیں کہ دلِ رنجور میں رہ رہ کے درد اُٹھنے لگا۔

(۱) خانہ بدوش سورج اپنی کرنوں کا سفری بقچہ لادے مغرب کی گھاٹیوں پر سے آہستہ آہستہ اُتر رہا ہے شفق کی دُلہن اپنے پردیسی شوہر کو عالمِ یاس میں ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی ہے۔

ذرا ابر کے ان زنگاری ٹکڑوں کی طرف دیکھنا جن پر ہلکی گلابی سنہاف کی ہوئی ہے کس طرح آسمان کے دامن کو گھیرے ہوئے ہیں۔ گ

بہوسے بھٹکوں کے لئے ایک جال بچھا رکھا ہے۔ اور یہ جھلملاتے ہوئے ستارے تو دیکھو خدا جانے کس دھن مین ادھر سے اُدھر اندھا دھند گشت لگاتے پھرتے ہین۔ بس اسی مصروفیت کے وقت ویرانون کی طرف سے ایک دردانگیز صدا اُٹھی جو اس سورج شفق اور آسمان کو چیرتی ہوئی تمام اس عرصۂ عالم مین پھیل گئی۔

دیکھو سناٹا چھا گیا قدرت اپنا دلاویز ترانہ بھول گئی اور چپ چاپ اس صدا کو سن رہی ہے۔ یہ صدا کیا ہے؟ یہ ایک دلدوز آہ ہے جو ایک درد بھرے دل سے بلا وقفہ نکل رہی ہے۔ اجی وہی دل جسے رات کے آنے والے غم و اندوہ کے صدمون نے ابھی سے دبا رکھا ہے۔

(۲) شمال کی طرف سے ایک کالی کالی گھٹا اُٹھی اور آناً فاناً آسمان کی نیلگون سطح پر پھیل گئی۔ بادل کی گرج تو دل ہلا ہی رہی تھی۔ اس پر بجلی کی چمک نے اور ایک نشتر مار دیا۔ زخم تازے ہو گئے۔ اتنے مین کمبخت کویل کوک اُٹھی۔ دادر ہنس چکور پپیہے اور مور شور مچانے لگے۔ آسمان گونج گیا۔ بظاہر یہ صدائین ایک دوسرے سے مختلف معلوم ہوتی ہین۔ مگر ذرا غور سے دیکھئے تو ان سب کا مقصد ایک ہی ترانہ روح کو چھیڑتا ہے دیکھئے قدرت کی محفل مین ایک سناٹا سا چھا گیا ہے۔ بس اسی وقت آہ کا

وہ ولدوز صدا اپنا الگ راگ الاپتی ہے۔ آہ۔ ان الفاظ مین جننا جانے کہان کا درد بھرا ہے؎

بر لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازانکہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

(۳) ہنار نفس کی طوفانی ہوا نے ایک عجیب تلاطم مچا رکھا ہے۔ لہرون کا جزر و مد زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا ہے۔ امید و یاس کے تھپیڑون مین۔ ایک ٹوٹی سی کشتی۔ آہ جس مین مستول بھی نہین ہے۔ ڈوبتی اچھلتی نہ معلوم کس طرف چلی جا رہی ہے۔ ملاح خواب خرگوش مین سو رہا ہے۔ بے اثر دعائین باب اجابت سے سر ٹکراتی پھرتی ہین۔ یاس کی سخت سردی نے آنسوؤن کو منجمد کر رکھا ہے۔ اے ظرف اشک! تو پھوٹ کیون نہین جاتا۔ ذرا دل تو ہلکا ہو جائے گا۔ اے رات کی تاریکی! تو ہی رحم کر ذرا ان مغموم خیالات کو خواب کے حوالے کر دے۔ کچھ یونہین گذر جائے گی: مگر آہ اس ناپائدار تسکین سے فائدہ؟ ذرا آنکھ جھپکنا تھا کہ پھر وہی رنج و غم کے بادل آنکھون کے سامنے سے گذرنے لگے۔ بڑی بڑی بوندین آئین۔ اور درد و فراق کا مرثیہ پڑھنے لگین۔ ہائے ایسا کوئی ایک بھی نہ ملا جو ذرہ بھر اس بے تاب دل کو ڈھارس دیتا۔ جانے والا مجھے تڑپتے دیکھتا ہے سنتا ہے تو گویا میرے

پامال ہو گئے ہیں۔ مگر کمبخت اس باڑ کے اُس طرف کوئی نہیں جاتا۔
آخر اُنھیں خبر ہو تو کیونکر؟ اسی طرح تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی۔ اتنے میں
کسی نے آہستہ سے آنچل سرکا کر آنسو پونچھے۔ اور کہا "یہ کوئی جنون تو
نہیں ہے"؟ آنکھ کھل گئی۔ ایں یہ کون ہے؟ آہ میری اچھی سہیلی بادِ صبا!
کیا تو وہاں جائے گی! اچھا تو میرے حسن و جوانی کے دیوتا سے
اتنا کہدینا۔

از بادِ صبا دلم چو بوئے تو گرفت | مارا بگذاشت و جستجوئے تو گرفت
اکنوں ز منش ہیچ نمی آید یاد | بوئے تو گرفتہ بود و خوئے تو گرفت

بھیرون پرشاد قابل

اصول تصوّف

ہر علم و فن کی انتہائی منزل معراج کمال ہے۔ ہر کمال کا منتہا کامل سرور
اور دائمی عشرت ہے۔ دیکھنے والی آنکھ دیکھتی ہے۔ اور سننے والا کان
سنتا ہے۔ جذبات کا مخزن قلب بظاہر ایک متحرک مضغۂ گوشت مگر
وہ خوب محسوس کرتا ہے اور بہتر ادراک سے گواہی دیتا ہے کہ عزت و
جاہ و دائمی مسرت و خوشحالی اُن افعال کا ثمرہ ہے اور ایسے اسباب کا

نتیجہ جس مین ایک زمانے کی جد وجہد نے ان تھک محنت سے لگاتار کوشش کی تھی مگر یہ سب افعال و آثار اسباب و اسرار ایک خفی قوت کے ماتحت و تابع ہین جس مین تکمیل نفس و تخلیہ خیالات و تصفیہ جسم مادی کو بڑا دخل ورنہ چند روز لذت اٹھائی بھی تو کیا۔ وقتی خوشحالی بر تی بھی تو کیا حاصل۔ روحی سرور ملے، ہان ہان دلی لذت حاصل ہو۔ بیشک بیشک باقی رہنے والا کمال اور نہ ختم ہونے والا لازوال ملکہ حاصل ہو، اس کے لئے ہم خودی چھوڑین خود سے منھ موڑین ہماری خواہشین ہماری نہ ہون ارید ان لا ارید کا مفہوم عملی ظاہر ہونے لگے جبھی سانچہ مادی تپلہ لطافت پائے۔ صفائی پر آئے اپنی ہستی مین اور کا جلوہ ہو جان مین تجلی جانان۔ دل مین خیال دلدار گھر بنائے بیکرانی کہے، مین کہان ہون،، روحانی جلبی قوت بتبختر و غمزہ سے کہے مین ہی مین ہون، جو کامل بندگی کی منزل ہے۔ آنکھ۔ زبان۔ کان، سر آہ و فغان طرز بیان، انداز کلام تن من، دوسری طرف متوجہ و مصروف ہون۔ جوگ سادھا فقیر ہوئے۔ دیوانے کہلائے گئے۔ سڑی بنائے گئے۔ گوشہ نشین بنے۔ وحشی ٹھہرے سب نے اپنا کیا بگڑا کسی کا کیا لیا۔ کسی نے برا بھلا کہکر کیا پالیا غرض یہ نظر غایت بہ توجہ تنہا پر نگاہ جو کچھ ہو یاد اللہ کی دم بدم، صحرا نوردی کی ضرورت نہین۔ گھر رہو چین کرو۔ کھاؤ پیو مزے اڑاؤ مگر دل مین جذبہ روحی دھن مین اور دھن کی لذت سر مین سودا اور خیال ماسوا سے دوری ہم کچھ کرگئے

مگر اُس کے لئے، وہ جو کچھ کرے گا ہمارے لئے ہے۔ ہم کون ہیں ایک مادی پیکر کثیف ہستی مگر لطیف اور ستھرے ہو سکتے ہیں ابھی کچھ اور ہیں مگر دوسرا رنگ لے سکتے ہیں پہلے خود کو اُس کے لئے بنائیں گے ایسے اُبھرینگے کہ مٹ مٹ کر آپ کو مٹائیں گے۔ اُس کے لئے آشناؤں سے ناآشنائی اور ایک ناآشنا سے روشناسی کی تمہید قائم ہوگی۔

نئے نئے ملاقاتی پیدا کرنے ہوں گے تعلقات سے بے تعلقی تعینات و تشخصات سے آزادی قید کی خواہش رستگاری سے نفرت، ذوق شوق جوش خروش کا بڑھنا اثر و صیکے جسمیت کا مدھم جذبہ تیزی پر آئے مگر اس کو ممنون اسباب و زینت دنیا نہ بنایا خواہشات کا زیر بار احسان نہ ٹھہرایا۔ ظاہر بین یہیں اگر بہک گئے بھولے بھالے اسی جگہ بھٹک پڑے سادہ مزاج ضعیف الاعتقادوں نے حسن ظن کا نذرانہ چڑھانا شروع کر دیا اور گویا ہوئے۔

اب دیکھئے جو داغ کو وہ داغ ہی نہیں
سب ننگ چھوڑ چھاڑ کے یادِ خدا میں ہے

مگر ابھی یہ ڈھکوسلہ ہی ابتدا ہے قدم جمانے کا تہیہ ہے راہ طے کرنیکا ارادہ ہے طلب کمال کا قصد ہے۔ روحی سوز و گداز پانے کا درد جگانے کا پہلا مرحلہ ہے یہاں سے تدریجی مشق و جہد کرتے نکل گئے تو

سمجھنا چاہیئے اصول تصوف پر عمل شروع ہو گئے بغور طبیعت نے اب سب سے علٰحدگی اختیار کی اور جو سوچا تھا یا سنا تھا عمل میں لانا شروع کیا خواہشات سے قطع تعلق کا حکم پہنچا تھا اُس پر پہلا قدم رکھا ترکِ ہوا کو باریابی کی اجازت ملی مجلس حضرت دل میں محکمۂ عزل و نصب کی سرگرمی ہوئی پھر اسے نشترِ نگ بزم نیرنگیاں دکھلانے لگے مگر ان تمام ساما نوں کی ان تصوف میں اصلِ اصول پیش نگاہ رہے۔ کرتا تہ بند بو ند لگا پھٹا پرانا یا دھلا ہوا جو میسر آیا تن ڈھانک لیا بار بار کے تکلف کو برطرف کیا۔ کمل اوڑھا ہے ہیں صوفی لقب زبان زد عوام ہو گیا مگر ہماری نظر اس پر کب ہے دیکھنا تو جلوہ عمل سے ہے یعنی خود کو مغلوب کرینگے خود غالب ٹھہرینگے اپنے طالب اپنے ہی مطلوب بنینگے خود نہ رہکر خود رہنے کا سامان کرینگے اجمیر کی پہاڑیاں ہوں یا اندر پت کے جنگل نظام آباد کی باؤلی کا کنا ہو یا آنا ساگر کی بارہ دری ہر جگہ مگن ہر جگہ شاد ظاہر کی پستی باطن کی صفائی دل کا لگاؤ جان کا میلان بھی تصوف ہے " خودی سے گزرنا بندگی کے اوصاف راضی برضا رہنا بھی اُس کے اصول ہیں۔ باقی اللہ اللہ خیر صلا۔

ثاقب قادری بدایونی

الحکماء

گزشتہ سے پیوستہ

صاحب ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ اسقلینوس کا عصا چوب خطمی کا تھا اُس کی شکل سانپ کی سی تھی۔

اسقلینوس کا عصا جو چوب خطمی کا تھا اس سے کنایہ اعتدال مزاج کا ہے کیونکہ خطمی مین کمال اعتدال ہے اور عصا سانپ کی شکل پر مشکل ہونیکا یہ مطلب ہے کہ سانپ کی عمر دراز ہوتی ہے اس سے دلالت ہے کہ علم ہمیشہ اہل علم کو زندہ رکھتا ہے۔

افلاطون نے کتاب نوامیس مین لکھا ہے کہ ایک دن اسقلینوس معبد مین خدا کی عبادت کر رہا تھا کہ ایک مرد اپنی عورت کا ہاتھ پکڑ کر لے آیا اور کہا کہ یہ عورت حاملہ ہے اس کے حمل سے خبر نہین رکھتا ہون۔ اسقلینوس نے اُس بدکار عورت سے کہا کہ تیرا خاوند ہیکل شمس مین تیری سلامتی کی دعا کرتا ہے تو نے فلان شخص سے زنا کیا ہے عنقریب تیرے بطن سے ایک زشت رو لڑکا پیدا ہوگا۔

چنانچہ تین ماہ گذرنے کے بعد اُس عورت کے اس شکل کا لڑکا پیدا ہوا کہ علاوہ معمولی ہاتھون کے اور بھی دو ہاتھ سینے سے نکلے ہوئے تھے۔

افلاطون اُسی کتاب مین یہ بھی کہتا ہے کہ ایک شخص نے اپنے مال کو پوشیدہ کر کے اسقلینوس کے پاس امتحاناً آکر کہا کہ میرا مال گم ہو گیا ہے تیری درگاہ مین حاجت روائی کے لئے حاضر ہوا ہون اسقلینوس اُس کے ساتھ آیا اور پوشیدہ مال کو نکال کر اُس شخص کے سپرد کیا اور اُس سے کہا کہ جو شخص خدا کی نعمت سے ٹھٹول کرتا ہے تو وہ نعمت گم ہو جاتی ہے۔ تھوڑے دن بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ اسقلینوس کا کہنا پورا ہو کر رہا۔

بھی نحوی کا بیان ہے کہ کتب قدمار سے معلوم ہوتا ہے کہ علم طب کا اختراع اسقلینوس ہی سے ہے اُس کے بعد جالینوس تک جو خاتم الاطبا ہیں سات مشہور طبیب گذرے ہین۔

اوّل غورس۔ دوم ملیس۔ سوم مانیدش۔ چہارم افلاطون پنجم اسقلینوس ثانی۔ ششم بقراط۔ ہفتم جالینوس۔

اسقلینوس نے نوے ۹۰ سال کی عمر پائی جس مین سے چالیس سال متعلم اور پچاس سال عالم حضرت ادریس نے اس کو مملکت ایران کے لوگون کی تعلیم کیلئے روانہ فرمایا۔ اس نے شہر بابل کو اپنا مستقر کیا۔ باقی عمر خلق خدا کو صحت بخشتا تھا

کی جانب دعوت دینے مین صرف کی۔

اسقلینوس کا گندمی رنگ گھونگروالے بال گھنی داڑھی پستہ قد تھا ہمیشہ چلتے وقت دامن سمیٹے ہوئے رہتا۔ اور اکثر رویا بھی کرتا تھا۔ شاگردون نے اُس سے دریافت کیا کہ آپ کس لئے اکثر رویا کرتے ہین جواب دیا کہ رونا بہتر ہے ہنسنے سے۔

اور اپنے شاگردون کو نصیحت کیا کرتا کہ جو شخص اس بات کو معلوم کرے کہ زمانہ حادث ہے تو اُس کو چاہیئے کہ اپنی عمر ضائع نہ کرے۔ کہ سالک مثل چکی کے پاٹ کے ہے کہ ہمیشہ چلتا ہے لیکن اپنی جگہ سے نہین ٹلتا اور بے عمل عالم گدہے کے مانند ہے کہ جو بے فائدہ بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے مطلب کا فوت ہونا اچھا ہے نااہل کے آگے عرض حال سے۔

جو شخص اچھی بات نہ سمجھے اور اُس کو نہ مانے اُس کو تعلیم کا دینا نادانی ہے۔ اُس شخص سے بہت ہی تعجب ہے کہ مرض سے بچنے کے لئے اغذیا سے پرہیز کرتا ہے اور گناہون سے باز نہین رہتا۔ حالانکہ اُس جہان کیلئے گناہون کا انبار کر رہا ہے۔

اسقلینوس کے بارہ ہزار شاگرد تھے جب اُس کا انتقال شہر بابل مین ہوا تو اُس کی قبر پر ایکہزار قندیل روشن کی گئین۔

حکیم یوزاسف

یوزاسف عجم کے مشہور حکیمون سے گذرا ہے یہ حکیم ہوشنگ شاہ فارس کے زمانے مین تھا صابئین کا مذہب اسی کی ایجادات سے ہی۔ اس حکیم کا دعویٰ تھا کہ مجکو القا ہوا اور اُس القا کو صابئین ادریس علیہ السلام کی جانب منسوب کرکے کہتا ہے کہ ستارے اور آسمان انوار مجردات کے پرتو ہین۔ اُن کی پرستش قرب الٰہی کا سبب ہے اور ہر ایک ستارے کے لئے ایک ہیکل بنائی اور اُسی ستارے کے شرف مین ایک طلسم تیار کیا ہر ستارہ کے لئے ایک مناسب صورت وضع کی۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ اس ستارہ کی یہ شکل مین نے عالم مثال مین دیکھی ہی۔ اور لوگون سے کہا ہر وہ دن کہ جس ستارے سے منسوب ہی اُس روز صاف کپڑے پہنکر اُس ستارے کی ہیکل مین جائین اور عبادت کرین۔ اگر بادشاہ سے کچھ حاجت ہو تو اُسی ہیکل کے خدام کے ذریعۂ معروضہ داخل کرین۔

ہر ہیکل مین ایک رہتا تھا جو صبح سے شام تک دسترخوان بچھائے رکھتا جو شخص چاہتا بلاتکلف کھانے سے فارغ ہوتا کوئی اُسکو مانع نہوتا تھا اور ہر ہیکل مین شفاخانے بھی تھے جو شخص بیمار ہوتا بذریعۂ نجوم کے یہ دریافت

کیا جاتا کہ اُسکا مرض کس ستارے سے نسبت رکھتا ہے۔ اُس ہیکل کے متعلق شفاخانے مین اُسکو روانہ کردیتے وہان کے خدام و ملازمین اُسکی خدمت و علاج نہایت ہمدردی سے کرتے۔

لکھا ہے کہ زحل کی ہیکل سیاہ پتھر کی تھی اُس مین ایک سنگین تصویر نصب تھی جس کا سر بندر کا دُم خنزیر کی تھی۔ سر پر تاج تھا۔ دست راست مین پروزین دست چپ مین اس گنبد کے خادم حبشی سیاہ فام تھے اُن کے ہاتھون مین لوہے کی انگشتری تھی۔ اُس گنبد مین بخور کے لئے ایلوا اور اسی قسم کی چیزین جلایا کرتے تھے اور وہان کے مہانسرا مین تند و تلخ غذائین رہا کرتی تھین۔

زحل کے گنبد کے اطراف مشائخین وہا تین اہلِ تصوف و مہندس و ساحر و کاہنین کا مسکن تھا اور یہ لوگ سیاہ لباس پہنا کرتے تھے۔

مشتری کی ہیکل خاکی رنگ کی تھی مشتری کی شکل انسان کے مانند چہرہ کرگس کا سا۔ اُس کے سیدھے ہاتھ مین دستار اور بائین ہاتھ مین آبگینہ کی ابریق۔ اس ہیکل کے خدام سبز رنگ کے تھے۔ اُن کا لباس زرد و سفید ہوا کرتا تھا۔ انگشتری عقیق و نقرہ پہنا کرتے تھے۔ اس ہیکل مین جب اطعام یا اُسکی سی چیزین جلا کرتی تھین۔ اُس مہانسرا کی غذائین لذیذ و شیرین خوشنما ہوتی تھین۔ اُسی ہیکل مین علما و فضلا وزرا و حکام رہا کرتے تھے۔

اکثر طالب علم اسی گنبد مین کسب علم حکمت الٰہی کیا کرتے تھے ۔

مریخ کا گنبد سرخ پتھر کا تہا۔ مریخ کی تصویر کے سر پر سرخ تاج رکھا ہوا تھا اُس کے دست راست مین خون آلود برہنہ تلوار دست چپ مین خون ٹپکتا ہوا سر تہا۔

مریخ کی ہیکل کے خدام سرخ لباس اور ہاتھ مین تانبے کی انگشتری پہنے رہتے تھے۔ سندرس کا بخور اس گنبد مین جلایا جاتا تھا اس ہیکل کی مہمانسرا مین تند و تلخ طعام دسترخوان چنا رہتا اور اس کے اطراف سپاہی رہا کرتے تھے ۔

آفتاب کا گنبد نہایت عظیم الشان تھا۔ لکھا ہی کہ وہ سونے کی اینٹون سے بنایا گیا تھا۔ اُسکا اندرونی حصہ یاقوت والماس سے مرصع تھا آفتاب کی تصویر زرین تھی۔ اُس تصویر کے دو سر تھے۔ سر پر یاقوت کا تاج رکھا ہوا تھا۔ اُسکی نباتات شاخین تھین۔ ہر شاخ قیمتی جواہر سے مرصع تھی۔ آفتاب کی شکل انسان کے مانند دُم مسلم کی سی۔ گردن مین زرین کلاوہ پڑا ہوا دست راست مین زرین عصا تھا۔ یہ شکل گھوڑے پر سوار تھی ۔

اس گنبد کے خدام زرین بگلوس۔ زربفتی لباس سے آراستہ رہتے تھے۔ یہان عود و لوبان کا بخور ہوتا تھا۔ یہان کی مہمانسرا مین غذائے تلخ و تند رہا کرتی تھی اس گنبد کے اطراف شاہ و شہریارون کا مسکن ہوتا تہا۔ باقی آئندہ

عیسیٰ

تعصب

تعصب پر مضمون لکھنے کے لئے قلم اُٹھانا بادی النظر مین آسان معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت مین نہایت مشکل ہے کیونکہ اس لفظ کے معنی اہل لغت سے جو لکھے ہین مشہور و معروف معنی سے مختلف ہین تعصب کے معنی لغت مین "حمایت کردن۔ یاری دادن و پشتی کردن" کے ہین اور بعض لغات مین تعصب کے معنی "طرفداری و استواری و خویشاوندی" بھی مرقوم ہین۔ اور عرف مین تعصب اُس مذموم عادت کا نام ہے جس سے آدمی دوسرے کے افعال و اقوال حرکات و خیالات غرض ہر بات کو بُری نگاہ سے دیکھے خواہ وہ حقیقت مین اچھے ہی کیون نہون اس کا یہ منشا نہین ہے کہ ہم کسی دوسرے شخص کی نسبت اُسکے خیالات اور رایون سے متعلق اپنی راے ظاہر نہ کرین اس خیال سے کہ اگر اُس کے خلاف ہوگا تو وہ تعصب کے معنون مین شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ ایسی نکتہ چینیان جو واقعی ہون اور کوئی وجہ درمیان مین ایسی ہو جس سے خواہ مخواہ خلاف ہی کہا جائے جائز اور درست ہین۔ بلکہ ایسی ہی نکتہ چینیون کی بدولت کھوٹے کھرے مین امتیاز کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ حق و باطل

کا انکشاف ہوتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر ایسی نکتہ چینیان نہ کی جائیں تو کمال وغیر کمال پردۂ خفا مین رہتا ہے۔ جاہل آدمی بھی کامل اور عالم سمجھا جاتا ہے اکثر خدا کے بندے ایسے بھی پائے جاتے ہین کہ وہ اپنے خلاف کچھ بھی سننا پسند نہین کرتے۔ جو کوئی اُن کے علم وعمل خیالات و عادات کی مخالفت نیک نیتی سے کرے اُسے وہ متعصب سمجھتے ہین مگر ایسے لوگ اپنے اس فعل سے خود جاہل اور نا اہل سمجھے جاتے ہین۔ کثرت سے ایسے لوگ وہی ملین گے جو واقع مین کچھ نہ جانتے ہون گے اور خواہ مخواہ اپنے کو فاضل اور علامہ ظاہر کرتے ہون گے۔ بہر نوع تعصب کے یہ معنی نہین ہین۔ واقعی نکتہ چینی کرنے والا شخص متعصب نہین کہا جا سکتا۔ ہماری قطعی راے یہ ہے کہ حد اعتدال سے اگر مخالفت باہر نہو اور خلوص کے ساتھ ہو تو بُری نہین ہے افراط و تفریط کے درجے مین جو نفسانیت پر دال ہو بیشک سخت معیوب ہی اور اُسی کا نام تعصب ہے۔

تمام بُرے خصائل و عادات مین تعصب انسان کے لئے نہایت بدتر عادت ہے۔ اس کمبخت کی بدولت انسان اشرف المخلوقات جس کی خلقت کی فضیلت کل مخلوقات سے برتر اور تسلیم شدہ ہی وہ ایسے اعلیٰ درجے کے خطاب کا مستحق نہین رہتا اور ہمیشہ کے لئے دنیا مین تعصب کے ہاتھون حقیر اور ذلیل ہو جاتا ہے تعصب کا بُرا ہو اس کی بدولت عمدہ عمدہ مصلحتین گرانمایہ خیالات

بیش بہا عقائد مٹی میں مل جاتے ہیں اور متعصب آدمی ہزار لائق۔ ذکی۔ فہیم۔
ہوشیار۔ عالم۔ فاضل ہی کیون نہ ہو مگر تعصب کے ہاتھون جو عدل وانصاف
اور دیانت وراستی کا خون ہوتا ہے وہ اُس کا وقار کھو دیتا ہے تعصب
کی وجہ سے انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ اپنے کو مذموم اور معیوب
حرکات وسکنات کے پھندے سے نکال سکے۔ کیونکہ تعصب اُسکی عقل پر
پردہ ڈالدیتا ہے۔ برُے بھلے کے پہچاننے کی قدرت باقی نہین رہتی۔

اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ متعصب کسی کام کو نہایت مفید اور حسب دلخواہ
اور عام پسند سمجھتا ہے مگر محض تعصب کے باعث اُس کے اختیار کرنے کا
قصد نہین کرتا۔

انسان اپنی طاقت بھر کوشش کرنا اور اُس سے فائدہ حاصل کرنا اور
اپنے سیکھے ہوئے علوم وفنون کو دوسرون تک پہنچانا فرض عین ہے بنی نوع
انسان کے دلون کو معلومات سے بھر دینا۔ جہالت کی تاریکی کو نورِ علم سے
مٹا دینا۔ دلون کو عقل وعلم کی روشنی سے پاک وصاف کرنا بلاشبہ سرمایۂ
سعادت دارین ہے مگر متعصب تعصب کے ہاتھون ان تمام اعلیٰ مقاصد سے
محروم رہتا ہے۔ تعصب اور رشک وحسد میں جو فرق ہے وہ ذی فہم پر پوشیدہ
نہین ہے۔ تعصب کا مرتبہ کئی حصّے بڑھا ہوا ہے۔

حاسد آدمی کا صرف یہ خاصہ ہے کہ اُسکو کسی کی تعریف کا سُننا۔ کسی کی ترقی کا

دیکھنا شاق ہوتا ہے اور متعصب شخص ساتھ اس کے یہ وصف بھی رکھتا ہے
کہ اپنے اور اپنے خاص لوگون کی فضیلت و تائید مین اس قدر حد سے
بڑھ جاتا ہے کہ دیانت اور انصاف اور حق پسندی مین سے کسی کا وجود
باقی نہین رہتا۔ غرض رشک وحسد کو تعصب لازم نہین ہے اور تعصب رشک و
حسد پر بھی حاوی ہے۔ تعصب کا ظہور کئی محل پر ہوتا ہے ایک تو ہم فنی اسکی
علت ہوتی ہے متعصب چاہتا ہے کہ صرف ہماری اور ہمارے جتھے والونکی
سرسبزی ہو اور باقی اور ہم فن خاک مین ملا دئے جائین۔ خواہ اُن کا کمال
کیسا ہی قابلِ قدر ہو۔ میر انیس نے سرزمین سخن پر جو باغ لگایا ہے وہ دبیریون
کی نگاہ مین خارستان سے زیادہ وقعت نہین رکھتا اور انیسیون کے
سامنے اگر مرزا دبیر کا ایسا شعر بھی پڑھ دیا جاتا ہے ؎

لینا نہ منہ پہ ڈھال کہ ہستی حباب سے
دینا نہ آبرو کہ یہ موتی کی آب ہے

تو سوا اس کے کہ وہ منہ بنا کر رہ جائین داد دینے کا قصد بھی نہ کرین گے
دوسرے مذہب کا تعصب ہی۔ اس تعصب کا حد سے بڑھنا وہ بلائے بے درمان
ہے کہ جس سے ملک کے ملک تباہ ہو گئے ہین۔ شیعہ کی حکومت ہوئی تو سنیون کا
قلع قمع کر دیا اور سنیون نے قابو پایا تو اہل تشیع کی بنیاد مٹا کر رکھدی۔ اگر کسی
عیسائی نے کسی کے ساتھ احسان کرنا چاہا تو یہ معلوم ہونے سے کہ وہ شخص

مسلمان ہے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ مختصر یہ کہ جس کا بس چلتا ہے وہ اپنے ہمقوم کو غالب اور غیر کو مغلوب کر دیتا ہے۔

ہزاروں مستحق ایسے ہین کہ اُن کا استحقاق آفتاب کی طرح روشن ہے مگر اُن سے دیدۂ و دانستہ چشم پوشی کر کے استحقاق سے ہاتھ اُٹھا لیا جاتا ہی محض اس وجہ سے کہ وہ لوگ اپنے ہم مشرب نہین ہین۔ اور کثرت سے غیر مستحق ہم مذہبی کی وجہ سے مورد احسانات و عنایات ہو رہے ہین۔

ہمارے نزدیک مذہبی تعصب مین محمود جو بات ہے وہ یہ ہے کہ نفسِ مذہب مین تعصب کیا جائے نہ کہ معاملات مین یعنی اپنے مذہب کو اعلیٰ و افضل جانے لیکن اُسکے ساتھ ہی کسی مذہب کو بھی بُرا نہ کہے اور نہ بُرا سمجھے ہان اگر اور مذاہب سے اپنے مذہب کو فاضل تر سمجھتا ہے تو خیر اس حد تک بُرا بھی نہین۔ اگرچہ یہ بھی انصاف سے بعید ہے لیکن انتظامِ دنیوی کے لئے اس کی ضرورت ہے بشرطیکہ غلو نہ ہونے پائے۔ باقی معاملات اور برتاؤ مین مذہبی تعصب کو دخل دینا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنتا ہے۔ تیسرے ملک کا تعصب ہے۔ سوا اپنے ملک کے اور کہین کا آدمی پسند نہین آتا۔ سو سو طرح سے وہ اپنے کمالات دکھاتا ہے اور وہ کمالات مسلّم ہین۔ ہزار ہزار پہلو سے وہ اپنا حق ثابت کرتا ہے اور وہ حق مسلّم ہے مگر ہائے رے تعصب کہ نہ اُس کے کمال کی قدر کی جاتی ہے

نہ اُس کا استحقاق مانا جاتا ہے فقط اس جرم پر کہ وہ شخص غیر ملک کا
رہنے والا ہے۔

اچھے بُرے ہر جگہ ہوتے ہین بوجہ انصاف کا گلا کھونٹنا کیا ضرور
ہے۔ جو اچھا ہے وہ اچھا ہے خواہ کوئی ہو ع

مثلِ نیک ہر دکان کہ باشد

ایک ملک کے ادنیٰ و اعلیٰ شریف و ذلیل سب کے سب پاک طینت
راست باز۔ لایق و فایق دیندار ہون اور دوسرے ملک کے جتنے ہین سب
سزاوار دار ہون یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

ایک عمدہ کلام سُنکر لوگ پھڑک گئے۔ لوٹ گئے۔ وجد آگیا۔ واہ وا
سے مکان گونج اُٹھا مگر ایک آن کے بعد اس کلام کی وقعت جاتی رہی
بالکل سناٹا چھا گیا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ کلام اس شخص کا ہی جو غیر جگہ
کا باشندہ ہی لاعلمی سے اس پر وجد آگیا۔

کوئی شک نہین کہ آپ قابلیت و لیاقت کی جولانگاہ مین معرکہ آرا شہسوار ہین آپکے گرانمایہ
کمال کی قدر کرنا آپکا اعتبار ماننا ہر حال مین لازم اور ہر ایک پر واجب ہے پہلے
آپ تھے دوسرا۔ مگر جب ہم یہ تحقیق کرینگے کہ جن سے آپ مستفیض ہوئے ہین اُنکا نام مُنہ سے کیون
نہین لیتے تو یہی ثابت ہوگا کہ اسکا سبب تعصب ہے۔

شاد عفی عنہ

طفلی؟

طفلی نہین گئی مری راحت چلی گئی
افسوس کھیل کود کی ساعت چلی گئی

بیفکریون مین خوب گذرتی تھی زندگی
وہ کیا چلی گئی کہ مسرت چلی گئی

رہتی تھی فکر بھی تو فقط کھیل کود کی
وہ ولولے وہ شوخ طبیعت چلی گئی

آوارگی مین کٹتے تھے ایام زندگی
وہ موسم بہار وہ فرحت چلی گئی

ہر بات مین وہ اپنے بزرگون سے روٹھنا
اب رونے دہونیکی بھی وہ عادت چلی گئی

ہر پھر کے گلیون کوچون کی کرتے تھے سیر ہم
سودا گیا وہ سر سے وہ وحشت چلی گئی

رہتا تھا شوق کھیلنے کا ہاے رات دن
وہ آرزو وہ شوق وہ حسرت چلی گئی

لڑنا جھگڑنا کوسنے دینا برے بھلے
افسوس ساری دل سے شرارت چلی گئی

اترائین اس شباب پہ ایسے تو ہم نہین
طفلی تری جدائی قیامت سے کم نہین

لیتے تھے ہمکو شوق سے گود مین نازنین
ماں باپ اپنے سینے سے بھی رکھتے تھے قرین

تیری طرف سے سب کی عنایت یہ ہمپہ تھی
تو کر گئی ہی جیتے جی ہمکو غضب حزین

پیشانی پہ بھی چومتے تھے جسکو اقربا
رخسار پہ ہین جنکی ادائین تھین دلنشین

یہ زلف جسکے پیچ مین دل تھے تمام کے
آنکھین یہ ہین کہ شیفتہ تھے جنپہ مہ جبین

یہ قد کہ جس پہ ہائے قیامت نثار تھی
یہ حسن جسپہ کہتا تھا صانع بھی آفرین

کرتا تھا ہمسے پردہ نہ کوئی وہ دن بھی تھے
اب ہمکو دیکھ دیکھ کے چھپتے ہین سب حسین

ہم جانتے تھے عمر کٹیگی نشاط مین
کسکو خبر تھی ہونگے پریشان دل حزین

یہ ہاتھ ہین گلے مین حسینون کے ہار تھے
وہ میٹھی باتین غیر بھی جن پر نثار تھے

رخصت ہوئی ہی تو کہ غضب کا ہی سامنا
آتے ہین یاد ہای وہ انداز وہ ادا

محسن ہم اپنا تجھکو سمجھتے تھے ہر گھڑی
کب جانتے تھے ہم سے تو ہو جائیگی جدا

کٹجائینگے نشاط مین عمر رواں کے دن
دائم رہیگا گلشن طفلی ہرا بھرا

باد سموم کی ہمین ہر گز خبر نہ تھی
سمجھے ہوئے تھے چلتی رہیگی یونہین صبا

آیا شباب کیا کہ بنی اپنی جان پر
اب تیرا نام لینے سے آنے لگی حیا

افسوس اب وہ لطف نہین تیری دور کے
برباد کرنیکو ہمین آئی یہ بد بلا

اُستاد گر خفا کبھی ہوتے۔ تو دلمین ہم
کہتے تھے انکی شان مین کیا کیا برا بھلا

مانباپ کی تسلیان احباب کا وہ پیار
کس کا جگر تھا دیکھے جو ہو کر ادھر خفا

پڑھنا کہان کا کھیل مین کٹتے تھے رات دن
تو کیا چلی گئی کہ غضب سر پر آگیا

جھگڑے جہان کے کہتے ہین کسکو خبر نہ تھی
الفت کا نام کان سے اپنے سنا نہ تھا

رکھتا تھا خوب راحت و آرام سے فلک
معلوم تھا نہ عشق و محبت کا ماجرا

جانے دو جانیوالی کا اب ذکر کیا کریں | انسان ہو لکر نہو شکوے سے آشنا

جاتی ہی جا خدا ہی نگہبان ہے ترا
مدّاح جان و دل سے یہ ارمان ہی ترا

جذبات ارمان

مل بیٹھے ہین اربابِ سخن مین جاہل | محفل مین ہوئے پہونکی کانٹی شامل
حالت پہ یہ ٹھیک اُنکی مثل آتی ہے | لکھے نہ پڑھے نام محمّد فاضل

وہ غنچہ ہون بے کھلے ہوا افسردہ | کیا پوچھتے ہو کس کا ہون مین غم خوردہ
کیا بزم طرب مین رونے جاؤن ارمان | دل روزِ ازل سے ہو گیا ہی مردہ

لو صبح ہوئی نیّرِ اعظم پھڑ کا | رخصت ہوئی شب عیان ہوا ہی تڑکا
طفلی گئی ارمان جوانی آئی ہے | پیری مین تو ہوتا ہی اجل کا دھڑکا

ارمان

نتیجه فکر عالیجناب سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنته المتخلص به شاد تلمیذ حضرت آصف غفران مکان

خطاب به نفس

اے نفس زبون تجھے ہوا کیا — پیدا کیا جس نے اسکو بھولا
تا کے یہ غرور خود نمائی — تا کے یہ جفا یہ کج ادائی

تا کے دنیا کے حرص و ارمان — کچھ یاد تو کر تو اس کے احسان
تو رزق معین اس سے پا کے — ہوتا ہے منحرف خدا سے

او نفس بس اب تو کچھ حیا کر — کرتا ہے گنہ اسے دکھا کر
خلاق خبیر جانتا ہے — سامع ناظر تو مانتا ہے

سرکش تو اسی سے بیخبر ہے — کیون تجھکو غرور اس قدر ہے
اس نے تجھے کیا سے کیا بنایا — وہ تجھکو کہان کہان سے لایا

کیا کچھ نہ دیا خدا نے تجھکو — ذی عقل کیا خدا نے تجھکو
خدمت کو تری کئے مقرر — مہر و مہ و آسمان و اختر

دن رات ترے لئے بنائے — کیا کچھ نہ تجھے ہنر سکھائے
راحت کے کئے ہیں جمع اسباب — دی زینت تجھے نعمتیں بھی نایاب

ملتی ہے غضب مین رحمت اُس کی | کرتا نہین وہ کسی پہ سختی

کھینچے کہین تیغ قہر وہ گر | ہو نہ زمین ہو چرخ اخضر

تو اپنے ہی پر قیاس اب کر | پیش آتا ہی اپنون سے تو کیونکر

سرکش جو ہو تجھ سے تیرا فرزند | کر دیتا ہے اُسکو تو نظر بند

مان باپ کو تو دکھائے آنکھین | غصہ کی نظر سے گر وہ دیکھین

بیوی سے اگر کوئی خطا ہو | غصہ کرے بد کہے جدا ہو

کرتا ہے خطا جو تیرا نوکر | کر دیتا ہے گھر سے اُسکو باہر

گر دوست سے ہو گیا تو بدظن | ہو جاتا ہے اُسکا تو ہی دشمن

ہر چند کہ تو ہو باسلیقہ | لیکن ہے یہی ترا طریقہ

اب حق کے کرم پہ کچھ نظر کر | جو ہے ترا مالک اور داور

کرتا ہے گنہ تو اُس کے دائم | وہ اپنے رحم پہ ہے قائم

غافل ہے تو اُس سے وہ خبردار | حافظ ہے مدام تیرا داور

تو لاکھ گنہ کرے مکرر | کرتا نہین بند رزق کا در

ہے تیرے گناہ کا وہ ناظر | کرتا نہین غصہ پھر بھی ظاہر

تو نے اُسکو کیا فراموش | تجھے وہ نہین ہوا فراموش

تو اُسکو خدا نہین سمجھتا | پر وہ تجھے جانتا ہے بندا

کرتا ہے تو جب بے شمار عصیان | ہوتا ہی نہین کبھی پشیمان

حق بخشے تجھے جو مال و دولت
ہو کفر کا قول لب پہ تیرے
لیکن وہی ایک حق سے ہے ایسا
دیتا ہے تجھے دو بے طلب رزق
کفرِ نعمت نہ کر تو ہر آن

دن رات کرے تو عیش و راحت
رزّاقیِ حق سے دل کو پھیرے
اُسپر بھی سے ہے تجھکو رزق دیتا
یون دیتا ہے کوی بے سبب رزق
وہ تیرا خدا ہے جان پہچان

دل شاد رہے ہمیشہ میرا
ہو شاد کے دل مین جلوہ تیرا

چند ضروری قواعد

(۱) رسالۂ تزک عثمانیہ بہ سرپرستی عالیجناب معلی القاب ہز اکسلنسی مہاراجہ رایان راجہ کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنتہ جی سی۔ آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی المتخلص بہ شاد تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمہ ہر ہلالی کے ہفتۂ اولی میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) عام رسالوں کی طرح اسکی سالانہ قیمت مختلف تعداد میں نہیں رکھی گئی ہے کہ عام امراء رسا و والیان ملک سے علی قدر مراتب لیجائے بلکہ مذاق علمی میں آسانی و اضافہ کرنے کے لئے ایک قیمت رکھی گئی ہے یعنی دو سٹے سالانہ علمی انجمنوں اور لائبریریوں کو منجانب سرکار مہاراجہ بہادر اور ممبروں و مضامین نگاروں کو منجانب مہتمم مفت دیا جائیگا۔

(۳) جوابطلب امور کے لئے آدہ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیے ورنہ جواب نہ بھیجنے کی شکایت معاف۔

(۴) اگر کوئی صاحب ازراہ عنایت اپنا کلام بھیجنا چاہیں تو اپنے نام مقام کے پتے کے ساتھ ماہ ہلالی کی ۱۵ تاریخ تک خوشخط لکھکر بھیجیں۔

اخلاقی تاریخی۔ تمدنی مضامین ہوں۔ مذہبی مباحث یا پولیٹکل مضامین بھیجنے کی زحمت فرمائیں جس مضمون کا طبع کرنا مناسب نہ سمجھا جائیگا وہ نہ طبع ہوگا نہ واپس۔

(۵) جملہ خط و کتابت وغیرہ بذریعہ مہتمم و یا ایڈیٹر رسالۂ تزک عثمانیہ ہونی چاہیے۔

ایڈیٹر ثاقب بدایونی

تزک عثمانیہ

جلد نمبر ۵ — ۱۳۲۵ فصلی

انتیسویں سالگرہ مبارک اعلیحضرت قدر قدرت جہان پناہ ظل سبحانی نظام الملک آصفجاہ نواب میر عثمان علیخان بہادر جی سی ایس آئی فرمانروای ملک دکن کی

مبارک یادگار میں

بسرپرستی عالیجناب راجہ راجایان راجہ کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جی سی۔ آئی۔ ای پیشکار و سابق مدار المہام کار عالی

تلمیذ حضرت آصف جنت مکان

محبوب پریس علاقہ پیشکاری سے شایع ہوا

فہرست مضامین تزک عثمانیہ جلد (۱) نمبر (۵)

عرب کا گھوڑا

عرب کا گھوڑا عربستان کے تمام جانورون مین ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ کسی ملک کا گھوڑا عرب کے گھوڑے کی برابری نہین کرسکتا۔

عربی گھوڑا قوی اور نازک مزاج چست و چالاک اور اپنی آزادی کے گھمنڈ مین چور رہتا ہے جس وقت وہ چراگاہ مین کھلے بند پھرتا ہے تو شکل و صورت مین اس سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نظر نہین آتی اور نہ اوصاف مین زیادہ کامل سادہ اور چھوٹا سا سر۔ تیز پتلیان۔ پھولے ہوئے نتھنے۔ گردن اونچی۔ کمر پتلی۔ پٹھا کسیقدر لمبا۔ دم پیچھے کو اُبھری ہوئی۔ پیر پتلے اور پھرتا نازک مزاج۔ غریب۔ تربیت پذیر۔ جاندار۔ کم خوراک۔ تیز رفتار۔

یہ اوصاف ہین جنکی وجہ سے عربی گھوڑا نہ فقط صورت شکل مین تمام دنیا کے گھوڑون سے گوے سبقت لیجاتا ہے۔ بلکہ سیرت مین بھی یورپ کی بہترین نسلون پر فوقیت رکھتا ہے۔ عربستان کے بدوی گھوڑون کی پانچ نسلون کو بہت مانتے ہین جو حضرت رسالتمآب صلعم کی پانچ گھوڑیون کی اولاد ہین۔ جب کوی عمدہ

نسل کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو خیمے مین چند اشخاص گواہی کیلئے جمع کئے جاتے ہین اور انکے
سامنے پیدایش کی تاریخ اور مان کا نام اور اُس کا خاندان ایک کاغذ پر لکھا جاتا ہے
اس شجرہ پر گواہون کی مُہرین ہونے کے بعد وہ ایک تانبے کی ڈبیا مین بند کر کے
بچے کی گردن مین لٹکا دیا جاتا ہے۔ اُس تاریخ سے وہ بچھیرا ابھی منجملہ اُن بیش بہا صبا رفتارون
کے گنا جاتا ہے جنکی وجہ سے بارہا دو قبائل عرب مین باہم جنگ ہوا کی ہے ۔
ریگستان عرب مین اکثر اوقات سپاہی کی جان گھوڑے کی تیزی کی وجہ سے
بچا کرتی ہے۔ ایک محقق سیاح لکھتا ہے کہ ۱۸۱۵ء مین دروزون کے ایک گروہ
نے جنکے گھوڑے نہایت تیز تھے حوران کے (جو مضافات دمشق کے عرب مین
ایک خطّہ ہے) ایک قبیلہ عرب پر حملہ کیا اور اُن کو شکست دیتے ہوئے اُن کے
پڑاو تک لا پہنچایا وہان یہ بیچارے بدوی چارون طرف سے محصور ہو گئے اور
باستثنا ایک شخص کے ہر متنفس مارا گیا۔ یہ شخص اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر غنیم کی صف
مین سے ہوتا ہوا میدان کی طرف بھاگا اور چند سوارون نے جنکے گھوڑے نہایت ہی
تیز رفتار تھے۔ اسکا تعاقب کیا۔ کوہ و بیابان نشیب و فراز۔ آندھی کی طرح طے ہوتے
چلے گئے۔ لیکن غنیمون نے تعاقب نہ چھوڑا۔ غنیم سمجھے ہوئے تھے کہ دروز کی قوم نہایت
شدید الانتقام ہے اور انہون نے قسم کھالی تھی کہ ایک کو زندہ نہ چھوڑینگے۔ اس
فرار و تعاقب مین ایک شبانہ روز گذر گیا۔ بالآخر دروزون کو گھوڑی کی تیز رفتاری
پر اس قدر حیرت ہوئی کہ وہ اپنے غصّے کو بھول گئے اور عرب کی جان بخشی کی اور اسکو

قسم دی کہ ٹھہر جائے تاکہ وہ گھوڑے کی پیشانی کو چومین۔ عرب راضی ہوا۔ دروزون نے
اُسکو چھوڑ دیا اور وہ مشہور الفاظ جو اُن مین ضرب المثل ہین اُس سے کہے "پہلے اپنے
گھوڑے کے پیر دھوئے پھر خود پانی پی"۔

وہ اسکے گھوڑے اور اسکی شہسواری سے جنھون نے اُنکو اتنا پریشان کیا اسقدر
خوش ہوئے کہ ان الفاظ مین اپنا اظہار مسرت کیا۔

اسی طرح عرب کے دو قبیلون مین باہمی ازدواج پر کچھ شکر رنجی ہوگئی۔ اور یہ شکر رنجی
بڑھتے بڑھتے عداوت کی حد سے گذر گئی۔ دونون طرف ہتھیار اُٹھ گئے۔ لڑکی کے
باپ کے پاس جو شیخ القبیلہ تھا ایک صبا رفتار گھوڑی تھی اور چھ سات مہینے کا اس کا
بچہ۔ لڑکے کے باپ کے پاس جو وہ بھی شیخ القبیلہ تھا۔ اُسی نسل کا ایک گھوڑا تھا
جس نسل کی یہ گھوڑی تھی۔ اتفاقاً گھوڑی مع بچّے کے چراگاہ سے غائب ہوگئی۔
اور دو تین روز تک اسکا پتہ نہ لگا۔ گھوڑی کے مالک کو نہایت رنج تھا۔ اس نے اپنے
عزیزون کو جمع کیا اور کہا "تم مجھے اِس بارہ مین کیا مشورہ دیتے ہو؟ مین چاہتا ہون کہ مین
فلان شخص (دشمن) کے پاس جاؤن اور اُسکا گھوڑا لیکر اپنی گھوڑی کو تلاش کرون"
عزیزون نے بہت زور کے ساتھ اُس کے اس خیال کی مخالفت کی مگر اُس نے نہ مانا
رات کے وقت اپنے حریف کے مکان پر آکر دستک دی۔ اندر سے پوچھا گیا۔ کون ہے
اُس نے جواب دیا کہ مین ہون۔ مالک مکان اسکا نام سُنتے ہی بیتابی کے ساتھ باہر
نکل آیا اور نہایت تپاک کے ساتھ مِلا۔ اِس نے اپنی حاجت پیش کی۔ میزبان پر اس سے پہلے

کبھی ایسی حیرت طاری نہ ہوئی تھی۔ اس نے سائیس کو حکم نہین دیا بلکہ خود اصطبل سے گھوڑا
لاکر اُسکی باگ اسکے ہاتھ مین دیدی گو اسکے عزیز مخالفت ہی کرتے رہے۔ یہ شخص اس
گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی گھوڑی کی تلاش مین چلا اور سُمون کے نشان دیکھتا ہوا
دوپہر کے وقت ایک جنگل مین گھوڑی کو معہ اسکے بچے کے چرتا ہوا پایا۔ اِس نے
گھوڑی کو اسکا نام لیکر پکارا۔ مگر وہ گھوڑی آہوئے رسیدہ کی طرح چوکڑی بھرتی ہوئی
بھاگی۔ اس نے تعاقب کیا۔ ایک شبانہ روز وہ گھوڑی مع اپنے بچے کے اپنی
فطری تیز رفتاری سے کام لیا کی آخر اسکا بچہ تھک کر گر گیا اس شہسوار عرب نے اسکے
قریب جاکر اپنے عمامہ سے اسکو باندھکر چھوڑ دیا اور پھر اس گھوڑی کا تعاقب کیا۔
آخر وہ گھوڑی ایک دن کا راستہ طے کرنے کے بعد ایک مقام پر خود بخود کھڑی
ہوگئی۔ یہ شخص قریب گیا۔ گھوڑے سے اُتر کر اپنی گھوڑی کی گردن مین ہاتھ ڈال کر
اسطرح رویا جسطرح کسی بچھڑے ہوئے عزیز سے ملکر روتے ہین۔ اور اسکو چمکارتا پیار کرتا
اس مقام پر لایا جہان اسکے بچے کو چھوڑ گیا تھا۔ مکان پر واپس آکر اپنی لڑکی کو بیانہ مین
بٹھا کر احسانمندانہ شکر گزاری کے ساتھ اسکا گھوڑا اور بیانہ اپنے حریف کے پاس
بھیجدیا۔

عربی گھوڑون کے مندرجہ بالا واقعات پر اسقدر اضافہ اور کرنا چاہتا ہون کہ اس
گھوڑے مین دو ہی چالین ہین۔ ایک تو قدم دوسری پوئی۔
عرب گھوڑے کی الفت اپنے مالک کے ساتھ مشہور ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گھوڑے سے

اُتر کر انہون نے لگام گردن پر ڈالدی ہے اور گھوڑے نے اپنی جگہہ سے جنبش نہین کی ہے۔ اگرچہ گھوڑا عربستان مین اسقدر بکار آمد جانور ہے لیکن عام نہین ہے ۔ اِس کا باعث یہ ہے کہ اونٹ ہر حصّے مین نشو ونما پا سکتا ہے۔ بخلاف اسکے گھوڑا اُن ہی خطون مین ہوتا ہے جہان اسکے مذاق کے موافق چارہ ہوتا ہے۔ جیسے عراق عرب ۔ شام ۔ نجد وغیرہ ۔ نجد وہ خطہ ملک کا ہے جہان کا گھوڑا سب سے زیادہ قیمتی اور عمدہ ہوتا ہے ۔

عرب کے کل جانورون مین دو ہی ایسے جانور ہین جو انسان کے لئے بہت بکار آمد ہین۔ گھوڑا اور اونٹ ۔ اونٹ تو گویا خاص الخاص عربستان کا جانور ہے اور اسکے بغیر اس ملک کے صحراؤن کا قطع کرنا محالات سے ہے۔ اِسکی کم خوراکی اُس کا مدتون پانی کے بغیر زندگی بسر کرنا محنت کی برداشت اور طاقتِ جسمانی۔ یہ وہ خاصیتین ہین جنکی بدولت کیا بلحاظ جانور سواری اور کیا بلحاظ جانور باربرداری کوئی دوسرا چارپایہ اسکا مقابلہ نہین کر سکتا۔

حلب سے بصرہ تک کے صحرا کو ایک اونٹ چھ من سے زیادہ کا بوجھ لیکر اور بہت ہی تھوڑے چارے کے سہارے پر بآسانی قطع کر لیتا ہے ۔

اونٹ حقیقت مین نہایت ہی کم خوراک جانور ہے اور ایسی چیزین کھا کر جیتا ہے جنپر دوسرے جانور ہرگز زندگانی بسر نہین کر سکتے۔ جب کبھی اونٹ کو اطمینان کے ساتھہ بڑے بڑے کانٹون سمیت ناگ پھنی کے پتونکو (جو راہ کے دونون طرف ہوا کرتے ہین) چباتے ہوئے دیکھا جاتا ہے تو سخت حیرت ہوتی ہے ۔

شاد عفی عنہ

اُردو کی کایا پلٹ

اے اہلِ درد سُن لو کچھ داستاں ہماری ہندوستان کے ہم ہیں اُردو زبان ہماری

اگر تاریخ السنہ کو ذرا بھی گہری نظر سے دیکھا جائے تو ایسی صدیاں ضرور ملیں گی جن میں کسی نہ کسی حصۂ زمین پر ایک نہ ایک نئی زبان کی بنیاد پڑی ہو۔ یا بہ الفاظ دیگر زمانے کے بعض بعض دورا ایسے بھی نظر آئیں گے جن میں کسی قوم کی مجموعی قوت سے ایسے بچے نے جنم لیا ہو۔

مگر عمر طبیعی اُسی کو نصیب ہوئی جس نے کسی سلطنت یا حکومت کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ مابقی حشرات الارض کی طرح چند ہی روزہ دنیا کی ہوا کھا کر نیست و نابود ہو گئے۔ گر اُن میں سے بعض بعض کا وجود صفحۂ ہستی پر رہا بھی تو حرف غلط کی طرح کالعدم۔

زمین کے اور بڑے بڑے جزیرون یا جزیرہ نماؤن سے قطع نظر کر کے صرف بلاد ہند کے ہی مختلف چھوٹے بڑے قطعات کی سیر کیجئے تو ہر جگہ نئی بولیان یا نئی آوازین کان میں پڑینگی۔ جن مین اکثر اس قدر محدود ہونگی کہ اُسکے قریب تر حصے کے باشندے بھی بالکل نابلد پائے جائینگے۔ بلکہ بعض زبانون کے

نام سے بھی کان نا آشنا ہون گے۔ پھر اُن کا وجود حقیقت مین نگاہون اور وقیقہ سنج خیالون مین در جۂ شاذ سے زیادہ وقعت کیونکر رکھہ سکتا ہے۔

اردو سریع الفہم ہے

دنیا مین جسقدر زبانین اسوقت کم وبیش رائج ہین۔ عام اس سے کہ وہ انسانی ایجاد کردہ ہون۔ یا توفیقی باعتبار زمانہ یکے یا دیگرے مقدم ہون۔ یا موخر۔ اُن سب مین یہ مسئلہ ضرور قابل بحث و لائق غور ہے کہ سب سے زیادہ سریع الفہم کونسی زبان ہے جسکو ممالک غیر کے باشندے بھی بہ قدر ضرورت بہت جلد اور بہ سہولت تمام حاصل کرسکتے ہین۔

اگر ہماری راے غلطی نکرے تو غالباً ہمارے معاصر محققین السنہ ضرور ہمارا ساتھ دیتے ہوئے نہایت شدّ و مد سے کہین گے۔ کہ "اُردو" جسکو حقیقت مین نگاہین شاہجہانی بازار کا یوسف مان رہی ہین۔

ہمارے اس دعوے کی سب سے قوی حجت یہی ہے کہ "اُردو" کا بنیادی پتھر محض ایک قوم۔ یا ایک ملک کے باشندون نے نہین رکھّا۔ بلکہ جب لشکری لوگ دیار و امصار سے ہندوستان کے مرکز یعنی دہلی مین مجتمع ہوئے اور کاروبار روزمرہ مین بوجہ اختلاف زبان دقتین پیش آنے لگین۔ اُس وقت ہر زبان سے ضروری الفاظ اخذ کرکے اُردو کے اصلی ماخذ بھاشا مین اضافہ کئے گئے اور اِسی مخلوط زبان مین تمام کاروبار ہونے لگے

اگرچہ یہ ہردل عزیز زبان (قواعد وضوابط پر مبنی نہ ہونے کے باعث) ابتک عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ وغیرہ کی طرح اس پائے کو نہ پہنچی کہ لفظ علم سے تعبیر کی جائے۔ تاہم اُسکی تیز روی اسپنے ہمراہیون مین قابل امتیاز ہے۔

مذاق صحیح وعقل سلیم دونون ہمزبان ہوکر اس امر کی شہادت پر ہر لحظ تُلے ہوئے ہین کہ جس برقی رفتار سے ہماری پیاری اُردو نے دن دونی رات سوائی ترقیان حاصل کین اُسکی نظیر ہم چشمون مین بہت ہی کم نظر آئیگی اور کیون نہ ہو؟ اِس کا موجد شاہجہان سا اُولوالعزم بادشاہ۔ اسکے سرپرست ولی۔ میر۔ سودا۔ مصحفی۔ انشا۔ غالب۔ مومن۔ ذوق۔ ناسخ۔ آتش۔ مجروح۔ امیر۔ داغ۔ ظہیر۔ آزاد۔ علیہم الرحمہ سے کاملین فن و نقادان سخن تھے

یہی وہ حضرات تھے جنہون نے اس ہونہار بچے کو کنار عاطفت مین پرورش کیا

یہی وہ حضرات تھے جن کے فیض تربیت نے اس نونہال کا دامن ثمر مراد سے مالامال کیا۔

یہی وہ حضرات تھے جن کے فیض تعلیم نے اس نوخیز مہ جبین کو آسمان ادب کا ماہ چہاردہ بنادیا۔

یہی وہ حضرات تھے جنکی راہبری نے اس تازہ مسافر کو خضر راہ بنا کر بھولے بسرونکی ہدایت کا رستہ بتایا۔

اُنہین حضرات کی روشن دماغیون نے اسکو دور و دراز منزلون کی چمکتی دمکتی

فانوسون سے جگمگا دیا۔

اِنھین حضرات کی گُل کاریون سے رنگا رنگ کی نقاشیون سے اس قصر شاہجہانی کو رشک ارژنگِ چین بنا دیا۔

انھین حضرات کے بارِ احسان سے اُ ر د و دنیا کے باشندون کی گردنین ہمیشہ ہمیشہ جُھکی رہین گی۔

اِنھین مقدس حضرات کی بدولت چار دانگ عالم مین اسکا ڈنکا بج گیا۔

اِنھین کے پرتو سے اسکے روشن چہرے کو چار چاند لگے۔

آہ !! اے عالم ارواح کے نتھرے ستھرے پاک صاف زندگی بسر کرنے والو، تمہاری آنکھ پھرتے ہی اسکی انجمن کا چراغ مدھم پڑ گیا۔ تمہارا مُنھ مڑتے ہی اسکے آسمان کا چاند ماند ہو گیا۔

آہ !! اس محلات شاہی کی نازپروردہ نازک اندام کا پھول سا چہرہ بادِ مخالف کے تیز و تُند جھونکون سے پژمردہ ہو گیا۔

تمہارا سایہ۔ اس کے لئے ظلِّ ہُمائے تمہارا دامن اسکے لئے دامانِ رحمت سے کم نہ تھا تم کیا گئے کہ اپنی مایہ اپنے ساتھ لے گئے۔

اگرچہ تمہاری جیتی جاگتی تصویرون نے اسکو ابدالآباد کے لئے مُرقع چین بنا دیا ہے۔ تاہم وہ زبردست انقلاب جس نے اب اُردو کی دنیا کو تہ و بالا کر رکھا ہے۔ اور وہ ضرورتین جس کا احساس تمہارے بعد آنے والی نسلون کو

ہو رہا ہے۔ افسوس !! کہ اُن سے تمہارے دور رس اور دیرپا خیالات ناآشنا تھے۔

اے عالمِ علوی کی رہنے والی پاک روحو؟ اب زمانہ لاکھ کروٹین بدلنے پر بھی تمہین خوابِ راحت سے نہین جگا سکتا۔ کہ اس غریب کے دُکھ سُکھ سُنو، اور رحم کھا کر آئے دن کی بلاؤن کو اس کے سر سے ٹالنے کی تدبیر معجز نما تحریر اور سحر پرداز تقریر کے ذریعہ عمل مین لاؤ۔

ادھر سرکاری دفاتر مین ہندی اسکی بیخ کنی پر مستعد۔ اُدھر خانگی تحریر و تقریر مین انگریزی کا یہانتک تصرف کہ خود اسکی حامی انجمنون کے ممبر اپنے لکچر، اپنی رپورٹین بجائے اُردو کے انگریزی زبان مین ملک و مالک کے روبرو پیش کرنے پر زور دے رہے ہین۔ اور رات دن اپنی زبانِ مادری کے مٹانے پر آمادہ۔

غمِ صیاد و فکرِ باغبان ہے
دو عملے مین ہمارا آشیان ہے

خدا کرے کہ " تمہاری سچی اور پُرزور روحانی قوتین اب بھی اس عنقریب ڈوبنے والے بیڑے کے ساتھ ناخدا کا کام کرین۔

تمہارے قیامت تک ان تھک اور شل نہ ہونے والے بازو " اب بھی اس کشتی کو سہارا دے کر بھنور سے نکالنے کی کوشش کرین۔ کہ ہماری ملکی مشترکہ زبان پھر ساحلِ مُراد پہ پہنچکر اپنی لہلہاتی ڈہڈہاتی سبزہ زار کو با دِصرصر کے

خراب اور پامال کرنے والے جھونکون سے بچاتی خس و خاشاک کو ہٹاتی ہوئی اپنا دامنِ گلِ مدعا سے لبریز کرے۔

اب ہم سنسکرت اور فارسی کے دوبارہ جنم لینے کی مختصر سی کیفیت مثالا بہ ہدیۂ ناظرین بائمکین کرتے ہین۔

سنسکرت کا دوسرا جنم ہمیشہ سے زمانے کا یہی دستور ہے کہ "ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت" سنہ عیسوی سے ۵۴۳ برس پہلے (شاک منی) بانیِ بودھ مت کی سحر بیانی نے نہ صرف ملک ہند پر ہی اپنا قبضہ کیا " بلکہ " سنسکرت سی مضبوط اور مہذب کو جو بقول اہلِ ہند زبان الٰہی ہے۔ یہانتک مٹا یا کہ دفاتر سرکاری اور روزمرّہ معمولی و غیر معمولی تحریر و تقریر سے باہر نکالدیا۔ اور زبان ماگدھی کو اُسکا قائم مقام بنایا۔ تمام علوم و فنون کی تصانیف و تالیف اُسی مین ہونے لگی۔ درس گاہون اور کتب خانون مین بھی وہی نظر آنے لگی۔

کہین کہین کوئی راجہ مہاراجہ **وید** کا ماننے والا دبا چُھپا باقی رہگیا۔ جس نے سنسکرت کو سنبھالکر اپنی حفاظت مین رکھا۔

اگر زمانہ اور چندے کروٹ نہ بدلتا۔ اور **شنکراچاری سامی** بہ **بکرماجیت سا مہاراجہ**۔ اُسکی حمایت پر کمربستہ نظر نہ آتا تو آج ہماری کان سنسکرت کے نام سے ناآشنا ہوجاتے۔

بکرماجیت نے عنانِ حکومت ہاتھ مین لیتے ہی سب سے پہلے یہی زبردست

کام کیا کہ بڑے بڑے ذی علم برہمنون کو منتخب کر کے ملک کے ہر ہر گوشے مین روانہ کیا جنکی دلی کوششون نے کتھا یعنی وعظ کے ذریعہ اس نیم مردہ آسمانی زبان کو از سر نو زندہ کر دیا۔

فارسی کا دوسرا جنم اصلی فارسی جسکی تصانیف کا **ژند و اُستا** سے پہلے کوئی نشان نظر نہین آتا۔ اُسپر **اسکندر رومی** کی تیغ آبدار نے مذہب **زرتشت** آتش پرست کے فقدان کے ساتھ ہی ایسا پانی پھرایا کہ اس بچی کھچی کتاب کا ورق ورق صفحۂ دہر سے مٹانے مین کمی نہ کی لیکن دور زمانہ نے حسب عادت ایک زمانے کے بعد ساسانیون کا نیر اقبال چمکایا۔ جنہون نے اُس مٹے مٹائے مذہب کے ہمراہ **ژند و اُستا** کے بھی اوراق پریشان جہان جہان سے دستیاب ہو سکے بہم پہنچا کر فارسی کے قالب مُردہ کی مسیحائی کی۔ ورنہ آج اس زبان کا سراغ بھی نہ ملتا۔

زبانِ اُردو پیرا سے زنی اگرچہ کتب تواریخ کے مطالعے سے اور بھی زبانون کے متعلق اِس قسم کے حادثات کا پتا چلتا ہے۔ مگر چونکہ اِس وقت ہمارا اصلی مقصد محض زبانِ اُردو پیرا سے زنی کا ہے جسکی امداد مین مذکورہ بالا دونون زبانون نے بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ لہذا اور سب سے قطع نظر کر کے صرف اُنھین دونون کو تمیثلاً پیش کرنے پر اکتفا کیا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہماری میٹھی نیند سونے والی **قوم** ؎ اور ہماری خانہ جنگیون سے

فرصت نہ پانے والے اہلِ ملک کو بھی رفتار زمانہ نے پے در پے ٹھوکے دے دیکر زبان کی ضرورتین محسوس کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہانتک کہ ہندوستان کے بعض بعض چھوٹے بڑے شہرون مین اصلاح و ترقیِ زبان کے لیئے انجمنین قائم ہونے لگین اور ہر ایک انجمن مین اِن اغراض کی نسبت نہایت ہمدردی سے عملی کارروائیان بھی ظہور مین آنے لگین۔

یون تو ہم اُن تمام انجمنون کے بتہ دل سے مشکور ہین مگر خصوصیت کے ساتھ **انجمن ترقی اُردو** کا شکریہ ادا کرتے ہین جس کا مستقر اورنگ آباد ممالک محروسۂ نظام مین ہے۔ اور جسکے سکرٹری اب مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ ہین جنکی مساعیٔ جمیلہ ہر طرح قابلِ قدر ہین۔

انجمن مذکور مین تصانیف و تراجم کا سلسلہ اعلیٰ پیمانے پر جاری ہے۔ اللّٰہم زد فزدہٗ یوماً فیوماً فقط

ثاقب بدایونی

"فدوی کمتر الدولہ نوکر جنگ"

دیکھنا اس چیونٹی کو۔ خاک کے ذروں میں پانوں جمائے دانۂ گندم سے کشتی لڑ رہی ہے اپنے جسم سے تگنے چوگنے بوجھ کو شکست دیکر فتح کرنا اور قبضہ میں لانا چاہتی ہے۔
کوئی اس سے پوچھے کہ تو اتنی سی جان اور اسیر حرص و ہوس کی یہ کھینچا تان گیہوں کے دانہ کو کیا کریگی اپنے گھر میں جا۔ اور پرانہ اندوختہ کو پہلے کھا۔ اسکے بعد تازہ رزق کی تلاش کیجو۔
مگر اس فتنی کے کون منھ لگے۔ بڑی زبان دراز ہے اسکی ظاہری مسکینی اور عاجزی پہ نہ جانا۔ جتنی چھوٹی ہے اتنی ہی کھوٹی ہے۔ یہی وہ کیڑا ہے جس نے حضرت سلیمان کے لشکر پر نکتہ چینی کی تھی اور اپنی قوم کو آدمی اور اسکی بادشاہی کے خلاف لکچر سنایا تھا جسکو سنکر حضرت سلیمان کو ہنسی آگئی تھی۔
خیر اگر کچھ کہیگی تو سن لینگے مگر ایک دفعہ اس سے سوال تو کرنا چاہئے۔
آدمی۔ کیوں بی چیونٹی تم کو ڈر نہیں لگتا۔ لوگوں کی آمد رفت کے راستہ میں اتنی دیر سے دانۂ گندم کے ساتھ کش مکش کر رہی ہو اگر کسی کا پاؤں پڑ گیا تو بے موت مر جاؤ گی۔ نہ تم رہو گی نہ یہ دانہ۔
چیونٹی۔ جناب ہر چیز زندگی اور موت کے لئے پیدا ہوئی ہے جس کام میں

مشغول ہون یہ میری زندگی ہے۔اور جس سے آپ نے ڈرایا وہ موت ہوگی۔سو یہ دونون میرے وجود کے مقاصد ہین۔زندگی ملی تو واہ۔موت ہاتھ آئی تو واہ۔مقصد دونون مین حاصل ہو جائے گا۔اور نیچر کا منشاء ہر پہلو سے پورا ہوگا۔

آدمی۔یہ خوب کہا۔مرنا بھی کوئی مقصد حیات ہے۔آخر کو حیوان ہونا۔اور پھر موت بھی وہ کہ خود اپنی جان کو ہلاکت مین ڈالنا۔

چیونٹی۔میری عقل اور سمجھ بھی حیوانون کی سی ہے۔مگر ذرا اپنے گریبان مین مُنھ ڈال کر سوچو۔آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے کو مار ڈالا مگر یہ نہ سمجھ سکا کہ اس لاش کو کیا کرے اسلئے مُردہ کو کندھے پہ لئے پھرتا تھا۔آخر ایک کوے نے جو مجھ ہی جیسا حیوان تھا۔ایک کوے کی لاش کو دفن کرکے آدمی کو دفن کرنا سکھایا۔

شہد کی مکھی بھی میری طرح حیوان کیڑا ہے لیکن آدمی نے بادشاہی اور حکمرانی کے اصول اسی سے سیکھے۔

اے آدم کے بیٹے خدا کی مخلوق کو حقارت سے نہ دیکھ کہ خدا نے ہم سب کو حکمت سے نمودار کیا ہے۔

آدمی۔مین نے مانا کہ تم سمجھ دار ہو۔علم فلسفہ و منطق پڑھی ہوئی ہو۔میرا سوال تو فقط تمھارے فائدے کے لئے تھا اور صرف یہ غرض تھی کہ تمکو پامال ہونے کے خطرہ سے آگاہ کرون۔تم ایک فلسفہ لے بیٹھین۔نیچر نے تمکو جینے کے لئے پیدا کیا اور تم موت کو مقصد زندگی سمجھتی ہو۔

چیونٹی۔ آپ ناراض نہون۔ مین تہہ دل سے آپکی ہمدردی کے عوض مین تہنکیو وری مچ۔ کہتی ہون۔ مگر اس سے باز نہین رہ سکتی کہ اپنے مقصد حیات پر آپسے گفتگو نہ کرون۔

سنئے خدا نے تمام حیوانون کی زندگی کے تین مقصد بنائے ہین۔ ایک اپنی بقای عمر کیلیئے رزق کی تلاش۔ دوسرے آدمی کی خدمت۔ تیسرے وقتِ مقررہ پر مرجانا۔ مگر انسانی زندگانی کے بے شمار مقاصد ہین۔ آپکو شاید یاد نہ رہا ہوگا۔ سنئے مین بتاتی ہون۔ ہر زندگی کے دو حصے ہین۔ رزم اور بزم۔ رزم ایک آلہ اور سبب ہی بزم کا یعنی عام جاندار جنگ کر کے اپنی آسایش حیات کے لئے موقع بزم مہیا کرتے ہین ان جاندارون مین جسقدر حیوان ہین انکی رزم صرف محافظون سے بچنے اور اپنی معاش کی تلاش تک محدود رہتی ہی۔ اور بزم مین انکو فقط رات کا آرام اور نسل بڑہانے کی خوشی دی جاتی ہی باقی اور کچہ نہین۔

مگر انسان کو عقل۔ ہوش دیئے گئے ہین اور انکی ماتحت لا تعداد فرائض رکھے گئے ہین۔ آدمی کو فکر ملا ہی غم و الم دیا گیا ہی جس دور اندیشی عطا ہوئی ہی۔ اسواسطے اسکی زندگی کے مقاصد مین غم بھی ہی۔ خوشی بھی۔ رزم بھی اور بزم بھی ہنسی بھی اور رونا بھی۔ جو لوگ یہ چاہتے ہین کہ ہمیشہ خوش رہین وہ درحقیقت اپنی زندگی کے مقاصد کو سمجہتے نہین جنکی خواہش یہ ہوتی ہی کہ ہر وقت آرائش محفل اور آرایش سکون مین غرق رہین اور رزم و حرکت مین دخل نہ دین وہ بھی اغراض حیات سے غافل ہین۔

قرآن شریف مین خدا ے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہمنے ایک امانت آسمانون اور زمینون کے سامنے پیش کی اور سب نے اس بوجھ کے اُٹھانے سے انکار کیا۔ مگر انسان نے اس بار کو اُٹھا لیا۔

وہ بار گران کیا تھا اسکی تفصیل و تشریح نہین کی گئی۔ لیکن وہ یہی زندگانی تھی جو دنیا مین انسان کو پیش آئی تھی۔

پس جو لوگ خدا کی امانت کا عرفان کلی رکھتے ہین وہ عروج و زوال۔ مرض و بیماری۔ امیری و غریبی۔ دُکھ سُکھ۔ غرض ہر اچھی بُری چیز کو اپنی زندگانی کا مقصد جانکر اطمینان و بے پروائی سے اسوقت کو گزار دیتے ہین اور اسی کو انکی زبان مین مقام تسلیم و رضا کہا جاتا ہے۔

پس مین جو اس دانہ گندم سے کھینچا تانی کر رہی ہون یہ میری وہ نوکری ہے جس پہ قدرت نے مجکو پیدا کیا۔ اگر کامیاب ہون اور دانہ کو اپنے سوراخ مین لے گئی تو نوکری پوری ہو جائیگی ورنہ آپ کے ارشاد کے بموجب کسی پاؤن کے نیچے دب کر مر جاونگی اور اس جینے کے فرض سے نجات پا کر مرنے کی نوکری انجام دونگی۔

آدمی۔ چیونٹی کی حکیمانہ باتین سُنکر بہت متاثر ہوا اور اس نے کہا تمہارا نام کیا ہے۔

چیونٹی بولی۔ فدوی کو کمتر الدولہ نوکر جنگ کہتے ہین۔

آدمی نے اتنے ننھے سے وجود کا اتنا بڑا نام سُنکر اور متعجب ہو کر کہا۔ اوفوہ آپکا

نام تو بہت ہی شاندار ہے۔

چیونٹی بولی۔ نام کے لفظوں پر نہ جائیے۔ مین نے معانی کے اعتبار سے یہ نام بنایا ہے خدا کی دولت کائنات مین سب سے حقیر اور کمتر ہون اسلئے کمترالدولہ ہون۔ اور پیٹ کی خاطر رات دن جنگ مین مصروف رہتی ہون اور خدا نے یہ میری نوکری مقرر کردی ہے۔ لہذا نوکرجنگ ہون۔ یہ جتنی شکلین انسانون اور حیوانون کی نظر آتی ہین انکے نامون مین معانی رنگارنگ ہین۔ اور انکے کامون مین بھی گوناگونی ہم آہنگ ہے فدوی کمترالدولہ نوکرجنگ بظاہر دانۂ گندم سے دست وگریبان ہے۔ مگر بباطن ہر وقت سربسجود اور رب العالمین کے آگے جھکی ہوئی ہے۔

آدمی نے یہ سب گفتگو سنکر ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا۔

رَبَّنا ما خلقت ہذا باطلا

تبارک اللہ احسن الخالقین

بقلم حسن نظامی

شاد - عالیجناب مہاراجہ بہادر یمین السلطنۃ پیشکار سرکار عالی

بوالہوس دردِ محبت کا مزا کیا جانے
کبھی بیمار نہ ہو جو وہ دوا کیا جانے

جس نے خود کو نہ مٹایا وہ فنا کیا جانے
دل میں جسکے ہو خودی کیا ہی خدا کیا جانے

بحر میں قطرہ کا ملنا ہی تو ہاں وحدت ہے
اِس سے واقف جو نہ ہو راز بقا کیا جانے

شیخ کیا جانے بھلا بھاؤ ہی کیا صابن کا
عشق کیا چیز ہے وہ اسکا مزا کیا جانے

ابھی کم سِن ہی وہ کیا جانے محبت کیا ہی
لذتِ عشق ہی کیا چیز بھلا کیا جانے

قتل ہو جائے مگر اُف نہ زبانسے نکلے
عشق جسکو نہیں تسلیم و رضا کیا جانے

عارضِ یار ہی کیا زلف کسے کہتے ہیں
جو نہ جانے انھیں وہ صبح و مسا کیا جانے

جسکی فطرت میں جفا بھی ہو ستم بھی داخل
مہر کیا جانے بھلا اور وفا کیا جانے

نرگسِ چشم کا بیمار کبھی جو نہ ہوا
اُسے کیا قدر دوا کی وہ شفا کیا جانے

دُون کی لینی ہے آسان ہی مشکل جرأت
جو سپاہی نہیں میدان دغا کیا جانے

سوز پیدا جو کرے دلمیں وہی ساز ہی شاد
جس نے نالہ نہ کیا ہو وہ نوا کیا جانے

قیس جناب محمد خواجہ بدیع اللہ صاحب

بوالہوس دردِ محبت کا مزا کیا جانے
زاغ بیتابیٔ بلبل کو بھلا کیا جانے

رنگ کیا لائے زمانےکی ہوا کیا جانے | گُل کھِلے کونسا دنیا مین نیا کیا جانے

دل وجان اِسپہ فدا اُس سے تنفر سبکو | تیرے خنجر کی ادا تیغ قضا کیا جانے

جان جاتی ہی شبِ وصل کہ وہ آتے ہین | کونسی بات ہی منظورِ خدا کیا جانے

شوخیون سے ہنو برہم دلِ آزار طلب | ابھی کم سِن ہی وہ انداز حیا کیا جانے

غیر کی بات ہی کیون خاطرِ نازک پہ گران | بوالہوس ہی وہ محبت کا مزا کیا جانے

مست ہی شوخ ہی پُرفن ہی یہ مانا لیکن | چشمِ آہو تری آنکھون کی حیا کیا جانے

بوسۂ عارضِ گلگون کبھی دیکر دیکھو | کیا نکلتی ہی مرے دل سے دعا کیا جانے

قصۂ گردشِ تقدیر پہ ہنسکر بولے | ایسے جھگڑون کو بھلا میری بلا کیا جانے

نگہِ یاس پہ مجھسے وہ ہوئے ہین برہم | کیا گمان خاطرِ نازک پہ ہوا کیا جانے

یہ ہمین ہین جو گرفتارِ پریشانی ہین | بَل مقدر کے تری زلفِ رسا کیا جانے

کششِ روح کی ترکیب سے واقف ہی نہین | جان لینا ترے کشتونکی قضا کیا جانے

رہرو راہ خدا لاکھ ہو لیکن واعظ | جادۂ منزلِ تسلیم و رضا کیا جانے

نجد مین قیس کے دل سے کوئی پوچھے اسکو
ساربان پردۂ محمل کی ہوا کیا جانے

سیف۔ جناب میر لیاقت علی صاحب

آج کیون ہوگئے وہ مجھسے خفا کیا جانے | ہوگئی کونسی بھولے سے خطا کیا جانے

چشمِ نرگس مین کہان حسرتِ دیدار کی تاب
کورِ باطن ترے جلوہ کی ضیا کیا جانے

پوچھیے چاہنے والونکی نگاہون سے کبھی
آئینہ آپ کی مستانہ ادا کیا جانے

ہمسے پوچھے کوئی غنچون کے تبسم کا سبب
ان معمون کو بھلا موجِ ہوا کیا جانے

بزمِ دشمن مین کبھی ہین تو کبھی مست شراب
جو گزرتی ہی یہان اُنکی بلا کیا جانے

لذتِ جرم سے بخشش کے مزے ہین واعظ
جو خطاوار ہنو لطفِ عطا کیا جانے

مجھسے وہ پوچھ رہے ہین مری حسرت کا سبب
لبِ تصویر خموشی کے سوا کیا جانے

سر کے بھل کیون نہ چلین مست سوے میخانہ
درِ کعبہ کا ادب لغزشِ پا کیا جانے

گھر بنانا دلِ معشوق مین آسان نہین
بوالہوس ایسی عمارت کی بنا کیا جانے

اس سے ٹکڑے ہو جگر اُس سے پریشان ہو گل
میری فریاد کو بلبل کی صدا کیا جانے

اُسکی ہاتھون مین جگہ اسکی دلِ عاشق مین
مرتبہ خونِ تمنا کا حنا کیا جانے

اُس سے گل کھلتے ہین ہوتی ہی قیامت اس سے
تیری رفتار کے انداز صبا کیا جانے

اِسکو اٹھ جانیکی پروا نہ اُسے رخصت کی
شمع محفل کو مسافر کو سرا کیا جانے

اس مین بیساختہ پن اُسمین ہی اک طرزِ حجاب
شوخیِ چشم کو اندازِ حیا کیا جانے

مین نے مانا کہ سُبک سیر جہان گشت سہی
تیرے کوچہ کا پتہ بادِ صبا کیا جانے

چشمِ ساقی سے بڑھے کیون نہ مری بےخبری
ہوش مین لانا مئے ہوش رُبا کیا جانے

ہمنے جز زندگیِ ہجر نہ دیکھا کچھ بھی
لوگ کس چیز کو کہتے ہین قضا کیا جانے

دل سے جب نکلی تڑپکر تو گئی عرش کے پار
نارسائی کو مری آہِ رسا کیا جانے

مین نے مانا کہ ہی مشہور ستم مین وہ بھی
فلکِ پیر تری طرزِ جفا کیا جانے

داغ کھاتے ہین جو دلبر وہ سمجھتے ہین اسے
شاہدِ گل ترے کوچہ کی ہوا کیا جانے

کچھ بھلائی ہی عدو کی کہ برائی میری
ہین وہ کس بات مین مصروفِ دعا کیا جانے

یہ زمین پر ہین پڑے اسکا فلک پر ہی دماغ
خاکساروں کو تری زلفِ رسا کیا جانے

نازِ معشوق پہ مرنا نہین آتا جسکو
سیفؔ دنیا مین وہ جینے کا مزا کیا جانے

مضطر ۔ جناب سید محمد علی صاحب دہلوی

دل کو لایا ہون اُسکی محفل سے
کس مصیبت سے کیسی مشکل سے

کوئی پوچھے ذرا یہ قاتل سے
اُف بھی نکلی زبانِ بسمل سے

اسکی تصدیق کر رہی ہی نگہ
میری الفت ہے آپ کو دل سے

ٹھیرتا ہے کوئی ہزار دمین
چوٹ چلتی ہے جب مقابل سے

سختیِ ہجر غیر کیا جانے
آپ پوچھین یہ اپنے مائل سے

اے دل اُسکا وصال مشکل ہے
باز آ اس خیالِ باطل سے

ہمنے کی اختیار خاموشی
جب پڑی بات آکے جاہل سے

آپ کا گھر ہے آپ کا مین ہون
رہئے آنکھون مین آیئے دل سے

تمکو راحت ہو جس سے وہ تکلیف
مجکو منظور ہے بتہ دل سے

گالیاں دین سوال بوسہ پر | ہے یہ اچھا سلوک سائل سے
چلتے پرزے ہو تم بھی آفت ہو | گھڑتے ہو اک نہ اک نئی دل سے
ہمسے بھی ہونگی انکی چار آنکھین | آئینہ تو ہٹے مقابل سے
چلدئے رکھکے قبر مین احباب | چھٹ گیا ساتھ پہلی منزل سے
ہمنے فقرون کی وہ ہوا باندھی | کہ اڑا لائے انکو محفل سے
قیس نظارے سے ہو شادی مرگ | دیکھے لیلی کبھی جو محمل سے
وان سے اسطرح نامراد آیا | پیاسا واپس ہو جیسے ساحل سے

داد دیگا کمال کی مضطر
ہے یہ امید شاہ عادل سے

پچھلا پہر

نقاب الٹتا ہے چہرے سے خسرو خاور | کہو یہ لیلیِ شب سے کہ اوڑھ لے چادر
ہی وقت پچھلے پہر کا سکون خواب کا وقت | خدا کی قدرت کامل کا دلکشا منظر
سماں بندھا ہوا جوشِ بہار قدرت کا | سکوت چھایا ہوا ممکناتِ عالم پر
گھرون کے بند ہین دروازے سب کے کامین بند | چہل پہل ہے نہ ہنگامہ ہے نہ شور و شر
پرند سوتے ہین سب اپنے آشیانون مین | چرند ہین یہ بیٹھے ہوئے جھکائے سر
تمام خلق کو گھیرا ہے خواب غفلت نے | گمان ہے شہر خموشان کا ساری عالم پر

ہر ایک شے پہ سیاہی کا رنگ پھیلا ہی — سیہ ہین ارض و سما و جبال و بحر و بر

چمک رہے ہین جو تارے قیاس کہتا ہی — فلک کی نیلی قبا مین ٹکے ہوئے ہین گہر

چراغِ ماہ کی بھی روشنی ہوئی مدہم — ہی وقت برہمیِ صحبتِ مہ و اختر

بلا کشانِ شبِ ہجر سے کوئی پوچھے — کہ رات تمنے گذاری ہی یا رب کیونکر

خیالِ خواب پریشان تھی شب کی بیداری — لگی تھی آنکھ ہوئی انتظار مین جو بسر

وداع ہوتے ہین دیکھو وہ شادکامِ وصال — نکل چکی ہی مگر حسرتِ دلِ مضطر

ادھر ہی شوقِ تمنا ادھر ہی شرم و حجاب — نیاز و ناز کی ہین صحبتین یہ پچھلے پہر

اشارے ہوتے ہین رخصت کے آنکھون آنکھون مین — ادھر کی آنکھ ادھر ہی ادھر کی آنکھ ادھر

مسافر اٹھے ہین پچھلے پہر کی خنکی مین — کمر کو باندھ رہے ہین لپیٹکر بستر

وہ شب کی ہلکی سیاہی سحر کی ضو وہ سپید — وہ اک سے ایک کی رخصت کا دلکشا منظر

شفق کے رنگ مین آمیزشِ سپیدۂ صبح — عروسِ وقت کے تن پر تھا قدرتی زیور

جھکا وہ جانبِ مغرب سرِ مہِ کامل — چلا وہ آنکھین جھپکتا نجوم کا لشکر

فلک کا چار پہر مین کیا ہی دورہ ختم — ہی شب کے جاگنے کا بار انکی آنکھون پر

وہ نکلا صبحکا تارہ وہ رات ختم ہوئی — سفیدہ صبحکا تھا روے لیلیِ شب پر

نماز صبحکو اٹھنے لگے نماز گذار — جھکے ہین سجدۂ معبود مین تمام شجر

وظیفۂ سحری مین ہین سب کے سب مصروف — بلند و پست جبال و بحار و دشت و در

نظر فریب شہانا وہ وقتِ صبحِ بہار — بھرا ہی کوٹ کے لطفِ خدا کا حسن اثر

نسیمِ صبح کے وہ خوشگوار جھونکے سرد
ہنسی جو دیر سے غنچے کیے ہوئے تھے ضبط
دُھلا کے وایہ ابرِ بہار نے رخِ گل
سنک جو پائی ہی موجِ نسیم کی اسدم
سمان یہ دیکھکے مرغانِ نغمہ سنج اُٹھے
نسیمِ صبح کی دیکھی جو چال مستانہ
شجر نہال تھے موجِ صبا کی جنبش سے
دُرِ خوش آب کا دانہ تھا موتیے کی کلی
نسیم آئی دبے پاؤن صحنِ گلشن مین
بڑے درختونکی ہلکی سی سنسناہٹ کا
کہ سُر ملا کے گلے بازیان لگے کرنے
ہوا مین گونج رہی ہی جو مرغِ صبحکی تان
دہن سے غنچے کے گرتے ہین قطرۂ شبنم
مذاقِ شبنم و گل مین ہی حسن و عشق کا جذب
کسے سنائے کوئی داستانِ بلبل و گل
وہ دیکھو پہلوئے بلبل مین گل کی خندہ لبی
نیاز و ناز کی صحبت مین دخل ہے کسکو

جو گدگداتے ہین غنچون کو بدبہار آکر
تو ہنس پڑے لبِ گلبانگ سے وہ کھل کھلکر
پنھا دیا دُرِ شبنم کا قدرتی زیور
تو سبزہ لیتا ہی انگڑائیان اُٹھا کر سر
سُرون مین گانے لگے بھیروین بہمدیگر
نظر بھی لوٹ گئی فرشِ سبزۂ تر پہ
گلون کے رخ پہ تھا رنگِ بہار کا پوڈر
نگینِ عقیق مین کا تھا لالۂ احمر
کہ بوئے گل کو جو پائے تو لے اُڑی کیسر
ہوا طیور کی نغمہ سرائیون پہ اثر
صدا سے تانونکی تھے وجد مین تمام شجر
تو ایک وجد ہی طاری تمام عالم پر
کہ جیسے دودھ اُگلتا ہے شیر خوار بسیر
اِدھر تو خندہ لبی ہی اُدھر ہے دیدۂ تر
مشاہدہ کا تقاضا ہی دیکھ لو آکر
سُنو وہ زمزمہ سنجئِ بلبلِ خودسر
ہوائے صبح بھی آئے تو آئے تھم تھمکر

ہوا پرست چمن جا رہے ہین گلشن کو | نظر فریب ہی اسوقت باغ کا منظر

سید صادق حسین غبار

حضرت ثاقب بدایونی المخاطب بہ امام الکلام پہلوان سخن

نزع مین روئے نبی پیش نظر ہو جائیگا
نور کے تڑکے غریبون کا سفر ہو جائیگا

بنگیا سینہ اگر لوح مزار مصطفیٰ
دل جگر نذر ابوبکرؓ و عمرؓ ہو جائیگا

مین غنیؓ کا ہون گدا جب مہر کی ہوگی نظر
ذرہ ذرہ میرے گھر کا سیم و زر ہوجائیگا

کوثر و تسنیم کیا۔ ہوگی اودہر مستونکی بھیڑ
اک اشارہ چشم ساقیؓ کا جدہر ہوجائیگا

یا نبی کہکر جو دیکھون گا مدینے کی طرف
غیب سے موجود سامان سفر ہوجائیگا

پیش دا ور نامۂ عصیان بنے گا خط شوق
کاتب اعمال میرا نامہ بر ہوجائے گا

گرتے پڑتے ضعف مین پہنچینگے در تک
سر ہمارا پائو ہوگا پاؤ سر ہوجائیگا

میم احمدؐ کی محبت حشر مین کام آئیگی
عاصیون کے حق مین یہ نقطہ سپر ہوجائیگا

جان ہی لیکر رہیگا ہجر شہ مین ایکدن
خود علاج درد۔ یہ درد جگر ہوجائیگا

جب خدا کے گھر سے کچہ آگے بڑہا ئینگے قدم
کوئے محبوب خدا مین بھی گذر ہوجائیگا

کس مپرسی کی مصیبت مین ہی ثاقب یا نبی
تم جدہر ہوجاوگے۔ عالم اودہر ہوجائیگا

شاد - عالیجناب معلی القاب مہاراجہ بہادر یمین السلطنتہ پیشکار سرکار عالی

العالم متغیر

ہی تغیر ضرور عالم کو
غیر کو تمکو یا رکو ہمکو

ہین تغیر کی مختلف اشکال
ذکر کرتا ہون انکا کچہ احوال

ساقیا جلد دے تو جامِ شراب
یہ دلِ تشنہ کام ہی بیتاب

ایسی مے دے کہ کچہ خمار نہو
پھر نشے کا کبھی اُتار نہو

چاہے عالم رہے رہے نہ رہے
شادی و غم رہے رہے نہ رہے

میری مستی مین ہان ترقی ہو
ساقیا مے بھی ایسی چوکھی ہو

اِسمین پُٹ ہو شریک عرفان کی
کیفیت جو دکھائے ایمان کی

اور وحدت کا ہو وہ میخانہ
تا بناؤن مین دل کو پیمانہ

جب مین آجاؤن اپنی مستی مین
پاؤن جب اُسکو اپنی ہستی مین

اِن زمانون کا کچہ لکھون احوال
ماضی و حال اور استقبال

اب کہان ہی نسیم اور بہار
اب کہان گُل کہان ہی وہ دلدار

وہ زمانہ کہان گیا افسوس
ہو گیا راغ بوستان افسوس

رنگ رلیان کہان وہ محفل کی — وہ اُمنگین کہان ہین اب دل کی

وہ کہان بوستان کی شادابی — اور بلبل کے دل کی بیتابی

اب وہ دلبین کہان ہی سوز وگداز — اب کہان عشق اور راز و نیاز

اب وہ الفت کہان کہان کا عشق — رہگیا اب یہ داستان کا عشق

شمع اب وہ کہان کہان محفل — اور پروانے کا کہان وہ دل

اب وہ ساغر کہان شراب کہان — اب کہان سوزِ دل کباب کہان

اب وہ ساقی کہان کہان مےنوش — اب کہان بادہ اور بادہ فروش

دوستی اب کہان ہی یارونکی — بیوفائی عیان ہی یارون کی

میل جول اب کہان ہین آپسمین — دوست بھی خصمِ جان ہین آپسمین

اتفاق اُٹھگیا زمانے سے — اشتیاق اُٹھگیا زمانے سے

اب کہان ہی کہو وہ ہمدردی — اب ہی باقی کہان جوانمردی

اب کہان وہ مروت واخلاق — اب کہان مہربانی واشفاق

وہ صفائی کہان رہی دل کی — آشنائی کہان رہی دل کی

ہی کہان آجکل وفاداری — ہر طرف پھیلی ہے ریاکاری

وہ عبادت کا اب کہان ہی شوق — معرفت کا کسے رہا ہے ذوق

کوئی کیا جانے فقر کا رتبہ — ہان مگر جھوٹ کرتے ہین دعویٰ

نہ تو ذاکر کوئی نہ ہے شاغل — ہوئے معبود سے سبھی غافل

دید اور فکر سے نہین سروکار	زہد و تقویٰ نہین ہی اب درکار
کوئی کہدے مُراقبہ کیا ہے	کوئی دیکھے مشاہدہ کیا ہے
کچھ فقیری نہین ہے موروثی	رنگئی ابتو ساری سالوسی
اب کہان ہے کہو وہ اگلی بہار	ہاے ساری خزان کے ہین آثار
ہاے کیسا اُجڑ گیا گلشن	برق سے جل گیا پڑا خرمن
بادِ صرصر نے سب اُجاڑ دیا	جو بنا کہیل تھا بگاڑ دیا
نہ وہ محفل ہی اب نہ وہ ساقی	اِک خدا کا ہے نام بس باقی
دامنِ سبزہ جل کے خاک عیان	وہ گریبانِ گل بھی چاک کہان
سوکھ کر ہو گیا چمن کانٹا	اُڑ گئی گلستان سے بادِ صبا
عندلیبِ چمن ہے سینہ فگار	پہوٹ کر رو رہی ہی زار نزار
آشیانے کا کچھ نہین ہی پتا	نظر آتا نہین ہے اک تنکا
باغ مین سرو ایک تنہا ہی	وہ بھی بے برگ اور سوکھا ہے
ہی پسند اُسکو کُنجِ تنہائی	مٹ گئی اُسکی ساری رعنائی
نہ تو غنچہ نہ خار ہے نہ ہی پہول	ہر طرف اُڑ رہی ہی خاک اور دہول
کیا کہون مین کہ کیا زمانہ تہا	چو طرف نغمہ تہا ترانہ تہا

دعا

ای خدا پہر چمن مین آئے بہار	ہو موافق زمانہ لیل و نہار

تو ہے لیل و نہار کا خالق — تو ہے اس روزگار کا خالق

جسمین یہ انقلاب ہوتے ہین — آئے دن پیچ و تاب ہوتے ہین

نہ کسی چیز کو قرار یہان — نہ کسی شئے کا اعتبار یہان

ہان یہ حادث ہین سب قدیم ہی تو — کَانَ مَا کَانَ کا علیم ہے تو

تیرے دربار مین مین آیا ہون — دادخواہا نہ شکوہ لایا ہون

انقلابِ جہان کا شاکی ہون — جس پہ ہنستے ہین سب وہ باکی ہون

داد دے میری زارنالی کی — سُن لے فریاد خستہ حالی کی

یہی اہلِ کرم کا شیوا ہی — جن کا بندہ بھی نام لیوا ہے

جس کسی کو جو کچھ دیا وہ دیا — نام دینے کا پھر کبھی نہ لیا

جب کسیکو کبھی بناتے ہین — خاک مین خود نہین ملاتے ہین

گرچہ وہ سب ترے ہی بندی ہین — وہ برے بھی ہین تو بھی اچھے ہین

اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْن تیری ذات — اَرْحَمُ الرّاحِمِیْن تیری ذات

کیا گوارا کریگی شان تری — کہ بناکر بگاڑ ڈالے گی

اے خدا تو ہے اکرم واجود — تو ہی واحد ہے اور تو ہی صَمَد

رحم کر سب پہ اے خدای کریم — انقلابِ جہان سے دل ہی سقیم

بخشدے سب گنہ مرے مولا — بے اثر جن سے ہوگئی ہی دعا

دل جو مضطر ہین اُنکو دی تسکین — سب کو کر اپنے رنگ مین رنگین

تازہ ہو جائین تو نہال چمن | رونق افزا ہو پھر جمالِ چمن
تیری رحمت کا پھر اُجالا ہو | تیرے بندون کا بول بالا ہو
تر و تازہ پھر اک گلستان ہو | رنگ و بو پھولون مین نمایان ہو
بال و پر دے تو عندلیبون کو | مال و زر دے تو ہم غریبون کو
شمع جو بجھ گئی ہے روشن ہو | محفلِ عیش پھر مزین ہو
جوڑ دے تو شکستہ ساغر پھر | دور مین آئے جامِ کوثر پھر
ذکر وردِ زبان ہو توبہ کا | مئے وحدت کا آئے سبکو مزا
دور مین آئے ساغرِ وحدت | حق نظر آئے ساری یہ کثرت
نہ کمی آئے نشہ مین دم بھر | منھ سے ہر دم لگا رہے ساغر
ہو شرابِ طہور سبکو نصیب | دید ورشن کے کر دے ہمکو قریب
ایسی کر دے عطا تو محویت | جوہر و عرض کی سے مٹے علت
اپنے بندونکی جلد لے تو خبر | مارے مارے پھرین نہ وہ گھر گھر
اپنے در سے پھرا نہ اُن کو تو | اوج سے یون گرا نہ ان کو تو
بے اثر کر نہ تو دعا میری | سُن لے فریاد اے خدا میری
انقلابِ جہان سے مجکو نکال | ابتو گرنے لگا ہون مجکو سنبھال
مین بُرا یا بھلا ہون جیسا ہون | ہان بہر حال بندہ تیرا ہون
لاج رکھ میری بندگی کی تو | میرے گلشن مین دے خوشی کی بو

محو کردے تو اپنی الفت مین | نہ رہون غیر کی محبت مین

شاد کو شاد رکھ تو رب عباد
بمحمد و آلہ الامجاد

ظہور جناب منشی ظہور حسین صاحب لکھنوی تلمیذ حضرت اسیر

جو آج قتل کے میدان سے پانون ہٹ جاتے | حسام تنگ سے قاتل ہم آپ کٹ جاتے
ہم ایکدم پئے نالہ کشی جو ڈٹ جاتے | فلک کے کان کے پردے تمام پھٹ جاتے
خدا بچ ہی بنا تا مین عمر بھر کا طوق | گلے مین ڈال کے بانہین وہ لپٹ جاتے
میان باغ جو چلتے وہ صورت مقراض | جو نونہال تھے کائی کی طرح چھٹ جاتے
ابھی نکرنی تھی تکلیف اسے اجل کچھ دن | ہمارے کام جو ابتر تھے سب سمٹ جاتے
لکھا کے غیر سے بھیجا ہی میرے خط کا جواب | وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تو ہاتھ کٹ جاتے
وہ بحر حسن اگر تیغ لیکے آ پڑتا ہو | جو لوگ جمع تھے کائی کی طرح پھٹ جاتے
وہ آنکھ پھرتے ہی عشاق کے پرے پھرے | بصورت صف مژگان الٹ پلٹ جاتے
ہجوم دیکھکے کہنے لگی یہ تیغ اُن کی | حضور پہلے کچھ ان مین سے لوگ چھٹ جاتے
وہ سخت جان ہون کہ تلوار اُنکی مڑ جاتی | خدنگ ناز لگاتے تو سب اُچٹ جاتے

ظہور معرکہ عشق مین بصورت تیغ
کہین یہ کاٹ مین بڑھتے کہین یہ گھٹ جاتے

چند ضروری قواعد

(۱) رسالہ تزک عثمانیہ بسرپرستی عالیجناب معلی القاب ہز اکسلنسی مہاراجہ راجایان راجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنۃ جی سی آئی۔ ای پیشکار و سابق مدارالمہام سرکار عالی المتخلص بشاد تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمہ ہر ماہ ہلالی کے ہفتہ اولی میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) عام رسالوں کی طرح اسکی سالانہ قیمت مختلف تعداد میں نہیں رکھی گئی ہے کہ عام امراء و رؤسا و اعیان ملک سے علی قدر مراتب لیجائے بلکہ مذاق علمی میں آسانی و اضافہ کرنیکے لئے ایک قیمت رکھی گئی ہے یعنی (سے) سالانہ۔ علمی انجمنوں اور لائبریرین کو منجانب سرکار سر مہاراجہ بہادر اور مضامین نگاروں کو منجانب مہتمم مفت دیا جائے گا۔

(۳) جوابطلب امور کے لئے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے ورنہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اخلاقی۔ تاریخی۔ تمدنی مضامین ہوں۔ مذہبی مباحث یا پولیٹکل مضامین بھیجنے کی زحمت نفرمائیں جس مضمون کا طبع کرنا مناسب نہ سمجھا جائے گا وہ نہ طبع ہوگا نہ واپس۔

(۵) جملہ خط و کتابت وغیرہ ذریعہ مہتمم رسالہ تزک عثمانیہ ہونی چاہیے۔

مہتمم رسالہ تزک عثمانیہ

تزک عثمانیہ

جلد ۲ نمبر ۹

[illegible] سنہ ۱۳۳۳ ہجری

انیسوین (۲۹) سالگرہ مبارک اعلیحضرت قدر قدرت جہان پناہ ظلِ سبحانی نظام الملک آصفجاہ نواب میر عثمان علی خان بہادر جی سی ایس آئی۔ فرمانروائے ملک دکن کی

مبارک یادگارین

بسرپرستی عالیجناب راجۂ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ جی سی آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی تلمیذ حضرتِ آصف غفران مکان

محبوب پریس علاقۂ پیشکاری سے شائع ہوا

فہرست مضامین تزک عثمانیہ جلد ۲ نمبر ۶

ذخیرہ

اردو زبان کی خوش قسمتی ہے اس نام کا ایک رسالہ سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی کے اہتمام سے حیرت انگیز آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا ہے جسکا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے۔ یہ رسالہ باعتبار لکھائی اور چھپائی کے ادیب کا نقش ثانی تو ہے جو چھ سات برس پہلے الہ آباد سے شائع ہوا کرتا تھا۔ اگر کمی ہے تو صرف تصویرون کی ہے۔ ادیب کے صفحات رنگین و ہاف ٹون تصاویر کی خصوصیت سے مالا مال ہے۔ اور اس رسالہ مین صرف ایک تصویر اعلیٰ حضرت پیر و مرشد ظلّ سُبحانی اعلیٰحضرت حضور پر نور خلد اللہ ملکہ کی ہے۔

مضامین کے اعتبار سے اسکی ادبی دلچسپیان نظر انداز کرنے کے قابل نہین ہین۔ نظم و نثر کے دونون حصے عمدہ و دلچسپ ہین۔ زبان کی سلاست و خوبی اور خیالات کی پاکیزگی کے بارہ مین صرف اتنا ہی بتلانا کافی ہے کہ اکثر مضامین خاص طور سے تعریف و قدر کے قابل ہین۔ جن مین

نواب عماد الملک بہادر سی - ایس - آئی کا مضمون اقبال و ادبار -
مولوی سید علی حیدر نظم طباطبائی کا مضمون وحدت وجود - خان بہادر
مرزا سلطان احمد کا مضمون محاسن حکمنات ہین -

اس رسالہ کی ابتدائی حالت کے خوشنما اور دلچسپ بنانے مین
ہوش بلگرامی نے جس سرگرمی سے کام لیا ہے اگر یہی سرگرمی رہی
تو یہ رسالہ زیادہ دلکش صورت اختیار کرکے اپنی آپ
نظیر ہوگا -

ہم ملک کے ہر علم دوست سے سفارش کرتے ہین کہ اپنی متفقہ کوشش
سے ہوش صاحب کے توقعات اور ارادے پورے کرین اور
جس بار کو ہوش صاحب نے اپنے سر پر لیا ہے اسمین انکا ہاتھ بٹائین -
رسالہ کی قیمت صرف چار روپیہ سالانہ ہے -

روضۂ شریف

اورنگ آباد مبارک بنیاد سے ۱۴ میل کے فاصلے پر روضۂ شریف
شمال و مغرب مین واقع ہے یہ بہت ہی خوشنما و مقام فرحت ہے آب و ہوا
معتدل سطح بحر سے ۲۷۳۳ فٹ بلند ہے نیچے کے میدان سے کہ [illegible]

۰۰۵ فٹ اونچا ہے۔ روضۂ شریف اس کو ہمنے اس وجہ سے لکھا کہ یہان بڑے نامی گرامی ولی حق آگاہ عارف باللہ آسودہ ہین۔ اور ابراء گرانمایہ کے مرقد مطہرہ کثرت سے ہین۔ اورنگ زیب شہنشاہ۔ اس کے ولیعہد اعظم شاہ اور نظام الملک آصفجاہ بانی مبانی اور اول سرغنۂ ریاست حیدرآباد دکن اور نظام شاہ والی احمدنگر ملک عنبر۔ تاناشاہ بادشاہ گولکنڈہ وغیرہ وغیرہ سلاطین اور مشاہیر کی قبور منورہ بھی یہین ہین۔ روضۂ شریف کے گرد ایک رفیع شہر پناہ ہے جو اورنگ زیب نے بنوائی تھی اسکے سات پھاٹک ہین۔ اورنگ آباد کی جانب جو پھاٹک ہے۔ اس مین کچھ نیچے کی چڑھائی ہے۔ شمالی اور جنوبی پھاٹکون کے درمیان مین اورنگ زیب کا مقبرہ ہے۔ ۳۰ گز کی چڑھائی کے بعد سڑک سے مقبرے کا پھاٹک ہے۔ پہلے ایک گنبد سے گذرنا ہوتا ہے۔ پھر ایک ذوار بعۃ الاضلاع مقام ہے جو ۱۷۶۰ء عیسوی مین بنا تھا۔ اس کے تین جانب کھلے ہوئے مکان ہین۔ ایک مین مدرسہ ہے۔ اور باقی مسافرون کے آرام کیلئے جنوب کی جانب وسط مین نقارخانہ۔ پانچون وقت نوبتی نوبت بجاتا ہے پچھم کی جانب ایک مسجد کے گول کمرے کی نقل نیچے بنی ہوئی ہے مسجد کے شمال رخ ایک کھلی ہوئی ڈیوڑھی ہے اور اس کے جنوب غربی جانب ایک سنگ ... ہے اس کے بعد اورنگ زیب کے حجرے کا

دروازہ ہے۔ قبر دروازے سے جانب راست واقع ہے جو محض سادگی
کا نمونہ۔ زیب وزینت کسی قسم کی نہین ہے۔ اورنگ زیب نے قبل وفات
خود خواہش ظاہر کی تھی کہ مقبرہ سادگی مجسم ہونا چاہیئے۔ مغرب کی طرف
سنگ مرمر کی ایک دیوار ۵ فٹ بلند ہے اور منبت کاری کا ایک
نصف مدور گنبد سا بنا ہوا ہے۔ پھاٹک ساگوان کی لکڑی کا بنا ہوا ہے
قبر زمین سے نصف فٹ بلندی پر ہے اور سبزے کے ایک گھنے
درخت کا اُس پر سایہ ہے۔ عرس یا کسی ایسی تقریب مین قبر منورہ پر ایک
کارچوبی شامیانہ نصب ہوتا ہے۔ اور قبر زربفت اور کمخواب سے
جگمگاتی ہے۔ مگر روزمرہ ایک معمولی سفید چادر رہتی ہے۔

اس قبر کے مشرق رو ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کا چبوترا ہے چاردیواری
سے گھرا ہوا۔ اس مین اورنگ زیب کے ایک لڑکے کی قبر ہے اسکا نام
شہزادہ اعظم شاہ تھا اور ایک جانب انکی بی بی کی قبر اسی کے قریب
ایک مسلمان درویش خدا رسیدہ کی صاحبزادی کی قبر ہے جس کے چوطرفہ
سنگ مرمر کے مینار ہین پرس اعظم شاہ کی قبر پر سنگ مرمر کی گلکاری اور
گل بوٹے عجب لطف دکھاتے ہین۔

روضۂ شریف مین ایک مستقیم الزاویہ باغ فرح بارے کے وسط مین اورنگ زیب
کی صاحبزادی بنی بیگم کی قبر ہے۔

خان جہان برادر اورنگ زیب نے اسکے قریب ایک باغ بنوایا تھا جس کا نام لال باغ ہے۔ وجہ تسمیہ یہ کہ قرمزی سنگ سماق کی عمارتین اس باغ مین کثرت سے ہین شنجرفی رنگ۔ لہذا لال باغ نام رکھا۔

الورا

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید ست صنادید عجم را

الورا۔ وہ مقام ہے جس کا ثانی روئے زمین پر نہین۔ اگر مشعل آفتاب لیکر بھی دیکھئے تو الورا کو اپنی آپ ہی نظیر پائیے گا۔ جس نے الورا نہین دیکھا اُس نے دنیا کے پردے پر کچھ نہین دیکھا۔ بعض تاج بی بی کے روضہ پر الورا کی عمارتون کو ترجیح دیتے ہین۔ روضۂ تاج محل کی خوبی اور خوش اسلوبی مین۔ ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ مگر الورا کی عمارتین بارک اللہ کیا کہنا۔ اگلے وقتون کے برہمنون اور بودہ مذہب والون کے کمال اور صناعی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ دنیا کے سات عجائبات مین الورا کا نام نہین ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ یہ عمارتین ان عمارات کے مقابل مین کسی شمار و قطار مین نہین۔ اپنے

سنگ اور طرز جدید مین اُن سب سے بڑھی ہوئی ہین اونچے اونچے پہاڑون کو کاٹنا اور ایک ہی پہاڑ سے بت تراشنا کارے وار و سر بفلک کشیدہ عمارات ۔ واقعی آسمان سے باتین کرتی ہوئی محلسرا ۔ گوشہ محل شہ نشین ۔ مینار ۔ کمرے ۔ ہال ۔ کوٹھی چھت ۔ سہ منزلے دو منزلے اور سب ایک پتھر کے کٹے ہوئے ۔

لکھوکھا برس مین بنے ہونگے اور لاکھون نہین کرورون ہی روپئے خرچ ہوئے ہونگے ۔ بتون کی قطع سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ برہمنون کی صناعی تھی اور یہ بودہ مذہب والون اور جَین کی ۔ سب کے پہلے بودہ مذہب والون کی عمارتین ہین ۔ جنوب کی جانب وسط مین برہمنون کی صناعی ہے ۔ اور شمال کے حصہ کی طرف جین مت کے مندر یعنی ۔

پہلا مندر ۔ دہید واڑا ۔ اس مین مہنتون کے تپسیا کرنے کے لئے گھر بنے ہوئے ہین یہ مہنت لنگوٹ بند ہوتے تھے ۔

دوسرا مندر ۔ اس مین بودہ کی مورت ہے اور یہ اس طرح بنی ہے ۔ جیسے اس مین و تھیار لی یعنے شاگردون کو سبق دے رہے ہین اور شاگرد لوگ موؤب سامنے بیٹھے ہین ۔ غالباً یہ مندر تیسری یا چوتھی صدی عیسوی مین بنے ہونگے اور چھ سات صدی کے اواخر تک جاری رہے ہون گے ۔

تیسرا مندر۔ ناتمام چھت کے ۱۲ استون ہین۔ اور سب مربع۔ بودہ تخت شاہی پر متمکن ہین۔ ادہر اُدہر افسر اور اراکین سلطنت بایہ بیایہ بیٹھے ہین کہین کوئی قیدی جہاڑ پر سے دست بستہ عرض کر رہا ہے کہ مجھے للہ رہائی دو ایک آدمی ہاتھ جوڑ کر عرض کر رہا ہے اور شیر نر اُس کے ساتھ کہلا ہوا ہے۔ ایک شخص دو اژدر لئے ہوئے ہے۔ ایک آدمی ایک مست کنجل ہاتھی سے جو بگڑا ہوا ہے کھیل رہا ہے اور کالی جی جو موت کی دیبی ہین ہاتھی پر حملہ کر رہی ہین یہ مندر بھی کوئی ۱۴ سو برس کا ہے۔

چوتھا مندر۔ کسی قدر شکستہ بودہ طنطنہ شاہی کے ساتھ بیٹھے ہین۔ سر کے گرد ایک ہالہ ہے۔ اور اس کے پیچھے سے ایک پیپل کا درخت جسکو ہندو متبرک سمجھتے ہین سایہ فگن ہے۔

پانچوان مندر۔ مہر واد اس مین بھی مہنتون کے لئے کٹیان بنی ہین۔

چھٹا مندر۔ ایک دیبی بنی ہے جسکے پاس ایک زعفرین پر وبال مور بیٹھا ہے۔ اور نیچے ایک پنڈت جی مہراج بیٹھے کتھا بانچ رہے ہین۔

ساتوان مندر۔ ناتمام کوئی اعلیٰ درجے کی صنعت اس مین نہین ہے۔

آٹھوان مندر۔ بودہ شاگردون کو درس دے رہے ہین۔

نوان مندر۔ بودھ بیٹھے ہوئے ہین ۔

دسوان مندر۔ اس کا نام وسوا کرما ہے یعنے بڑہئی کا مکان درجہ اعلیٰ کی صناعی دکھائی ہے۔ بودھ کی بڑی بھاری مورت ۱۱ فٹ بلند ہے اس عمارت مین بخار کثرت سے جاتے ہین کہ بودھ یعنی وسوا کرما کی پرستش کرین۔

گیارہوان مندر۔ اس کا نام دکھیا گھر ہے یعنی دکھ کا مکان یہ مندر ۱۸۷۶ء مین بنا تھا ۔

بارہوان مندر۔ تن تہال۔ اِس مین بودھ کی بڑی اور چھوٹی مورتین بنی ہین اور مصاحب اور ملازم کھڑے ہین۔ ۴۲ ستون ہین اور بودھ رشی سُرگ لوگ جانے کی تیاری کر رہے ہین تا کہ ہمیشہ کے لئے نجات پائین آواگون یعنی تناسخ سے بچین ۔

تیرہوان مندر۔ یہ برہمنون کا مندر ہے اس مین بہت ہی بڑا اور وسیع کمرہ ہے جس مین نقش ونگار سے کام نہین لیا گیا۔ بالکل سادہ ہے۔ سامنے کا حصہ شکست ہو گیا ہے ۔

چودہوان مندر۔ اس کا نام راون کی گھائی ہے اسمین شیو کی مورتین ہین اور درگا دیبی ایک دیو کو جو ارنا بھینسیا بنکر آیا تھا قتل کر رہی ہین ۔ شیو اور پاروتی شطرنج کھیل رہے ہے۔ وشنو او رلچھمن ایک تخت پر محراب کے

سے نیچے بیٹھے ہین جس مین گل بوٹے کاٹ کر بنائے ہین -

پندرہوان مندر - وس اوتار - اس مین ہندو دیوتاؤن کی ٹوٹی ہوئی مورتین کثرت سے ہین اور سنسکرت کے اشلوک کندہ ہین - دروازے کے پاس ایک مورت مہادیو کی ہے - اور کوپ یعنی غصّے ہین - مسٹر برجز نے اس کا حال یون لکھا ہے - یہ بہت بڑی مورت ہے - ہاتھ مین ہاتھی کی کھال ہے - اور انسان کی کھوپریون کے مالے پہنے ہوئے ہین اور ایک کالا زہریلا سانپ گلے سے لپٹا ہوا ہے - منھ کھلا ہوا ہے - اور بڑی بڑے دانت نظر آتے ہین - ایک آدمی کو غصّے مین قتل کر چکے ہین اور دوسرے کو اپنے ترسول سے قتل کرنے جاتے ہین - اور خوش ہو کر ڈمرو بجا رہے ہین اور خون پی رہے ہین اور کالی جی بھی خون پینے کے لئے آمادہ ہین -

سولہوان مندر - کیلاس - اس سے بہتر عمارت تمام ہندوستان مین نہین ہے - پہاڑ سے کاٹ کر اتنا بڑا محل اس صنعت کاملہ کے ساتھ کہین نہین بنا ہے - یہ عظیم الشان مندر قریب کے مندرون سے علیٰحدہ ہے اور باہر اعلیٰ درجے کی مبنت کاری کی ہے - مندر کے پھاٹک پر عورتون کا پہرا ہے - غالباً گنگا اور جمنا بنی ہین - دیوار کے باہر شیو کی مورتین ہین - ایک مین خلاق یعنی دنیا کا پیدا کرنے والا آفرینندہ بنا ہے - ایک مین دنیا کا محافظ انسان کا بچانے والا - ایک مین جان لینے والا

سترہوان مندر - چھوٹا دھوما رلینا یہ شیو کا مندر ہے -

مندر ۱۸ و ۱۹ - ۲۰ معمولی ہین - کوئی خاص امر قابل تحریر نہین -

اکیسوان مندر - رامیسر - اس مین کالی اور گنیش اور شیو اور پاروتی کی مورتین ہین -

مندر ۲۲ سے **۲۶** تک معمولی - مگر نمبر ۲۵ مین سورج دیوتا کی مورت ہے - یہ اپنے جنگی رتھ پر سوار ہین - اور سات رہوار با ورفتار جُتے ہوئے ہین

مندر ۲۷ اور **۲۸** - نمبر ۲۷ کو گوالن کا مندر کہتے ہین - یہ ویشنو لوگون کا مندر ہے جو دودہا دھاری ہوتے ہین - گوشت نہین کھاتے نمبر ۲۸ مین شکستہ مکانات ہین -

اُنتیسوان مندر - اس مین ایک ہال (کمرہ) ڈیڑھ سو فٹ مربع ہے اور بیشمار مورتین اور نقش و نگار ہین -

تیسوان مندر - معمولی -

اکتیسوان مندر - چھوٹا کیلاس - یہ جینیونکا مندر ہے یہ جنوب کے گوشے مین سب کے آخری مندر ہے - کمرہ ۳۶ فٹ ۴ انچ مربع - اس مین ۱۶ استون مین -

بتیسوان مندر - ناتمام -

تینتیسوان مندر - اندر سبہا - پارسناتھ کا مندر بہت بڑا

مکنا ہاتھی بنا ہے۔ اندر اور اندرانی کی مورتین ہین اندر سبہا سے ذرا فاصلے پر جگنا تھ سبہا ہی۔

چونتیسوان مندر۔ یہ سب سے آخری مندر ہے اور نمبر ۳۳ کے آخر مین واقع ہے۔

دولت آباد

اس کا نام دولت آباد اہل اسلام کا رکھا ہوا ہے۔ اہل ہنود جن کا بنایا ہوا یہ قلعہ ہے اسکو دیوگڑہ کہتے ہین۔ ہندوستان کے قلعون مین بڑا مشہور قلعہ ہے بادشاہ نامے مین اسکا حال یون لکھا ہے۔

یہ قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے جس کی چوٹی آسمان سے باتین کرتی ہی اس کا محیط پانچہزار گز ہے۔ اس دوراندیشی کے ساتھ یہ قلعہ بنا ہے کہ دامن کوہ سے قلہ کوہ تک سانپ اور چیونٹی بھی آسانی سے نہین پہنچ سکتی ارد گرد ایک کھائی ہے۔ چالیس درع چوڑی اور ۳۰ درع گہری اور یہ ٹھوس پہاڑ سے کاٹی گئی ہے۔ وسط کوہ مین ایک راستہ ہے گھماؤ سے جانا پڑتا ہے جس طرح کسی منار مرتفع کے زینون سے چڑہنا ہوتا ہے دوپہر کے وقت روز روشن مین بغیر مشعل ودستی کے جانا محال ہے نہ زینے

پہاڑ ہی کاٹ کر بنائے گئے ہین اور سب زینون سے نیچے لوہے کا ایک
جنگی پھاٹک ہے جو قلعہ کے اوپر جانے سے غنیم کی پوری پوری روک تھام
کرتا ہے اسی پھاٹک سے ہو کر قلعہ مین جانے کا راستہ ہے۔ اسی راستے
مین لوہے کے بڑے بڑے اور مضبوط سیخچے لگے ہوئے ہین۔ اگر غنیم کسی
ترکیب سے گھس بیٹھ کے آنے کی تدبیر کرے بھی تو ان سیخون کو جن کو ظلمی
سیخچ کہنا چاہئے آگ سے دہکا دیا جائے تو اس قدر گرمی ہو اور شعلے ایسے
بلند ہون کہ غنیم کو بھاگتے راہ نہ ملے۔ عام طریقہ جو قلعون کے محاصرے کا
ہے یعنی سرنگ لگا کے بنیاد سے اڑا دینا۔ اس سے یہان کام نہین نکل سکتا
یہ قلعہ ایک قلعہ دار کے چارج مین ہے اور حضور شاہ دکن کی باقاعدہ
پولیس کے لوگ اس کے محافظ ہین۔ اس کے باغون مین انگور ہر قسم کے
پیدا ہوتے ہین اور انجیر کثرت سے۔ ایک گودام مین تنباکوے کشیدنی
اور گھی کا ذخیرہ ہے مشہور ہے کہ کئی سو سال سے یہ یون ہی جمع ہے
بارود یہان بہت ہی عرصہ دراز کی جمع ہے اور بہت ہی پرانے فیشن کے
ہوائی بان جو کوسون کی خبر لائین۔ موجود ہین۔ قلعہ کی کھائی سے تھوڑے
فاصلے پر ایک منار ہے کوئی ۲۱۰ فٹ بلند اور بنیاد کے پاس اسکا محیط
۷ فٹ ہے اس منار کے بائین جانب ایک بہت بڑے جینی مندر کے
در و دیوار شکستہ ہین جن کو برہمنون نے کالی جی کا مندر بنا لیا اس عمارت کے

ایک حصے کو اہل اسلام نے مسجد بنا لیا ہے۔ جانب راست کوئی پچاس فٹ پر چینی محل شکست حالت مین ہے۔ یہان ۱۶۸۷ء مین اورنگ زیب نے تانا شاہ کو جو گولکنڈہ کے آخری بادشاہون مین تھا قید کیا تھا۔ چینی محل کے اوپر ایک مدور برج ہے پتھر کا بنا ہوا۔ اور اس پر ایک دھرتی دھمک بجلی کڑک توپ ہے۔ طول ۲۰ قطر مُہرے کے پاس ۸ - انچہ سیاہ دہات کی بنی ہوئی اور خوب صیقل کی ہوئی ہے۔ نیچے کے جو پھاٹک ہین اُنکو اس سے بہ مقابلہ غنیم مدد ملے۔ اس اژدر دہان توپ کے دیکھنے سے سب سمجھ جائینگے کہ کسی وقت مین غنیم سے اس نے یہ کہا گا۔ بزبان حال سے کہ ع -

بترس اے مدعی از من کہ آتش در دہن دارم

یعنی یہ توپ رن کا میدان دیکھی ہوئی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دو سلاخ سے بنے ہوئے ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دشمن کی توپ کے گولے اُس پر پڑے سکتے -

شاد عفی عنہ

شاہراہِ حیات

ایک دل وخیل آرزو دل بکہ مدعا ہنم
تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

اللہ اللہ انسان بھی عجب طلسمات کا پتلہ ہے بدو شعور کے بعد اُس کی عمر آخر دم تک لاکھون آرزوؤن کے کش مکش مین گذرتی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان جب اپنی کسی امید کی پیروی مین ہر طرف تگ و دو کرکے تھک جاتا ہے اور مایوسی کا ابر اُس کے دل پر چھا جاتا ہے تو ناوک فکر سے زخمی ہو کر بیچین ہو جاتا ہے۔ اور ہزارون آرزوئین اور تمنائین اُمنڈ اُمنڈ کر ہر طرف سے دھاوا کرتی ہین۔ ایسی حالت مین انسان دریای حیرت مین غرق ہو جاتا ہے اور اُسکی سمجھ مین نہین آتا کہ کس آرزو کو ترجیح دے اور کون سی امید کے ساتھ وابستہ ہو جائے کس کی پیاری صورت سے نظر پھیر لے۔ اور کس دل لبھانے والی تصویر کو مرکز نظارہ بنائے کس کی محشر بپا کرنے والی رفتار پر دل و جان کو صدقے کرے جستجو کرے

توکس کی اور کون سا انمول ہیرا ڈہونڈ کر نکالے - بہر حال - ایک آئینۂ حیرت
آنکھون کا پردہ بنجاتا ہے اور عقل وحواس بھی دامن نظارہ سے وابستہ ہوکر
ایک روح ایک قالب بنجاتی ہین - اسکی لذت اُسی دل سے پوچھئے جو اس منزل
کا دلدادہ ہویا اس کا نشانہ بنا ہو - لیکن یہ ساری آفتین جو ہمارے سر پڑجاتی
ہین اس کی وجہ صرف ہماری نافہمی اور بے دست و پائی ہے اس لئے کہ
ہماری زندگی زمانے کی نیرنگیون کے ساتھ اِس طرح اُلجھی ہوئی ہے - جیسے
دامن خار کے ساتھ یا نظر آئینے کے ساتھ - دنیا کی ہزار دلچسپیون اور بے شمار
دلبستگیون سے ہر وقت مقابلہ ہوتا ہے اور ہر ایک نیرنگی ہمکو ایسا محوِ حیرت بنادیتی
ہے کہ تمیز باقی نہین رہتی - جہان کوئی اچھی صورت نظر آئی اور آنکھ لڑی -
ابھی اُس جادو بھرے حسن دلفروز سے جس کے باعث دید بازی کا لپکا پیدا
ہوا ہماری نظر ہٹی نہین تھی کہ دوسری چیز پر فریفتہ ہو گئے - اور یہ فریفتگی کچھ ایسی
گلے کا ہار بنگئی کہ اس سے دامن چھوڑانا مشکل ہو گیا - ایسی ہزارون بلکہ بیشمار
نیرنگیون اور لذات دینوی مین کہ وہ انسان کے لئے باعث مسرت ہی نہین
بلکہ سوہان روح بھی ہی اور یہ لگاتار سلسلہ ہماری زندگی تک ہے - امیر و فقیر
شاہ و گدا عورت اور مرد سب اسی مرض مین مبتلا ہین - کوئی اس سے بچا نہین -
اور نہ اس سے بچے گا - دور کیون جائیے آپ ہی اپنی جوانی کے موسم
کو یاد کیجئے کسی وقت ضرور کسی مہوش سے عشق ہوا ہوگا اُس وقت آپ پر

کیا گذری پہلے نظر شوق نے آپ کو کسی کے حسن دلفریب کا جلوہ دکھایا لیکن واوری بیقراری۔ اور نگاہ کی تلون مزاجی کہ ابھی پوری نظر نہین پڑی تھی۔ کہ کسی چیز نے شرما دیا۔ اور نظر عروس نو کی گردن کی طرح نیچی ہو گئی۔ اور آپ کو خبر بھی نہین کہ دیکھنے پر آمادہ کیا تو کس نے اور وہ کون سی چیز تھی کہ جس نے شرما دیا اس مخمصے سے نجات نہین ملی تھی کہ شوق کے اقتضا نے پھر ابھارا اب وہ اُچٹتی نظر لب جان بخش تک پہنچی اور بمصداق۔

کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

دیکھتے ہی دیکھتے وہ نگاہ پھری اور رخسارۂ یار کے آئینہ خانے مین پہنچی حیرت کی کش مکش نے ایک ایسی ٹکر دی کہ وہان سے پھسلکر کسی کے اُٹھتے جوبن سے ٹکرائی۔ ان سرکشون کی دورباش اور ادب کی صدا نے ہمت کو کسیقدر پست کر دیا تھا۔ لبھانے والی صورت اور سحر آفرین ترچھی نظر نے تو بسمل ہی کر دیا۔ اُسکی ہر ایک آواز آپ کے لئے تیغ ستم تھی۔ اُس کی جفائین آپ کے لئے راحت جان ہوئین اُسکی دشنام آپ کے حق مین دعائین بن گئین۔ اُس کی جھڑکیان آپ کے پریشان دل کے لئے باعث تسکین ہوئین۔ اُس کا انکار اقرار کا مزہ دینے لگا اُس کی ہوش ربا نظر آپ کے لئے ستانہ ٹھہری۔ آنکھون کی پتلیون کا پھیرنا۔ آپ کی محفل کے واسطے گردش پیمانہ بنا اُسکی رفتار پر آپ سے قربان ہونے لگے اور وہ نازک خرامی۔ قیامت فزائی کے ساتھ منسوب ہونے لگی۔ اُس کی ٹھوکر

مسیحا بن گئی ایک آپ ہی جی نہین اُٹھے لاکھون مُردے اُس کی ٹھوکر سے جی گئے
عیسیٰ کو بھی رشک ہونے لگا۔ کیونکہ یہ مسیحائی اُنھین بھی نصیب نہین ہوئی۔ اُسکا
ہی تبسم آپکے حق مین کیمیا بن گیا۔ اُس کا غصہ آپ کے لئے مرگ مفاجات
اُسکا نامہ آپ کے لئے الہام بلکہ مقدر کا جواب ہوا۔ اُسکے وصل نے آپکے
دل کو معراج کا رتبہ بخشا۔ جای غور ہے کہ صرف یہ ایک آرزو تھی جسکے ساتھ
ہزارون آرزوؤن نے ہجوم کر کے اُلجھنین پیدا کر دین مگر آپ کی عقل تو لچہ ایسی
دیمک چاٹ گئی کہ آپ خیالی آرزو مین سے کسی ایک کو بھی اپنا نہ بنا سکے اور
نہ آپ مین اس قدر ہواس باقی رہے کہ اچھے اور بُرے کا امتیاز کر سکین بلکہ اُلٹے
لینے کے دینے پڑے۔ آپ اِن مختلف سحر آمیزیون کے دام مین ایسے پھنسے
کہ مخبوط الحواس ہو گئے جس کا خمیازہ یہ اُٹھانا پڑا۔ کہ کبھی تو آپ آپے سے
باہر ہو کر دیوانے کی طرح ورودیوار گھور رہے ہین اور اپنی خیالی تصویر
سے باتین کرنے مین مصروف ہین۔ کبھی آپ کا جی چاہتا ہے کہ زور زور
سے قہقہہ لگائین۔ اور باغ کے گل وبلبل کو نیچا دکھائین۔ اور کبھی آپ نے
زار و قطار رو کر ابر کو بھی شرما دیا۔ کبھی تو آپ کا جی چاہتا ہے کہ کوئے یار مین
دھونی رما کر بیٹھین۔ اور کبھی خیال آتا ہے کہ نہین دشت نوردی سے تلوون
کو چھالون کا زیور پہنائین۔ کبھی جیب و داماں کی دھجیان اوڑائی جاتی ہین۔
اور کبھی خاک کو سر پر ڈالنے کی فکر ہوتی ہے۔ کبھی ننگ و ناموس کا خیال

آتا ہے ۔ اور کبھی مستانہ وار جھوم جھوم کر یہ کہتے ہین ؎

گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلان

ما نمی خواہیم ننگ و نام را

اس ابتدائی جوانی کے ستم سے بچکر اگر تقدیر سے نکل گئے تو اور بھی جان کے لالے پڑے ۔ پہلی بسم اللہ شادی ہوئی اور خانہ داری کا طوق گلے مین پڑا ۔ عیال اطفال کی پرورش کی فکر کسی پہلو چین نہین لینے دیتی ۔ فکر معاش کا سودا جدا سر پر سوار حکومت کا کمر بند الگ کس دیا گیا ۔ فکر معاش خوف معاد ۔ دوست و دشمن کے ساتھ برتاؤ اخلاق کی ذمہ داری ادب کا لحاظ ۔ علم کا شوق ۔ ترقی مدارج کی ہوس ۔ ان سب پر طرہ اجل کا کھٹکا ۔ دیکھیے انسان بھی کیا طلسمات کا پتلہ ہے کہ اتنی بکھیڑیون کی قیدخانون مین پھنسا جاتا ہے اور اُن کی آفتون کو جھیلتا ہے مگر آرزو ایک باقی رہتی ہے ۔

کیا ان آفات سے پیچھا چھوڑا کر نجات حاصل کرنے کی کچھ بھی کو اُس کو پروا ہوتی ہے ۔ بجز اکچھ بھی نہین ان راستون کو طے کرنے کے لئے ۔ کیا وہ عقل کو اپنا رہبر بناتا ہے ۔ ہرگز نہین ۔ بہرحال دنیا کا کھڑاگ مرتے دم تک جدا نہین نہین ہوتا بلکہ مصائب اور آفتون کا طومار بڑھتا جاتا ہے اور لذات دنیوی اور اُن سے محفوظ ہونے کا خیال کبھی ختم ہی نہین ہونے آتا ۔ جہان کوئی اچھی شئے نظر آئی خودغرضی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اُس کو آغوش محبت مین لیکر کلیجے کا

ٹکڑا بنائین اور بہت حفاظت سے رکھین اور ایسا نہ ہو کہ کسی دوسرے کو
اس کی ہوا تک لگے۔ جس قدر انسان کے لئے دنیا کی فکر اور ہوس زیادہ
ہوتی جاتی ہے۔ اُس کی زندگی اُسی قدر اُس کو اجیرن ہوتی ہے۔
مگر اے دنیا کے تعلقات کو دل سے دور کرنے والو۔ اور خدائے وحدہٗ
لاشریک کے دم محبت بھرنے والو۔ تم اچھّے ہو جس حال مین ہو۔ نہ تمہین
فکرِ روزگار رہے اور نہ خوفِ آخرت نہ بادشاہ کی عنایتون کی امید اور
نہ اُس کے غضب کا خوف نہ حکومت کی خواہش نہ دولت کی تمنا۔ نہ خانہ داری
کی قید نہ زنجیر مذہب کی بندی۔ نہ نفس تمکو ستاتا ہے اور نہ تعصب تمہین
تنگدل بناتا ہے۔ بس ایک آرزو ہے اور وہ اُسی کی جستجو اُسی کی دید۔
اُسی کے کلام کی شنید سے وابستہ اور یہ مبارک آرزو رفتہ رفتہ
دنیا و ما فیہا کو بھلا کر اس منزل پر پہنچا دیتی ہے۔ کہ "نہ تو تو رہا نہ تو مین رہا جو
رہی سو بیخبری رہی" خدا اس نعمت سے ہم کو بھی سرفراز کرے۔ ہم بھی اسکی
بارگاہ مین امیدوارِ فضل و کرم ہین۔

شاد علی عنہٗ

روح

اطبا کے نزدیک **روح** ایک جسم لطیف ہے۔ جو خون کے اوپر ایک ہوائی زرد رنگ لئے دکھائی دیتا ہے اور اخلاط اربعہ کے مناسب طور پر ملنے سے پیدا ہوتا ہے اور اُسی پر زندگی کا دارومدار ہے۔ اِسکا عدم گویا عدم زندگی ہے اسکی کمی سے اعضا مین ضعف آجاتا ہے رنگ پیلا پڑجاتا ہے۔ تاب و توان نام کو باقی نہین رہتی قسم قسم کی بیماریان انسان کو لاحق ہوجاتی ہین حتیٰ کہ حواس مین بھی فرق آجاتا ہے اور جب یہ مادہ فنا ہوجاتا ہے تو جاندار بھی فنا ہوکر خاک مین خاک ہوا مین ہوا۔ پانی مین پانی۔ اور آگ مین آگ مل جاتے ہین۔ اور یہی اسکا کمال ہے۔ کیونکہ عناصر اربعہ کے اختلاط ہی سے اس کا وجود ہے اور ان کا اپنے اپنے کرہ مین مِل جانا ہی ان کا کمال۔ پس انحلالِ عناصر پر اسکا خاتمہ ہے۔

لیکن ہماری مُراد اس موقع پر مندرجہ بالا **روح** سے نہین کہ جس کو نہ صرف نقصان کا کھٹکا ہی ہے۔ بلکہ فنا بھی لازم ہے اور کہ جو مناسب دوا وغذا ملنے سے بحال بھی رہ سکتا ہے۔ بلکہ اُس روح سے مراد ہے کہ جسکو کبھی فنا نہین۔ نہ اس مین کمی ہے اور نہ نقصان کا اندیشہ۔ نہ کھانے کی محتاج نہ آرام کی ضرورت اور کہ جو

سردی وگرمی یکسان ہین۔ نہ وہ حواسِ خمسہ مین سے کسی حس سے محسوس ہوسکتی ہے۔ اور نہ وہ جسم ہے نہ جسمانی مدرک بالذات اسکی صفت ہے۔ یہی غیر مرئی ہے جو کبھی فنا نہین ہوتی۔ فلاسفرون کی اصطلاح مین اسے **نفس ناطقہ** کہتے ہین اور ہمارا دعویٰ ہے کہ نفس ناطقہ کو فنا نہین بلکہ وہ انسان کے بعد از مرگ بھی زندہ رہتا ہے۔

چنانچہ ایک فلاسفر کا قول ہے کہ روح کے وجود کی مثال بعینہٖ پتھر کی آگ کی مثال ہی کہ وہ آگ پتھر مین ہر وقت موجود ہے لیکن محسوس نہین ہوتی نہ تو وہان آنکھ کام کرسکتی ہے اور نہ وہم کو دخل ہے اور تاوقتیکہ وہ پتھر دوسرے ٹھوس جسم سے رگڑ نہ کھائے اُس (آگ) کا عدم وجود برابر ہے۔ اسی طرح جبتک روح سے کہ جو ایک جوہر ہے جسم کے ساتھ جو عرض ہے تعلق پیدا نہو روح کا ظہور نہین ہو سکتا اور فنائے عرض کے ساتھ فنائے جوہر لازم نہین۔

ایک حکیم کا خیال ہے کہ روح کیا جسم بھی فانی نہین۔ کیونکہ جسم مٹی سے بنا ہے۔ اور روح کی علیحدگی پر وہی مٹی مٹی مین مل جاتی ہے کہین ضائع نہین ہوتی۔ اس کا وجود خواہ کسی شکل مین ہوتا ابد قائم رہتا ہے جس صورت مین کہ جسم روح کا عرض ہے یا بالفاظ دیگر روح کے صدور فعل کا آلہ ہے قائم رہتا ہے تو روح جو ایک نفیس اور بے بہا جوہر ہے کیونکر فنا ہوسکتی ہے۔ نیز جسم ایک مادی شے ہے کہ جس کے لئے انحلال کیفیت بدل لے تاہم اپنے مادے کو نہین چھوڑتا اور نہ ضائع ہوتا ہے **نفس ناطقہ** جو ایک بسیط چیز ہے اور مادے کے نقص سے بری۔ وہ کیونکر معدوم ہوسکتا ہے۔

دہریہ کہتے ہین کہ ہمیشہ کی زندگی اسی مین ہے کہ ہم دنیا مین فیاضی اور سچائی کا نمونہ بنجائین اور لوگون کے دلون مین جگہ حاصل کرین۔ لیکن کیا اُن کا یہ قول درست ہے؟ ہرگز نہین کیونکہ اگر روح مادہ کی ہو تو فنائے جسم کے ساتھ فنا ہو جائے۔ لیکن چونکہ یہ مادی نہین لہذا اُسے بھی فنا نہین۔

انسان مین بہت سے ایسے اوصاف ہین جو الٰہی صفات سے ملتے جلتے ہین مثلاً رحم عفو۔ انصاف سخاوت۔ عدل۔ وغیرہ کہ جو غیر ذوی العقول مین نہین پائے جاتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اوصاف کا تعلق جسم سے نہین بلکہ روح سے ہے کیونکہ اگر انکا تعلق جسم سے ہوتا تو ضرور تھا کہ غیر ذوی العقول مین بھی یہ اوصاف پائے جاتے پس صاف ظاہر ہے کہ ضرور کوئی چیز جسم سے علیحدہ ہے کہ جس کا یہ حصہ ہے اور وہ روح ہے اور چونکہ صفاتِ الٰہی کا حصہ اسے ملا ہے تو ضرور ہے کہ ذات باری کے نور کے ساتھ اس کا تعلق ہوا اور جب ذات باری کے نور کا کوئی جسم نہین تو اسکا بھی کوئی جسم نہین ہونا چاہیئے اور چونکہ اُس نور کو فنا نہین۔ لہذا اسے بھی آسیب عدم سے کچھ صدمہ نہین۔

افلاطون کا قول ہے کہ "اگر روح کو بقا نہین تو مذہب کی بھی کچھ ضرورت نہین" ایک اور صاحب فرماتے ہین کہ روح فانی ہے تو وہ سب مسائل کہ جن مین انسان کے مرنیکے بعد کے حالات کا نقشہ کھینچا گیا ہے باطل ٹھہرے۔ انسان اور حیوان مین کوئی فرق نہ رہا۔ تمام علوم و فنون فضول اور ہماری نیکی اور بدی برابر۔ اس صورت مین لازم ہوا کہ ہر نوعِ انسان بلا تمیز جا و بیجا۔ واجب و غیر واجب۔ راست و ناراست غرض جو چاہے سو کرے۔ کوئی

باز پرس نہین۔ الغرض ہمارے سب کام بے ثمر ہون اور اس سے نظام عالم مین وہ شور فتنہ وفساد پیدا ہو۔ کہ ایک ساعت مین تباہ ہوجائے۔ کیونکہ سب خودغرض حیوانات کی طرح اپنے بھلے کی خاطر ایک دوسرے کا خاتمہ کردینگے۔ لیکن ایسا نہین ہے۔ ہمین ماننا پڑتا ہے کہ ہمارے کام بے ثمر نہین۔ لیکن چونکہ جسم ہمارے سامنے فانی ہوچکا اور اس کا کوئی نام ونشان باقی نہین رہا لہٰذا وہ ثمر کسی اور چیز کا حصہ ہے کہ جو جسم کی طرح فانی نہین اور وہ نفسِ ناطقہ یعنی روح ہے۔

روح کے ابقار کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ اسمین مختلف اقسام کی ایسی لیاقتین اور قابلیتین موجود ہین کہ جنکی تکمیل کی ضرورت اُس دنیوی ترقی کی ضروریات سے کہین بڑھکر ہین۔ لیکن اس چند روزہ زندگی مین اعلیٰ درجے کے دینوی فنون کی عرصہ دراز کی تعلیم ان قابلیتون اور لیاقتون تکمیل کی مانع ہے۔ دفعتًہ انسان پر موت نازل ہوتی ہے اور وہ بےچارہ اپنی خداداد لیاقتون کی عدم تکمیل کی شکایت کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسم کے ساتھ اُس کی وہ روحانی لیاقتین اور قابلیتین فنا نہین ہوئین بلکہ اُنھین کام مین لانے کا ہتھیار (جسم) ضائع ہوا ہے۔

شاکر میرٹھی

غزل

ظاہر بھی نہان بھی ہے نگاہِ بشری سے
عالم کو تحیر ہے تری جلوہ گری سے

ٹھکراتے ہوئے چلتے ہو عشاق کی تربت
محشر نہ بپا ہو کہین اس فتنہ گری سے

کیا گرمی و سردی سے زمانےکی ہون آگاہ
وہ لوگ جو واقف نہین خشکی و تری سے

افسوس کہ دل اُسکا پسیجا نہ کسیدن
دل ٹوٹ گیا نالونکی اس بے اثری سے

زخمِ دلِ مجروح بھرا ہے نہ بھرے گا
کیا فائدہ اے چارہ گر اس چارہ گری سے

بندہ ہون ترا کام مجھی سے ہے الٰہی
کیا مجھکو سروکار بھلا و بدری سے

مستون سے ذرا پوچھ لے کیا اسمین اثر ہے
واقف نہین زاہد تو ذرا بے خبری سے

شاہد ہے شبِ ہجر کہ فرقت مین تمہاری
اُٹھ بیٹھتا ہون شدتِ دردِ جگری سے

ہے قدرتِ خالق کا یہ ادنیٰ سا کرشمہ
آدم پدرِ خلق ہوئے بے پدری سے

ہے عید کے ہنگام مین ہنگامۂ محشر
ذیحجہ محرم ہے مری نوحہ گری سے

بیخود ہون مگر پھر بھی ہون ہشیار مین اے شاد
عالم ہے خبردار مری بے خبری سے

شاد عفی عنہ

شہابِ ثاقب

الٰہی؟ رو رہا ہی کیون زمانہ قوم کے غم مین
بجھے جاتے ہین کیون صف کی طرح شمعِ ماتم مین

الٰہی؟ اشکِ حسرت کی ہوئی کیون ایسی ارزانی
یہ گوہر جنسِ کاسد بن گئے بازارِ عالم مین

الٰہی؟ سردِ آہون کی ہوا کیون چل پڑی ایسی
کہ گرمی نام کو باقی نہین انفاس پیہم مین

الٰہی؟ اوس کیسی پڑ گئی صحنِ گلستان پر
گل و برگ و ثمر مرجھا گئے سب ایک ہی دم مین

الٰہی؟ بن گئین کیون عیش گاہین "حلقۂ ماتم"
عیان ہی تختۂ گل پر جھلک اشکون کی شبنم مین

الٰہی؟ شہد مین زہرِ ہلاہل مل گیا کیسا
نظر آنے لگے رنج و طرب کیون شکلِ توام مین

الٰہی؟ کیون ہوئے تعمیر گھر گھر مین عزا خانے
لباسِ ماتمی کا پڑ گیا کیسا چلن ہم مین

نہین اب عید کے جلسے بھی خالی نوحہ خوانی سی
ہوا کرتے تھے اول "مرثیے" ماہِ محرم مین

مگر! وہ رسم بھی محدود تھی اک خاص فرقے تک
نہ رکھتا تھا جو یارا ضبط کا جوشِ غم و ہم مین

یہ کیا ہی؟ اب تو ہر فرقہ۔ ہر اک جلسے مین روتا ہے
عزاداری ہوئی ہی ایک فیشن بزمِ عالم مین

بچھونا ہی۔ تو رونا۔ اوڑھنا ہی۔ اب تو رونا ہی
بجای خواب آنسو بس گئے ہین چشمِ پرنم مین

مجھے ڈر ہی۔ یہ رونا جگ ہنسائی کر نہ دے اک دن
نہ اُٹھین انگلیان [illegible] عالم مین

ہنسی پر اپنی آتی تھی ہنسی۔ یہ بات ہی کل کی
اب اس رونے پہ رونا آنیوالا ہی کوئی دم مین

یہی حالت رہی چندے تو بس اللہ حافظ ہی
رطوبت جب ہوئی زائل درختِ خشک کی صورت
غلط ہی اُستنِ حنانہ بنجائے ہر اک ہیزم
جو یہ سچ ہی- تو پھر رو رو ہوکے ناحق جان کھوئی ہے
رہیگی قوم ہی باقی! نہ رونا قوم کا باقی
بس اب رونا کرو موقوف آنسو پونچھلو جھٹ پٹ
اگر اب بھی نہ سمجھو گے، نہ مانو گے، تو سن لو گے
کہے گا اک جہان شہرت پسند و خود غرض تمکو
ہوس ہجائیگی دلمین خطابون اور تمغونکی
نہ یہ حاکم پرستی کام آئیگی نہ یہ گٹ پٹ
بٹھادیگی یہ کرسی ممبری کی خاک پر تمکو
گئے وہ دن؟ کہ روتے تھے لگاکر تھوک کے آنسو
کھلین جمہور کی آنکھین تمہاری کھل گئی قلعی
گئے؟ روئے تھے کل تک آج رولو آٹھ آٹھ آنسو؟
جو ہو! اِس بات سے ناخوش تو بنتا دم ہو خطا دیکر
تصنع پر کہو لعنت و نفاق و بغض کو چھوڑو
نہ جو وقت مدد اے ناخدا کشتی امت

رہیگا عنصرِ آبی- نہ باقی آب ہین ہم مین
تو پھر کہئیے؟ رہا- کیا فرق ہم مین اور ہیزم مین
سبھی مُردے ہون زندہ- وہ عیسیٰ ابن مریم مین
یہ کشتی غرق ہو جائیگی سیلِ اشک پیہم مین
نہ کوئی رونیوالا ہی نظر آئے گا عالم مین
لگا لو سرمۂ عین الحقیقت چشمِ پرنم مین
وہ باتین ضبط کی جنکے نہین ہی تاب اب ہم مین
فنا فی اللہ ہو جائیگی قومی لیڈری دم مین
لکھے گا کون دہی لیس- ای، اخبارونکے کالم مین
بس اے ملت فروشو! اب نہ آئیگا کوئی دم مین
اٹکجائینگے روڑے ہر قدم پر چلتی ٹم ٹم مین
دکھانیکے لیے تھی سینہ کوبی- قوم کے غم مین
خدا کا شکر ہے بیدار ہوئین بیداریاں ہم مین
کرو گھر بیٹھکر اب سینہ کوبی- اپنے ماتم مین
کرو توبہ- بنو سچے مسلمان، آملو ہم مین
کہو؟ یون عرض ناچیز گدا ہمدرد عالم مین
بہت مدت رہے ڈوبے ہوئے ہم انجمن مین

تھپیڑے اک زمانے تک دیئے یادِ مخالف نے
پھنسے دنیا پرستی مین۔ گنوائی دین کی دولت
کئے حملے نہ کیا کیا آپکے احکامِ شرعی پر
عجب کیا ہی؟ اگر فریاد سُنکر رحم فرمائین
ملا ابلیس کو بھی ایک حصہ اُنکی رحمت سے
خدا کا فضل بھی ہی منحصر۔ اُنکی شفاعت پر
یہ مشتِ خاک ٹھیرے اشرف المخلوق کیا معنی
وہ ختم الانبیا تکمیل دینِ حق ہوئی جن سے
یتیم ایسے۔ کہ دنیا مین نہ دیکھا باپ کا سایہ
یسیر ایسے۔ کہ مان بھی اتنی سن مین کر گئین رحلت
فقیر ایسے۔ کہ خالی ہاتھ تھے دنیا کی دولت سے
غنی ایسے۔ کہ ماری لات دنیائے دو روزہ پر
حلیم ایسے۔ کہ سمجھا کوہِ غم کو کاہ سے کمتر
وہ اُمی۔ ایک مکتب کی نہ دیکھی عمر بھر صورت
عرب سا ملک جسکو اپنی آزادی پہ غرہ تہا
وطن چھوٹا ہوئے محصور بھی کفار مین لیکن
خطا کا عفو کرنا اُنکا ادنیٰ کام ہی ثاقب

تلاطم سے حسد کے مرمٹے تکرار باہم مین
نہ چوکے دخل سے اللہ کے احکام محکم مین
نئی تعلیم سے ہم آ گئے شیطان کے دم مین
کہ ذاتِ پاک حضرت آیۂ رحمت ہی عالم مین
کرم کی شان ہی۔ شانِ خدا۔ نورِ مجسم مین
عیان ہی اِنَّا اَعْطَیْنٰا سے قرآن معظم مین
جو وہ فخرِ سلف پیدا ہوئے اولادِ آدم مین
رسالت کی ضرورت ہی رہی باقی نہ عالم مین
نہ پائی پرورش اک عمر آغوشِ ابِ عم مین
کہ جس سن کی ہی گنتی کم سی بھی کم۔ کم سے بھی کم مین
مگر سکہ ہوا اُن کا روانِ ملک کے جسم مین
نہ آلودہ ہوا دامن ہوائے دام و درہم مین
رہے ثابت قدم ہر منزلِ رنج و غم و ہم مین
ہلا و الافصیحانِ عرب کو پھر بھی اک دم مین
خدا کی شان ہی آیا سراسر حکم محکم مین
دعائے بد۔ نہ کی درگاہ خلاق دو عالم مین
کرم اک جوہرِ ذاتی ہی اُس ذاتِ مکرم مین

نہ رکھیں گے روا تکلیف ہرگز اپنی اُمت پر
خدا سے عرض کرکے دلکو آئینہ بنا دینگے

نہ دیکھی جائیگی اُنسے بُرائی ہی جو کچھ ہم مین
چلیگا پھر خدائی کا پتا اس ساغرِ جم مین

یقین ہی پھر مزے آجائینگے اگلی بہارون کے
نسیمِ عیش خل نکلے گی پھر گلزارِ عالم مین

ثاقب قادری بدایونی

رُباعیات

آیا دورِ خزان چمن کو چھوڑا
فن سے باز آئے اہل فن کو چھوڑا
نا قدریٔ اربابِ جہان کے صدقے
بیفکر ہوئے فکرِ سخن کو چھوڑا

دیگر

کھاتا ہے اُسی کے در سے جو کھاتا ہے
ٹکڑا وہ علی الحساب پہنچاتا ہے
عُسرت عشرت ـ عنا عنا کچھ بھی ہو
ہر حال مین رزّاق وہی داتا ہے

دیگر

دعویٰ باطل کہ مدعی نے مارا
تہمت جھوٹی کہ خودکشی نے مارا
الزام فرشتون پہ ـ الٰہی توبہ
جسنے پیدا کیا اُسی نے مارا

ثاقب قادری بدایونی

غزل فارسی

بجز از عشق تو کارِ دگرے نیست مرا غیر یادت ز دو عالم خبرے نیست مرا

شوق سرگرمِ خرام و رہ دشوار بہ پیش رہبر خویشتم و کس راہبرے نیست مرا

پاس ناموسِ وفا در رہ عشقت دارم للہ الحمد کہ بر ہم نظرے نیست مرا

پرتوِ نور کریم جلوۂ آئینہ کہ چیست این جملہ عناصر خبرے نیست مرا

ہر نفس تازہ بہاریست مرا در عالم زانکہ جز کوچۂ جانان سفرے نیست مرا

آرزو در دل و مستی بسر و اشک بچشم از حریفانِ شریعت حذرے نیست مرا

حیرت آنست کہ گوید پس تشخیص طبیب درد دل دارم و سوزِ جگرے نیست مرا

نیست از نفس کشی ہیچ ریاضت بہتر غیر ازین نخل عمل خود ثمرے نیست مرا

از ازل عشقِ رخِ یار بدل میورزم جز وصالش ہوس سیم و زرے نیست مرا

سخن از پردۂ توحید برون میگویم کہ بجز یار باغیار سرے نیست مرا

ہمچو موسیٰ ارنی گوئے جمالش ہستم
شادؔ زان از ہمہ عالم خبرے نیست مرا

شادؔ عفی عنہ

بسم اللہ الحفظ العادل

سنہ ۱۳۳۳ ہجری

تہنیت عید شہ دکھن

سنہ ۱۳۳۳ ہجری

خوش سیر عثمان علی خان بہادر بادشاہ
فخر رستم ثانی نوشیروان حاتم مزاج

آفتابِ حسن و خوبی ماہتابِ علم و فضل
ہی چراغِ معدلت روشن شریعت کا چراغ

حکمتِ رب نے طبیعت کو کیا ہی معتدل
ہی درشتی اور نرمی کا مناسب امتزاج

ظالمانِ پر دغا پر گر ہو جرّاحی عمل
ہی یہی دردِ دلِ مظلوم و مفلس کا علاج

گھٹ رہی ہی جعلسازی فتنہ پردازی کی رسم
بڑھ رہا ہے قدردانی حق رسانی کا رواج

اب سفارش داس و رشوت رام بھا نہیں پائینگے
اب دھرم سنگھ اور پن پرشاد کا پھیلیگا راج

قانع و صابر بھی ہونگے شہر مین جب فیض آئے
کم نظر آئینگے محتاج اور صاحب احتیاج

خاندانِ آصفی کا ہو فزون جاہ و حشم
تا قیامت اس گھرانے مین مبارک تخت و تاج

ملک و مالک بارشِ رحمت سے ہون آباد و شاد
ہو گرانی کی گرانی خوب ارزان ہو اناج

انبساطِ عید بہرِ حج و کعبہ ہو دوچند
حرمتِ حجاج یارب ہو زیادہ ابتھاج

عید قربان مین عوض بکرون کے قربانی ہو عدو
ہون یہ خودکش ہو کے ذی جوع البقر دی احتیاج

ہر ہی خواہِ ریاست کو خوشی مین ہو خوشی
عید کو ہو شادمقصد سے عقد ازدواج

خطبۂ سلطانِ عادل ہر جگہ پڑھوائے حق
سکۂ عثمانیہ کا ہو ترقی پر رواج

جب بھرا دربارِ اعلیحضرت عالی تبار ۔ نذر گزرانی ہر اک نے عید کی حسبِ رواج

ای رسا قربانِ شہ ہو کر خوشی سے یون کہا

ہو مبارک عیدِ اضحیٰ والیِ دکّن کو آج

سنہ ۱۳۳۳ ہجری

تصوّر

درد بنکر دلِ مضطر مین سمانے والے ۔ تیر بن بنکے مرے سینے مین آنے والے

جان کیون لینے کی ٹھانی ہے ستمگر تونے ۔ رحم کر حال پہ کچھ میرے ستانیوالے

تو بھی اُس شوخ جفا کار کا ساتھی نکلا ۔ چھوڑکر مجکو تڑپتا ہوا جانے والے

تو ہمین لاکھ بھُلائے تو نہین اس کا غم ۔ ہم تری یاد نہین دلسے بھلانیوالے

چاہنے والے ہزارون ہین یہ مانا تیرے ۔ ہان مگر ہمسے نہین ناز اُٹھانیوالے

آتشِ عشق بھڑکتی ہے تو کہتے ہین یہی ۔ تو بھی ٹھنڈا نہ رہے ہمکو جلانیوالے

ہر ادا ہوشربا کیا ہے تصوّر تیری

شوخیان بھاتی ہین اس دلکو تحریر تیری

گھر رہا کرتی تھی خلوت دلکی ۔ تیرے جانیسے ہوئی اور ہی حالت دلکی

[illegible] مید ۔ آرے داغ رہی کچھ ہوتی ہے صورت دلکی

آہ و فریاد و فغان بھی نہین طاقت دل کی | کیا یہ شیوہ ہی بیدرد ستانا ؟ اچھا
یاد ہے تجھکو بھی بیدرد محبت دل کی | اب تسلی ہی بھی ہائے رولانیکو تو آ
اسمین کچھ بھی نہین افسوس شرارت دل کی | تو نے خود ہاتھو سے چھوڑی ہی یہ محفل ظالم

ای تصور تری تصویر کھچی ہے دل مین
ایک بستی ترے ہاتھو نسے بسی ہی دل مین

اب تو فرقت نے تری پانو نکالے آجا | ہی تصور مرے اس دلکے اجالے آ جا
پھوٹ جائینگے دلِ زار کے چھالے | تو نہ آئیگا تو آئے گی قیامت ظالم
بنکے لیلی مجھے اب تو بھی ستالے آجا | یاد نے تیری مجھے قیس بنا رکھا ہے
شب غم تو ہی کلیجے سے لگالے آ جا | کوئی آئے کہ نہ آئے ترا آنا بس ہے
پڑ گئے ہین مجھے اب جان کے لالے آجا | تیری فرقت ہی کہ ہی موت کی ساعت ظالم

آ ہو دل زار کے ہمدرد کہا مان بھی جا
دوست ارمان ہی مدت سے ترا جان بھی جا

ارمان وڑا ما لشٹ

بت جھرو ی احتیاج

امد شاہد مقصد سے عقد ازدواج

چند ضروری قواعد

(۱) رسالہ تذکرہ [illegible] جناب [illegible] سرپرستی [illegible] شائع

[illegible] کی [illegible] المہام [illegible]

[illegible] کے [illegible] شائع ہوتا ہے

(۲) [illegible] کی طرح کوئی [illegible] رکھی گئی ہے [illegible]

[illegible] [illegible] کے [illegible]

بھی دے [illegible] رسالہ [illegible] اور لائبریریوں کو بجانب سرکار مہاراجہ بہادر [illegible]

کو بجانب [illegible] مفت دیا جائے گا۔

(۳) جواب طلب امور کیلئے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے ورنہ جواب

شکایت معاف۔

(۴) اگر کوئی صاحب ازراہ عنایت اپنا کلام بھیجنا چاہیں تو اپنے نام و مقام کے

ساتھ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک خوشخط لکھ کر بھیجیں۔

اخلاقی [illegible] مضامین ہوں [illegible] یا [illegible]

جس مضمون کا [illegible] مناسب سمجھا جائے گا وہ درج ہوگا [illegible]

(۵) خط و کتابت [illegible] رسالہ [illegible]

سے آجا

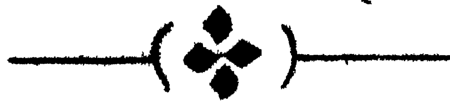
سے آجا

ب بھر دی احتیاج

بد مقصد سے عقد ازدواج

ہو رہا

تزک عثمانیہ



۲۹
اُنتیسویں سالگرہ مبارک اعلیٰحضرت قدر قدرت جہان پناہ ظل سبحانی
نظام الملک آصفجاہ نواب میر عثمان علیخان بہادر جی سی ایس آئی فرمانروائے
ملک دکن کی

مبارک یادگار میں

بسرپرستی عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت
جی سی آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی
تلمیذ حضرت آصف غفران

محبوب پریس علاقہ پیشکاری سے شائع ہوا

فہرست مضامین تزک عثمانیہ جلد نمبر

۸۶ء

نواب فصیح الملک مرحوم کے بارھویں عُرس کا مشاعرہ جو سالانہ یہہ خاکسار بذات خود کرتا ہے۔ ثاقب

ارمان - جناب قاضی محی الدین صاحب قادری تلمیذ حضرت ثاقب پہلوان سخن

پھر وہی انکار ہے اقرار میں
پھر وہی ہے چھیڑ پیدا پیار میں

جو مزہ پایا ترے انکار میں
لطف ایسا تو نہ تھا اقرار میں

بچ گیا کیونکر نگاہِ... یار میں
خوبیاں کیا تھیں دلِ بیمار میں

آنکھ پھرتے ہی خدائی پھر گئی
گردشِ قسمت تھی چشمِ یار میں

رہ کے سیکھی ہے کمر میں یار کی
یہہ لچک پھلے نہ تھی تلوار میں

سخت جاں ہیں او نازک دستِ یار
اُس پہ کچھ دم خم نہیں تلوار میں

صورِ محشر کیا جگائیگا ہمیں
سوتے ہیں راحت سے کوئے یار میں

مردے زندہ زندے مردہ ہو گئے
ہے نیا اعجاز چشمِ یار میں

بے حجابی اور تھوڑی حسنِ یار
ہوش ہیں کچھ طالبِ دیدار میں

تیری رنگت ہے نہ اُنمیں تیری بو
پھول یوں تو ہیں بہت گلزار میں

درد و غم رنج و الم جاتا رہے
تم جو آجاؤ دل غمخوار میں

دلکی چوری اُنپہ ثابت ہوگئی
مدعا پورا ہوا انکار میں

گاہ اُٹھے گاہ بیٹھے گاہ روئے
کیا مزے تھے انتظارِ یار میں

جذبۂ اُلفت اسی کا نام ہے
خار چھالوں میں ہیں چھالے خار میں

قصۂ اغیار تم چھیڑا کرو
لطف ملتا ہے مجھے تکرار میں

خواب میں آنیکو وہ آئیں مگر
نیند کب ہے دیدۂ بیدار میں

ہمکو بھی معلوم ہے کچھ رسم عشق
رہ چکے ہیں ہم بھی کوئے یار میں

سر ہتھیلی پر ہے سر پر ہے کفن
اسطرح بیٹھے ہیں کوئے یار میں

عشق کے مذہب میں دونوں ایک ہیں
فرق کیا ہے کافر و دیندار میں

وہ نہ روئیں نامہ بر ذمہ مرا
درد دل آئے بھی تو اظہار میں

دیکھتے جی بھر کے وحشت آپکی
ٹھیرتے دم بھر جو قلب زار میں

کیا کریں رسوائی کا آتا ہے دھیان
کیا بہائیں اشک ہجر یار میں

اے کلیم اللہ ہم سے پوچھئے
جو مزہ ہے جلوۂ دیدار میں

تھی قیامت ایک میرے دم کے ساتھ
فتنے پھر اُٹھے نہ کوئے یار میں

مردے کلمہ پڑھتے نکلے قبر سے
نہاں نہاں محشر تری رفتار میں

وعدے کی شب رونے دھونے میں گئی
کون سویا انتظارِ یار میں

لختِ دل آتے ہیں اشکوں کے عوض
اب تو میرے دیدۂ خونبار میں

تاک کر دل کو جگر زخمی کیا
شوخیاں کیا ہیں نگاہ یار میں

لخت دل کہاتے ہیں پیتے ہیں لہو
ہائے یوں جیتے ہیں ہجر یار میں

نام تیرا سنتے ہی رونے لگا
ہوش اتنا ہے دل بیمار میں

غیر کی مٹی ٹھکانے لگ گئی
وہ اڑائی خاک کوئے یار میں

انکا کیا کہنا وہ خوش تقدیر ہیں
رہتے ہیں جو محفل دلدار میں

پڑ گیا ابرو کا سایہ وقت ذبح
بانکپن ہے زخم دامن دار میں

وصل میں روتے تو کچھ آتا مزہ
اشک گرتے دامن دلدار میں

آنکھوں میں نام کو پانی نہیں
اور کانٹے ہیں زبانِ خار میں

جب ہوئی وحشت تو یاد آئی ہمیں
خاک اڑائی کوچۂ دلدار میں

آنکھ میں آؤ تصور میں رہو
پھر سما جاؤ دل بیمار میں

ہنسے پوچھو نازشِ تیرِ ادا
آنکھ سے اترا دلِ بیمار میں

اب کہاں تیرِ نظر کا ہے پتا
ہے خلش کچھ کچھ دلِ غمخوار میں

تم رہوگے میرے گھر میں میہماں
غم رہیگا محفل اغیار میں

سر بزانو - لب پہ نالے چشم تر
اسطرح بیٹھے ہیں بزم یار میں

داغ کا ارماں مجھسے نام ہے
وہ فصاحت ہے مرے اشعار میں

برنگ - جناب عمر بن حسن صاحب تلمیذ حضرت ہیرمز

وہ کبھی کھنچے نہ کوئے یار میں | جو کوئی رسوا نہ ہو بازار میں
یوں ہوئے بدنام عشق یار میں | نام اپنا چھپ گیا اخبار میں
دل مرا اٹکا ہے زلف یار میں | پھنس گیا جاکر دہان مار میں
دھجیاں ایسی اڑائیں عشق نے | تار تک باقی نہیں دستار میں
کیوں نہ ہو سینہ مرا مہتاب داغ | داغ کا ہے داغ قلب زار میں
اسطرح کی عشق نے پردہ دری | ہو گئے چرچے ہمارے چار میں
جب تو موسیٰ سے ہوئی تھی گفتگو | ہے مزہ دیدار کا تکرار میں
عاشق خستہ کی موت اور زندگی | ہے ترے انکار اور اقرار میں
دیکھنا تار نظر لپٹے ہوئے | ہیں تمہاری لٹپٹی دستار میں
خلد میں جاکر گل نرگس بنا | دم نکلکر حسرت دیدار میں
سکۂ داغ درم کا ہے چلن | ابتدا سے عشق کی سرکار میں
پھر رہا ہے ٹھوکریں کھاتے ہوئے | فتنۂ محشر تری رفتار میں
ایک ہی رشتہ ہے زاہد دیکھ لے | غور سے تسبیح اور زنار میں
جسکو لینا ہے وہ لے لے شوق سے | بیچتا ہوں نقد دل بازار میں
سایۂ طوبیٰ سے بڑھکر لطف ہے | مصطفیٰ کے سایۂ دیوار میں
زندگانی کا مزہ اے دوستو | ہے دیار احمد مختار میں

دلکو ہے مژگان جاناں کا خیال
کیوں نہ بھٹکے وادیٔ پُرخار میں

وائے قسمت دلکی دل میں رہگئی
رات ساری کٹ گئی تکرار میں

کچھ نہیں نسبت پری سے آپکو
فرق ہے بس نُور میں او رنار میں

آج اس جلسہ کی جو تاریخ ہے
بس وہی تعداد ہے اشعار میں

معتکف تھے کل تو مسجد میں بریک
آج ہیں پھر خانۂ خمار میں

بیگم - از نتیجۂ فکر جناب عابد مرزا صاحب ریختی گو

نیل دیکھو پڑ گیا رُخسار میں
آگ لگ جائے تمھارے پیار میں

جسکو دیکھا آنکھ اُٹھا کے وہ موا
کھنچ گیا دم بھی نظر کے تار میں

مل نہیں سکتی گرستوں میں کبھی
عُمر جسکی کٹ گئی بازار میں

چومتے ہی مُنہ کے کاٹے میرے گال
بُغض دل کا سب نکالا پیار میں

سوت پر جو اسقدر لہلوٹ ہو
کیا ٹکے ہیں لال اُس مردار میں

توڑ کے یہ لڑکیاں سب کھاگئیں
جتنی ترکاری تھی بند ضفوار میں

حال گیتا ں سب تجھے معلوم ہے
خُوب گل چھرّے اُڑے گلزار میں

رکھے جو دہلیز سے باہر قدم
شوق سے پھر وہ پھرے بازار میں

عشق کا شیریں کے تیشہ پڑ گیا
جان دی فرہاد نے کہسار میں

لیلی اور شیریں کی ایک انگلیٔ ہے
حُسن میں گفتار میں رفتار میں

دل سے اُسکی بال باندھی ہوں کنیز
بک گئی ہوں عشق کے بازار میں

لوٹتا ہے تجھ پہ بیگم دل مرا
گُندہ گیا ہے موتیوں کے ہار میں

بزم ۔ جناب مرزا عاشق حُسین صاحب تلمیذ منشی منیر مرحوم

عاشق کے قلب پر ہو تو ہو یادگار داغ
ہیں یوں تو ہر سپر کے بھی سینے پہ چار داغ

فرقت میں بھی ہے قلب کا شاداب ہی چمن
دکھلا رہے ہیں فصل خزاں میں بہار داغ

یہہ دو نشان باطن و ظاہر ہیں عشق کے
قلب حزیں میں درد نہاں آشکار داغ

کہایا ہے دل پہ ہجر میں محبوب پاک کے
سمجھوں نہ کسطرح میں اسے ذی وقار داغ

مطلع

کیا مور کی طرح جو ہوئی بھی ہزار داغ
جب جانوں شل میرے عدو کہائی چار داغ

سب جان لیں کہ عاشق فرقت نصیب تہا
پہولوں کی ہو جگہ سر لوح مزار داغ

گویا چمن ہی غنچہ کے اندر کہلا ہوا
عاشق کا ایک سینۂ تنگ اور ہزار داغ

اے بزم میں تو عاشقِ سبط رسول ہوں
دے اک غم حسینؑ کا پروردگار داغ

ولہ

لخت دل ہیں آنسوؤں کے تار میں
یا گل لالہ گندھے ہیں ہار میں

اُستخواں ہیں صرف جسم زار میں
فرق کیا باقی ہے مجھہ میں خار میں

ہے جو اک پیاری لچک رفتار میں
بل کمر کا ہے تری تلوار میں

سر کو ٹکرانے سے بھی نکلی نہ آہ
طاق بنکر رہ گئی دیوار میں

رکھی رہجاتی متاع یوسفی
تم جو ہوتے مصر کے بازار میں

عشق کا بیمار اچھا کیسے ہو
لطف کے پہلو ہیں اس آزار میں

ہر لڑائی میں زمانے کی ہے رنج
پر مزا بوسوں کی ہے تکرار میں

کس کے کل شب کو جگائے ہیں نصیب
بوئے غیر آتی ہے باسی ہار میں

دیکھنے ہی کی فقط یہہ آنکھہ ہے
ہے نظر کب نرگس گلزار میں

اسپہ بھی ہے شاہد وحدانیت
حس نہیں ہے گوزبان خار میں

ہوگا وہ غارتگر دیں بھی وہیں
لٹ نہ جائیں حشر کے بازار میں

اپنے خنجر کو نہ تیزی سے چلاو
دم نہیں وارفتۂ رفتار میں

مجھسے ہے پردہ تو خالق کی شان
اور رہو میرے ہی قلب زار میں

کہہ رہی ہے یہہ ہوا کی سائیں سائیں
ماتم فرہاد ہے کہسار میں

قلب زخمی نالۂ بلبل سے ہے
ہے زباں کانٹا ہے یا منقار میں

الفت گیسو نے الجھانے کو دم
گتھیاں ڈالیں نفس کے تار میں

کیا کسی میکش سے الجھی شیخ جی
اب نہیں دو تار بھی دستار میں

گل ہیں زردار اور شکستہ ہے لباس
یہہ ہوا کیسی چلی گلزار میں

جسنے بھی اسکو پیا ٹھنڈا ہوا
سرد پانی ہے تری تلوار میں

کسنے اپنی زلف مشکیں کہولدی
غل ختن میں شور ہے تاتار میں

تم حسیں لاکھوں کروڑوں میں ہو ایک
اور کیا دس پانچ میں دوچار میں

رک کے چلتا ہے گلے پر کس لئے
دم نہیں کیا خنجر خونخوار میں

بزم کی تسکیں کی خاطر اے بتو
ہاں کا پہلو بھی رہے انکار میں

بقا۔ جناب عثمان علی صاحب تلمیذ حضرت ضامن

کاٹ ہے جو ابروئے خمدار میں
وہ صفائی ہے کہاں تلوار میں

غیر ممکن ہے کہ ہوں گلزار میں
ہیں فضائیں جو کہ کوئے یار میں

ہے صفائی کیا ہی دستِ یار میں
سر ہمارا کٹ گیا اک وار میں

پھول نرگس کے چڑہانا قبر پر
مرگیا ہوں عشق چشم یار میں

زر ہے واں یاں درہم داغ جگر
فرق کیا ہے ہم میں اور زردار میں

شیخ ہم سے حالتِ کعبہ نہ پوچھ
عمر گذری خانۂ خمار میں

آئینہ ایدل کہاں سے لائیگا
جو صفا ہے یار کے رخسار میں

دل سے کیا نسبت پر طاؤس کو
داغ پر ہے داغ قلب زار میں

اس سے بھی وہ چند ہیں قسمت کے پھیر
پیچ جتنے ہیں تری دستار میں

جمع ہیں عشاق ہے دیدار عام
ایک ہنگامہ ہے کوئے یار میں

آگیا لب پر سوالِ وصل جب
پڑ گئے بل ابروئے خمدار میں

سے ہے مطرب ہے، گھٹا ہے میرِ جاں
بیٹھئے چلکر کسی گلزار میں

سنگدل کے عشق میں موت آئی ہے
دفن کرنا دامنِ کہسار میں

پوچھتے ہو کیا ٹھکانا ہمدمو
ہے سکونت اپنی کوئے یار میں

تیرا ثانی اس جہاں میں کون ہے
حسن میں گفتار میں رفتار میں

عشق اُس رشکِ چمن کا ہے بقا
بیٹھئے چلکر کسی گلزار میں

ثاقب۔ قادری بدایونی بانئ مشاعرہ

کیوں گنوائیں مفت کوئے یار میں
آبرو بکتی نہیں بازار میں

شوق پامالی ہے کوئے یار میں
مل نہ جاؤں سایۂ دیوار میں

عشق کر گھر بیٹھے سو پڑنے لگیں
اور رسوا حسن ہو بازار میں

اب نکلنا چور کا آساں نہیں
چھپ کے بیٹھا زخمِ دامندار میں

میں نہ سمجھا تھا آپ کا نقشِ قدم
کیوں مٹایا کوچۂ اغیار میں

اے نگاہِ شوق یہ واماندگی
ایک روزن تک نہیں دیوار میں

خوب بے پر کی اڑائی آپنے
نامہ بھیجا باندھکر سوفار میں

جانتے ہیں اسکو دانایانِ راز
ہے جو رشتہ سبحہ و زنار میں

ہیں یہیں یوسف ہے زندانی بہت / کون جائے مصر کے بازار میں

فرصتِ نظارہ بازی بھی کہاں / اضطرابِ حسرتِ دیدار میں

دل کسیکو کیا دیا مرنے لگے / یہہ بھی کچھ آزار ہے آزار میں

تلخکامانِ محبت کے لئے / لطف تیشے میں نہ لذت دار میں

دوست دشمن سبکی ہیں چھپیاں / ایسا کیا میٹھا ہے کوسنے یار میں

حسنِ یوسف آبروئے عشق ہے / بک رہی ہے کوچہ و بازار میں

کوچہ گردی اور تم، ہاں ہاں غلط / خاک ڈالو دیدۂ اغیار میں

قتل دشمن کا ارادہ تو کیا / منہ بھی اپنا دیکھلو تلوار میں

ہونگے اے مرگ غریبی اکدن / پھول اپنے دامن کہسار میں

لاگ میں ہے تیغ قاتل کی لگاؤ / صلح کے انداز ہیں تکرار میں

توبہ زاہد پڑی ہے جا بجا / ٹوٹی پھوٹی خانۂ خمار میں

بندِ غم سے کب چھٹے قیدی حسن / چاہ سے نکلے بکے بازار میں

آبلوں کی میرے سوزش الحذر / لاکھ کانٹے ہیں زبانِ خار میں

ہے تو ثاقب نام لیوا داغ کا / رنگ مومن ہے مگر اشعار میں

حلم ۔ جناب غلام اکبر خانصاحب تلمیذ حضرت علم

عمر گذری انتظارِ یار میں / مر گئے ہم حسرتِ دیدار میں

ہو تو ہو بدنام کوئی پیار میں
ہم تو روئیں گے سر بازار میں

مجھکو فرصت سانس لینے کی نہیں
رات دن رہتا ہوں میں افکار میں

سارے معشوقوں میں تو ہی ایک ہے
نازنیں رفتار میں گفتار میں

جس جگہ قربان ہیں شمس و قمر
اے خدا پہنچا دے اُس دربار میں

تم جو پہنچاتے ہو تکلیفیں مجھے
مجھکو ہے آرام ہر آزار میں

گھیر لی اے ضبط دنیائے دنی
یہہ بری خصلت ہے اس مردار میں

خیال - جناب محمد عبد الرزاق صاحب تلمیذ حضرت ضیا

وہ رہے انکار میں اقرار میں
عمر گذر رہی بس اسی تکرار میں

بڑھ گئی وحشت تری بیمار میں
کیا بلا تھی سایۂ دیوار میں

آپ حق پر ہیں کہ میں کھلجائیگا
فیصلہ کر لیجے چلکر چار میں

فتنہ گر تیری محبت کیا چھٹے
جان جائیگی اسی آزار میں

میرے دلکو یوں نہ کر برباد تو
چیز یہہ ملتی نہیں بازار میں

فتنہ گر ہے آسماں کی چال کب
یہہ تو چالیں ہیں تری رفتار میں

غم اُٹھایا ہے جدائی کا تری
کتنی طاقت ہے ترے بیمار میں

تیغ ابروآپ کی وہ تیغ ہے
دل کے سو ٹکڑے کئی اک وار میں

دم گھٹا اپنا ہجوم شوق سے
کیا قیامت ہے تمہارے پیار میں

اُسکی دُزدیدہ نظر نے دل لیا
ہوتی ہیں عیاریاں عیار میں

خواب میں بھی وہ نہ آیا اے خیال
مرگئے ہم حسرتِ دیدار میں

شیخ - جناب محمد عبد الرحیم صاحب تلمیذ حضرت ثاقب بدایونی مدظلہ

اے جنوں رکھا ہے کیا گلزار میں
چل چنیں تنکے ہی کوئے یار میں

چل بسی فصلِ بہار آئی خزاں
خاک اب اُڑنے لگی گلزار میں

دل کو تاکا تھا جگر زخمی کیا
ہے عجب شوخی نگاہِ یار میں

دیکھتے ہی روئے آتشناک کو
لگ گئی ہے آگ قلب زار میں

مرتا گرتا تیرے در تک آ سکے
اتنی بھی طاقت نہیں بیمار میں

تم اگر آؤ تو ہو دونی بہار
اور بھی کچھ گل کھلیں گلزار میں

یا نبی اب ہجر میں ہوں مضطر
مجھکو بلوا لیجئے دربار میں

مدعی جل بھُنکے ہوتے ہیں تمام
آگ ہے مخفی مرے اشعار میں

کیا دھرا ہے کنج تنہائی میں خضر
آپ ملکر بیٹھئے تو چار میں

مُفت میں اس دار فانی کیطرف
آئے ہم پکڑے ہوئے بیگار میں

کون روئیگا مرے لاشے پہ آہ
یار میں اُلفت نہ کچھ اغیار میں

اسکے سب ہیں اسکا کوئی بھی نہیں
فرق ہے زردار میں نادار میں

مرکے بھی آنکھیں ہماری ہیں کھلی
آرزوئے لذتِ دیدار میں

ہیں عجب نیرنگ حسن وعشق کے
حضرتِ یوسف بکیں بازار میں

مدح چھپواتے ہیں اپنی مدعی
فیس دیکر آج کل اخبار میں

خونِ ناحق نے کھلائے ہیں یہہ گل
ورنہ کب جوہر تھے یہہ تلوار میں

پھر دلِ ناشاد تجھکو کیا ہوا
لے چلا پھر مجھکو کوئے یار میں

یہہ جوانی یہہ کرشمہ یہہ ادا
فتنے پنہاں ہیں تری رفتار میں

گالیاں ملتی ہیں بوسوں کے عوض
بخل ہے یہہ حسن کی سرکار میں

بے تمھارے کچھ مزہ آتا نہیں
میکشی بیکار ہے گلزار میں

میرے گھر آنا نہیں ممکن نہ آؤ
کیا بگڑتا ہے مگر اقرار میں

وصل کا وعدہ کبھی تو کیجئے
عمر ساری کاٹ دی انکار میں

چشمِ بدبیں سے تمہیں اللہ بچائے
خیر جاؤ محفلِ اغیار میں

رخنہ گر کی نگاہِ شوق ہے
کیوں ہیں یہہ روزن تری دیوار میں

کیا کریں اے شیخ تنہا جاکے ہم
کچھ مزہ آتا نہیں گلزار میں

صفی - جناب عبود علی صاحب -

ہائے دردِ دل ہے کس آزار میں
بیٹھ ہی سکتے نہیں ہم چار میں

روئیں گے دشمن فراقِ یار میں — ہمکو لذت ہے اسی آزار میں

دل نے کیا دیکھا نگاہِ یار میں — رنج کی باتیں بھی کہدیں پیار میں

بنگئی گو جان پر آزار میں — پھر بھی لذت ہے جفاے یار میں

لختِ دل ہیں دیدۂ خونبار میں — مر گئے تھے ہم خیالِ یار میں

خواہشیں بھی چھُٹ گئیں تکرار میں — شاد ہوں بزمِ خیالِ یار میں

جان کھوئی حسرتِ دیدار میں — ہم چلے کس منزلِ دشوار میں

کیا کرشمے تھے ترے دیدار میں — ہم تماشا بن گئے بازار میں

دوست ہو دشمن ہو اپنا ہو کہ غیر — ایک ہیں سب آپ کی سرکار میں

اُسکی صورت ہے بلائے دلفریب — دشمنی ڈالی دلِ غمخوار میں

آپ روٹھے ہیں تو ہم بھی ہیں خفا — قول میں وہ تھا نہ یہ اقرار میں

خیر ہے او محوِ نازِ دستِ حُسن — پھبتیاں مجھپر پھرے بازار میں

اے نگاہِ یاس مجھپر رحم کر — جھیپ جائینگے ابھی وہ چار میں

سیدھی نظریں پھیر کر بسمل نہ کر — فرق ہے کچھ تیر میں تلوار میں

ایدل اپنے دیکھنے والیکو دیکھ — کیا دھرا ہے روزنِ دیوار میں

آپ ہی سچے چلو چھُٹی ہوئی — ہم کھڑے تھے مجمعِ اغیار میں

کیا کہا وہ اور بھی غصے ہوئی — عقل ہوتی تھی مرے غمخوار میں

رحم کر اے گریۂ بے اختیار — آنکھ نیچی ہے ہماری چار میں

ہاے اب سمجھے تو کیا سمجھے کوئی — لاکھ پہلو ہیں ترے اقرار میں
آبرو کی پڑ گئی اے جذبِ عشق — ہوک اُٹھی ہے دلِ اغیار میں
ضد نہ کرنا چاہیے والا ترا — اشتعالک تھی ترے انکار میں
کیا ہوا اے دردِ عشق عندلیب — پھول کیوں بینے گئے گلزار میں
کچھ دنوں ایدل ذرا کر اور ضبط — بات رہجائے ہماری چار میں
اور بھی مجرم بناتی ہیں مجھے — ترے غصّے کی وہ باتیں پیار میں
رخنہ اندازی نہ ہو اے چشمِ شوق — پڑ گئے روزن کسی دیوار میں
ہاے اظہارِ محبت پر صفیؔ — آج شاید بڑھ گئی مقدار میں

شرم آتی ہے کہیں کیا اے صفیؔ
بکتے ہیں معشوق اب بازار میں

ضیا - جناب حکیم میرزا حسین صاحب لکھنوی۔

نام کو اُلفت نہیں دلدار میں — داغ یہ ہے اپنے قلبِ زار میں
یوں تپِ فرقت سے لاغر ہو گیا — چلنے کی طاقت نہیں بیمار میں
گر نہ ہو وہ ساقیِ گلگون قبا — میکشی بیکار ہے گلزار میں
اُن سے بوسہ جب طلب میں نے کیا — ہنسکے بولے کیا مزہ ہے پیار میں
گُھل گیا یوں عشق کے آزار میں — ہڈیاں باقی ہیں جسمِ زار میں

ناتمام

ہند میں کب تک یونہیں تڑپا کرو
یا علیؑ بلوائیے دربار میں

اے دل ناشاد کیا سوجھی تجھے
لیجلا پھر مجھکو کوئے یار میں

اے ضیاء اٹھو چلو سوئے نجف
کیا دہرا ہے صحبتِ اغیار میں

فانیؔ ۔ جناب مولوی محمد احمد صاحب

فرق کیا ہے یار اور اغیار میں
ایک ہیں سب عشق کی سرکار میں

سب ہیں جسکی حسرت دیدار میں
دیکھتے ہیں ہم اسے بازار میں

محویت ہو گر خیالِ یار میں
ایک ہی جلوہ ہے نور و نار میں

ہے یہہ روزن خانۂ دلدار میں
یا کسی کی آنکھ ہے دیوار میں

کھائی کیوں تمنے مرے سر کی قسم
اور بھی شک پڑ گیا اقرار میں

اسطرف بھی اک نظر اے شاہِ حسن
ہم بھی حاضر ہیں ترے دربار میں

بچ گئی صیاد سے گر عندلیب
بوئے گل بھی دام ہے گلزار میں

کسکو ہے دنیا میں آنیکی خوشی
مفت بگڑے آتے ہیں بیگار میں

اور بھی اک ہاتھ اے قاتل لگا
دم ہے بسمل کا تری تلوار میں

وہ تو اک دم میں کریں جلوہ نما
تاب بھی ہو طالب دیدار میں

غیرت عشق زلیخا دیکھ لی
آئے یوسف سا حسیں بازار میں

آپ پیچھے ہو رکھ آگے آئینہ
آئیگی طوطی تری گفتار میں

پا گیا لی سے کسکی کیا غرض
محو ہیں وہ شوخی رفتار میں

اب کہاں وہ آنکھ ویسی تاک جھانک
ڈال دے روزن تری دیوار میں

ہو گئی بلبل گرفتارِ قفس
رہ گئے تنکے یو نہیں منقار میں

لے اڑی دل اک اچٹتی سی نگاہ
جانے کیا ہو حال پورے وار میں

اور ہو جاتی ہے ظالم کی نظر
بیٹھتا ہے ملکے جب دو چار میں

ہیچ ہے فانی کلامِ بے اثر
کچھ نہ کچھ تو بات ہو اشعار میں

قیس — جناب خواجہ بدیع اللہ صاحب تلمیذ حضرت اثر مرحوم

دل سے آئے اشک چشم زار میں
راز افشا ہو گیا بازار میں

جی رہے ہیں حسرتِ دیدار میں
ورنہ کیا رکھا ہے جسمِ زار میں

کسطرح دیکھوں انھیں اغیار میں
زہر بھی ہے شربتِ دیدار میں

کیا تلوّن ہے مزاجِ یار میں
پیار غصہ میں ہے غصہ پیار میں

ہائے کیا کہنا مری تقدیر کا
عمر گذری لذتِ آزار میں

سب سے واقف ہے دلِ خانہ خراب
جتنے فتنے ہیں نگاہ دیار میں

تم پہ سب کی انگلیاں اٹھنے لگیں
اور بیٹھو محفل اغیار میں

تھی کبھی ہم پر زمانے کی نظر
تھے کبھی ہم بھی نگاہِ یار میں

تم وہی دیدو مجھے منظور ہے
دل کی جو قیمت اُٹھے بازار میں

نیند خوش ہو کر کنارے ہو گئی
جب سے تم ہو دیدۂ بیدار میں

تم عیادت کو اگر آؤ کبھی
جان پڑ جائے تنِ بیمار میں

بوئے گل ہو یا کسیکا حسن ہو
آج پردے میں ہے کل بازار میں

دیکھتا ہے یاس سے چاروں طرف
کچھ تو حسرت ہے دلِ بیمار میں

سچ ہے ہو جاتا ہے صحبت کا اثر
یہہ کمر کی ہے لچک تلوار میں

جو نہ پامالِ خزاں ہو ایک دن
گل کوئی ایسا نہیں گلزار میں

یہہ ملا عرضِ تمنا کا جواب
دیدئے ٹانکے لبِ اظہار میں

یہہ تری قدرت ہے اے ربِ جلیل
ہیرے آنسو دامنِ دلدار میں

آپ کی بدنامیاں کچھ بھی نہیں
میرے ہی چرچے تو ہیں بازار میں

یہہ نہ سلجھیگی کسی تدبیر سے
بل مقدر کے ہیں زلفِ یار میں

حضرتِ موسیٰ سے یہہ پوچھے کوئی
بیخودی اور حسرتِ دیدار میں

اُڑ گئی شاید زمانے سے حیا
یہہ قدم اور محفلِ اغیار میں

نقدِ جاں لیکر چلی خلقِ خدا
کون آیا حشر کے بازار میں

اے برہمن ایسے جھگڑوں سے فضول
رشتۂ جاں چاہئے زنار میں

دل ہے یادِ ابروئے خمدار میں
پھر رہا ہوں موت کے بازار میں

اُسنکے باتیں قیس کی کہتے ہیں وہ
سحر ہے کمبخت کی گفتار میں

کوکب۔ جناب مرزا مظفر حسین صاحب خلف و تلمیذ حضرت بزم اکبرآبادی

رنگ دیکھو کل جو تھے بازار میں
آج وہ گل ہیں کسی کے ہار میں

ہے جو محویت خیالِ یار میں
اک چمک کوکب کے ہے اشعار میں

قابلِ نفریں نہیں بیمارِ عشق
ہیں وہ اچھے جو ہیں اس آزار میں

طور پر موسیٰ کو دکھلایا جمال
ہمکو رکھا حسرت دیدار میں

کب ہوئی وہ سروِ گلشن کو نصیب
بات ہے جو قامت دلدار میں

کونسا غنچہ دہن ہے محوِ سیر
پھول کیوں کھلائے گلزار میں

لے گیا پہلو سے دلکو چھین کر
کچھ بھی دلداری نہیں دلدار میں

کیوں نہیں کہتے یہہ عاشق ہے مرا
کیا قباحت اسکے ہے اظہار میں

اُن کو ہے ظلِ ہما سے کیا غرض
جو ہیں اُن کے سایۂ دیوار میں

تیر سے وحشی کے کفِ پا کا ہے خون
یہہ جو سُرخی ہے زبانِ خار میں

کھنے والا صاحبِ دل چاہئے
یوں نہیں آتا مزا اشعار میں

کیا ہو پھر اُنکے سخن میں پختگی
خود ہی جو پختہ نہیں اقرار میں

وقت آخر بھی کوئی آتا ہے واہ
اب رہا کیا ہے ترے بیمار میں

آگ سے دولت کی بجھنا چاہیئے ۔۔۔ نار بھی موجود ہے دنیا میں

وہ جو کوکب سے ملے دو مرتبہ
لُطف دونا ہو گیا تکرار میں

مجاز ۔ جناب سید حبیب الدین صاحب

وہ کریں رسوا مجھے بازار میں
ہائے کیا مجبوریاں ہیں پیار میں

قتل کر ڈالا مجھے اک وار میں
کیا صفائی ہے تری تلوار میں

غیر کی تائید میں لڑتے ہیں وہ
لُطف ملتا ہے مجھے تکرار میں

جلد اُس کی کچھ خبر لے اے مسیح
حال کچھ باقی نہیں بیمار میں

وعدہ کچھ ایسی نگاہوں سے کیا
ہے شریک انکار بھی اقرار میں

ایک وعدہ میں ہزاروں ہونٹیں
خُوبیاں کیا کیا ہیں اُس عیار میں

فتنہ پردازی اُنہیں کا کام ہے
آئی ہے یہ تہمت اغیار میں

پیاس ہے دو بوند دے ساقی مجھے
دم نہیں باقی رہا میخوار میں

میرے وعدہ پر نہیں کہتے ہو آپ
آپ کو ملتا ہے کیا انکار میں

سُست آئے ہو مرے گھر آج تم
کیوں ہے خاموشی لب اظہار میں

یا محمدؐ تا بکے تڑپے مجاز
آپ بلوا لو اُسے دربار میں

مضطر۔ جناب سید محمد علی صاحب دہلوی

کشمکش ہے حسرت دیدار میں
جان اُنکی ہے نظر کے تار میں

آب کچھ ایسی ہے تیغ یار میں
کوندتی ہیں بجلیاں ہر وار میں

نام تو رکھو وہ ایسا کون ہے
جو سلامی ہو نہ اس دربار میں

خونِ ناحق واہ رے گرمی تری
پڑ گئے کانٹے زبانِ دار میں

اک نگہ میں قتل عالم کر دیا
ہے غضب کا سحر چشمِ یار میں

ہے تکلف اُسمیں اسمیں سادگی
فرق کیا ہے سبحہ و زُنّار میں

پھول بھی بھرتے ہیں پانی دیکھکر
آب ایسی ہے گُلِ رُخسار میں

فتنہ گر نامہرباں وعدہ خلاف
خوبیاں اتنی ہیں اُس عیار میں

مل ہی جائیگی فقیروں کو زکواۃ
کیا کمی ہے حُسن کی سرکار میں

فیصلہ کر دے مری تقدیر کا
آئے جو کچھ بھی مزاجِ یار میں

ناصحِ نامہرباں بھی یا خُدا
مبتلا ہو عشق کے آزار میں

حسرتِ دیدارِ جاناں دیکھنا
آنکھ رکھدی روزنِ دیوار میں

باتوں باتوں میں چھلے زخمِ جگر
پھول مرجھائے کھلے گلزار میں

ہو نہ ہو خوئے وفائے آشنا
بُوئے دلداری تو ہو دلدار میں

لگ گئی ہے اسطرح بلبل کو چپ
ہے نہیں گویا زبان منقار میں

دامنِ اُمید اب کیونکر سیوں
دم نہیں باقی نفس کے تار میں

بے سبب مضطر کی ہے کب تاک جھانک ۔ ہے کوئی روزن مگر دیوار میں

ولہ

روز وعدہ لطف تھا تکرار میں ۔ پھلوسے اقرار تھا انکار میں
آنکھوں میں یا گیسوئے خمدار میں ۔ دل ہمارا ہے انھیں دو چار میں
ٹھوکریں کھاتے ہیں فتنے ہر قدم ۔ کیا قیامت ہے تری رفتار میں
عشق نے دی بڑھکے تعلیم ادب ۔ ہم جو پہنچے حسن کی سرکار میں
تھوکد و غصے کو مل بھی لو گلے ۔ کیا دہرا ہے مہرباں تکرار میں
بھولی باتیں میٹھی چھریاں بنگئیں ۔ زہر تھا شیرینی گفتار میں
تم مجھے معشوق کہد ولا کھ بار ۔ ایسی باتوں پر بگڑنا پیار میں
انکو یوسف کہہ کے یہہ پایا جواب ۔ کیا کوئی بکتے ہیں ہم بازار میں
کیا تصور ہے کسی خوش چشم کا ۔ چشم نرگس بند ہے گلزار میں
دیدۂ بد سے بچائے گا تمھیں ۔ باندھلو دل بھی نظر کے تار میں
آسماں بنکر ستاتی ہے زمیں ۔ جا نکلتا ہوں جو کوئے یار میں
میری انکی رات بھر ٹھنتی رہی ۔ دن نکل آیا اسی تکرار میں
بیٹھکر پہلو میں دل ٹھنڈا کیا ۔ بات رکھ لی مجمع اغیار میں

وہ بھی کہہ اُٹھے غزل سنکر مری
درد ہے مضطر ترے اشعار میں

نجمی ۔ جناب مرزا احمد بیگ صاحب تلمیذ حضرت کیفی

آنکھ نیچی ہو کسیکی چار میں
تم کھلے بندوں پھرو بازار میں

جا کے دیکھا محفل اغیار میں
تم ہوئے بدنام آخر چار میں

ہو رہی ہے جب تو دنیا پائمال
چال ہے کوئی تری رفتار میں

کھینچنے والے نے کھینچی ایک آہ
نام جب آیا تمہارا چار میں

ہم تڑپتے ہیں تو مرتے کیوں نہیں
ہے تو انصاف آپکی سرکار میں

مجھکو دیکھیں آرزومندان دید
بھیڑ کیوں سے ہے کوچۂ دلدار میں

اسکا دل چھینا اُسے تڑپا دیا
کیا کرشمے ہیں نگاہ یار میں

یہ کہاں سے لائے گا دشمن عزت
کچھ وفا بکتی نہیں بازار میں

تم سے ملکر ولولے ہی مٹ گئے
لطف تھے کچھ حسرت دیدار میں

پھیر ہی ہم اور اُس محفل کی سیر
غیر کون اُنکی مری تکرار میں

صُلح کُل مشرب ہے میرا اے نجمی
یار یاروں میں ہوں غیر اغیار میں

نیر ۔ جناب مرزا عبد الحلیم بیگ صاحب تلمیذ حضرت ناظم

دن گزارا فرقت دلدار میں
رات کاٹی انتظار یار میں

عشق ہے رگ ہائے جسم زار میں
رشتۂ الفت نہیں زنار میں

جو کہ تیزی ہے نگاہِ یار میں　　تیر میں دیکھی نہ وہ تلوار میں
موت کی خواہش ہے قلبِ زار میں　　خاک رکھا ہے ترے بیمار میں
اشتیاقِ کوچۂ دلدار میں　　طے کئے سو سو قدم یک بار میں
ہے عجب جادو خرامِ یار میں　　نازکی آتی ہے صد ارفتار میں
کیا مزا تھا عشق کے آزار میں　　مفت ناحق کیوں پھنسے بیگار میں
جان دیدیں جلوہ گاہِ یار میں　　بس یہی حسرت ہے قلبِ زار میں
کیا بتا دوں حسرتِ دیدار میں　　روز و شب رہتا ہوں کوئے یار میں
جاں بلب ہوں میں فراقِ یار میں　　جلوہ افگن ہے وہ بت اغیار میں
دل کی قیمت رہتی ہے تکرار میں　　یہہ وہ شئے ہے جو نہیں بازار میں
اسقدر ہوں تنگ ہجرِ یار میں　　روح گھبراتی ہے جسمِ زار میں
زہر ہے گویا لبِ سوفار میں　　تیر ہے شوخی نگاہِ یار میں
گھر سے نکلا تھا تلاشِ یار میں　　سیکڑوں یوسف ملے بازار میں
ہر طرح کا غم ہے قلبِ زار میں　　کیا کمی ہے عشق کی سرکار میں
کوئی تڑپے جلوہ گاہِ یار میں　　جان دینے حسرتِ دیدار میں
شیخ صاحب خانۂ خمار میں　　تار تک باقی نہ تھا دستار میں
گت بنی ہے کیا فراقِ یار میں　　پڑ گئے ناسور قلبِ زار میں

نیرؔ آتا ہے مزہ گفتار میں

رنگ ناظم ہے ترے اشعار میں

واحد - جناب واحد علی صاحب -

دم نکل جائے جو یاد یار میں
لاش رکھنا کوچۂ دلدار میں

قاصد آئے تک نکل جائیگا دم
دو جواب خط ہمارا تار میں

دھیان مژگان صنم جو آگیا
ہم گئے بس وادئ پرخار میں

دیکھئے کیا حکم ہوتا ہے مجھے
پیش ہے عرضی مری سرکار میں

دلکو باتوں میں مسخر کرلیا
سحر ہے ظالم تری گفتار میں

وصل کا وعدہ ابھی ہویا نہو
کیا مزا ہر بار کی تکرار میں

آرزو بلبل کی یہہ صیاد ہے
رکھ قفس ظالم مرا گلزار میں

کیا کہیں احوال فرقت دوستو
مر رہے ہیں ہم تو ہجر یار میں

مال بکنے کا نہ تھا بکتا وہ کیوں
جنس دل تو لے گئے بازار میں

دل کے دل ہی میں رہے ارمان سب
صبح ظاہر ہوگئی تکرار میں

ہائے میں بولوں کسے جاؤں کدھر
کھو گیا دل کوچۂ دلدار میں

ہم یہاں مرتے ہیں جسکے واسطے
ملئے وہ بیٹھے وہاں اغیار میں

گلرخوں کی چاہ میں واحد علیؔ
ہو گئے بدنام آخر چار میں -

ہدایت۔ جناب ہدایت علی صاحب

رہ گئے ہم کوچۂ دلدار میں
کٹ گئی فرہاد کی کہسار میں

ذرہ ذرہ میں نظر آتا ہے تو
لطف ملتا ہے ترے دیدار میں

ہے تمہارا ہی تصور رات بھر
کھو رہے ہو دیدۂ بیدار میں

کر لیا مسجد میں زاہد نے قیام
رہ گیا میں خانۂ خمار میں

جسکو نا تھا آئی رہا وہ بیخبر
ہے عجب مستی مئے دیدار میں

سر بسجدہ ایک عالم ہو گیا
دیکھ کر خم ابروے خمدار میں

اٹھ نا سکتا ہوں ہوا سے ہر طرف
ناتوانی ہے یہ جسم زار میں

میری انکی ہاں نہیں ہے بار بار
رات کٹتی ہے اسی تکرار میں

اے مسیحا چل کے دیکھو اک نظر
کیا رہا ہے آپ کے بیمار میں

ناز شوخی بانکپن انداز یار
لٹ گیا ہے دل انھیں دو چار میں

آنکھ کا ڈھیلا لگا دیتا ہوں میں
دیکھکر روزن تری دیوار میں

سن کے منہ اپنا بنا لیتے ہیں وہ
وصل کا مضموں جو ہے اشعار میں

کیلئے وں دل ہیں گرفتار بلا
ہیں ہزاروں پیچ زلف یار میں

اے ہدایت دیکھا لیتا ہے کون
یوسف دل لے چلو بازار میں

احسان۔ جناب میر احسان علی صاحب احمری تلمیذ امام الکلام مولانا ثاقب

کیا اثر ہے عشقِ چشمِ یار میں
پڑ گئے ناسور قلبِ زار میں

لے خبر بہرِ خدا جانِ مسیح
اب نہیں حالت ترے بیمار میں

سنگِ در پر سر ہو میرا روز و شب
جان بھی نکلے تو کوئے یار میں

فتنے پسجاتے ہیں اُٹھکر ہر قدم
کیا قیامت ہے تری رفتار میں

خود چلی آئی زلیخا یک بیک
کیا کشش تھی حسن کے بازار میں

میرے مرقد پر چڑھیں نرگس کے پھول
کھو چکا ہوں عمر ہجرِ یار میں

تو بھی لیلیٰ پردہ محمل سے دیکھ
حال مجنوں وادیٔ پُرخار میں

بلبلو کیا آگئی فصلِ خزاں
پھول پتے کچھ نہیں گلزار میں

لاغری نے تارِ بستر کر دیا
اب دھرا ہے خاک جسمِ زار میں

کیا عجب ہے بخشے جائیں سب گناہ
ہے بہت قدرت مرے غفار میں

کام کوئی ہم سے اچھا کب ہوا
آ پھنسے تھے مفت کی بیگار میں

ہو چکی صحرا نوردی ہو چکی
اب چلو احسان کوئے یار میں

تائب جناب حافظ محمد امام صاحب تلمیذ امام الکلام مولانا ثاقب بدایونی

ابرِ سیہ بر آمدہ از کوہسار و راغ
بشگفتہ در دلم چمنِ لالہ زار داغ

در فصلِ گل ز جوشِ جنونم بر بگذر
برپا شدہ است شورشِ گرد و غبار صبح

تا دردِ درد عشق کشیدم ز فرطِ شوق
آمد بہر دو چشم سیاہم خمار داغ

اے سوزِ غم بیا کہ بہ اُمیدِ مقدمت
کردیم صبر و تابِ توان را نثارِ داغ

آید بیادِ ہائے تو ساقی نہ لذتے
زیرا کہ خوردہ ایم مئے خوشگوار داغ

دیگر نہ دل سرشکِ ندامت گریستے
شیدا نہ شدے بہ رخِ گلعذار داغ

در سینہ ام ز نائرہ آہ و نالہ ہا
کردہ بہار خانہ فزوں در بہار داغ

سازد ہمچو عطسہ بمغزِ الم صبا
چوں وا کند ز نافۂ مشکِ تتار داغ

اے دل خیالِ ریزشِ ہنگامہ بار چیں
دادہ مجالِ ذوقِ تپیدن شرار داغ

ارزاں درآوردم بکفِ خویش جنسِ عشق
رائج کنم چو سکۂ کامل عیار داغ

تائب ہمیشہ وردِ زبانم بود ہمیں
باشد نزولِ رحمتِ حق بر مزارِ داغ

قاصد - جناب ابو طیب محمد یحییٰ صاحب

از محفلِ مشاعرہ یادگارِ داغ
باشد نزولِ رحمتِ حق بر مزارِ داغ

بر سینہ داغہا ست چنان در کنارِ داغ
ہست آہ گرم بادِ نسیمِ بہار داغ

دینارِ داغِ دل بود ارزاں بہ نقدِ جاں
شد سکہ ہائے قلب گراں از عیار داغ

مہرِ صداقت است بدلہا ز داغِ عشق
ثبت است ہمچو نقشِ نگیں اعتبار داغ

از عشق دل چو ماہی بے آب می تپد
چوں فلس ماہیاں نہ توان شد شمار داغ

مثلِ کبابِ منقلِ انگشت پر شرر
در سینه دل کباب شود از شرار داغ

دل چاک چاک ہست پر از داغ و آبلہ
گویا بہ باغِ سینہ شگفت است انارِ داغ

در تاک سینہ ام دل پر داغ ساغر است
خونِ دلِ من است مے پر خمار داغ

گسترده شد بہ سینۂ من دام داغہا
مرغ دل است اسیر بہ دامِ شکارِ داغ

مانند اژدہا ہمہ تن داغ گشتہ ام
پیچیده است بر بدن زار ما ردِ داغ

با مہر روئے روشن تو تا شده دو چار
در روئے مہ شده کلف آشکار داغ

قاصد اگرچہ داغ نمانده است در جہاں
صد داغہاست در دلِ ما یادگارِ داغ

خمسی بر غزلِ غفراں مکان نور اللہ مرقدہٗ

از نتیجہ فکر جناب عابد مرزا صاحب ریختی گو المتخلص بہ بیگم

نرالے غمزے انوکھی تھی ہر جفا اونکی
نہ حشر تک کبھی بھولیگی وہ ادا اونکی

بوا جو منتیں کرنا تھا مر دوا اُن کی
سوالِ وصل پہ نیچی نظر تھی کیا اُنکی

ہماری آنکھوں میں پھرتی ہے وہ حیا اُنکی

موئے جو مر گئے اچھا ہوا سزا اُنکی
اولہنہ آپ پر اسکا نہیں خطا اُنکی

برائی چتنے والی ہیں آپ کیا انکی　　مرے جو عشق میں عاشق وہ تھی قضا انکی

یہہ آپ کہدیں کرے مغفرت خدا انکی

نہ آج تک مرے گھر میں وہ آے جب سے گئے　　منا کے لا انہیں میری دوا تر صدقے

وہ مجھسے روٹھ گئے ہیں الہی خیر کرے　　یہہ انکا قول ہے میری بلا ملے مجھسے

بلائیں اسکی بھی لوں گر ملے بلا انکی

نباہ اب نہ ہوا نہ انسے ہو ویگا　　جب آئے گھر میں موئی سوت ہی کا ذکر کیا

لگاؤں اس موئی شعلل کے منہ کو میں لوکا　　اسی کی باتیں خوشی سے جو ہو عدو میرا

غرض ہے کیا انہیں میری سنے بلا ان کی

مجھے تو عشق ہے نرگس لوا کی آنکھونکا　　کوئی بتائے کہ انہیں کہا ہے کا بس ہے بھرا

نظر اٹھا کے جسے دیکھا مر گیا وہ موا　　ستم ہے غمزہ بلا ناز ہے غضب ہے حیا

اور اسپہ ڈھاتی ہے آفت ہر اک ادا انکی

مجھے سنا کے وہ کہتا ہے اب نکل اے دل　　کسیکو دیکھ کے ایسا نہ تو پھسل اے دل

کسی طرح تجھے آتی نہیں ہے کل اے دل　　ہر ایک بات پہ ایسا نہ تو مچل اے دل

ستم میں تیرے اٹھاؤنگا یا جفا انکی

ادھر وہ سوت کے پہلو میں پی رہے ہیں شراب　　گزک کے واسطے جل بھن کے دل ادھر ہے کباب

خطا معاف ہو بندی کا قول ہے یہہ جناب　　نہ اسکا مثل جہاں میں کہیں نہ اسکا جواب

وفا وفا ہے ہماری جفا جفا ان کی

وہ پیارے پیارے قدم وہ بھری بھری رانیں ‏ ‏ کوئی حسین ہے ایسا یہ کسطرح مانیں
نثار ہوتی ہیں اک اک قدم پہ سو جانیں ‏ ‏ چلے یہ چال قیامت کی بھی تو ہم جانیں
بہت اڑاتی ہے اٹھکھیلیاں صبا انکی

ادھر تو سوتے ہیں اب امیدوار سبکی سب ‏ ‏ ادھر بلایا ہے ہم نے بھی انکو آج کی شب
یہ دیکھتے ہیں کہ کسکا بر آتا ہے مطلب ‏ ‏ عدو بھی وصل کے طالب ہیں دیکھئے یا رب
دعا قبول ہماری ہو یا دعا ان کی

جوانی انکی جو الھڑ نیا دکھا ئیگی ‏ ‏ جو مہندی پاؤنکی اودھم یونہیں مچائیگی
تو میری منتیں اک روز جان کھائیگی ‏ ‏ کبھی وہ شوخیٔ رفتار رنگ لائیگی
کریگی خون مرا ایکدن حنا ان کی

نہ طعنے دو مجھے یہ چاہ پیار وہ شے ہے ‏ ‏ سلف سے رنڈیاں عاشق مزاج گزری ہیں
انہیں کی جان کے بس ہر دو رہے در پے ‏ ‏ ازل کے روز سے اک لاگ حسن و عشق میں ہے
نہ ہے قصور ہمارا نہ ہے خطا انکی

اب ایسے مردوے کے پاس کوئی نوچ رہے ‏ ‏ جو انکی ناف ٹلی ام گئے نلے میرے
یہی نہیں ہے کہ انگیا ہوئی مری ٹکڑے ‏ ‏ شب وصال جو کی ہاتھا پائی تھی ان سے
مسک گئی ہے ہر اک جا سے قبا انکی

اڑائیں بنئے جو اسکی فضیحتیاں اکثر ‏ ‏ تو میرے نام سے آنے لگا ہے اسکو خدر
مرے مزاج سے کہتا ہے مردوا ڈرکر ‏ ‏ خدا کے سامنے رکھونگا ہاتھ کانوں پر

برائی میں نہیں سننے کا برملا اُنکی

جو مردوں کیلئے رنڈیاں کریں فریاد
تو کیوں نہ ہوئیں وہ پھر آپنے دل میں دو شاد

سنی تو ہوئیگی یوسف کی اے بوا روداد
ہزاروں حسن کی شہرت سے ہوئی برباد

بدی ہوئی ہے زمانے میں کیا ہوا اُنکی

دوگانا جان کے مثل اپنی کیوں نہ شہرت ہو
اور اُنکے مردوے کو پھر کیوں نہ چاہت ہو

مزاج اُنکا سا اُنکی سی جب طبیعت ہو
نیا ہو نازہراک نازمیں نزاکت ہو

ادا ادا سے ادا ہو ادا ادا اُنکی

نئی دولہن ہوں نہیں دکھ اُٹھانے کے قابل
وہ سوت لائے ہیں جینا ہے اب مرا مشکل

ابھی سے دلتے ہیں چھاتی پہ مونگ کھیے سل
وہ ابتدا ہی میں کرنے لگے ستم ایدل

اب آگے آگے قیامت ہے انتہا اُنکی

کہیں بھی دیکھی نہیں قدرداں بوا ایسے
سلامت اُنکو ہزاروں برس خدا رکھے

بہت کلام سے بیگم کے لے رہے تھے مزے
ملے تھے آج تو ہم بھی جناب آصف سے

عجیب رنگ میں ہیں پوچھتے ہو کیا اُنکی

نوٹ :- تمام غزلیں بلا انتخاب درج ہوئی ہیں غلطی کے ذمہ دار صاحب غزل ہیں ۔

ثاقب

چند ضروری قواعد

(۱) رسالہ تزک عثمانیہ بہ سرپرستی عالیجناب معلیٰ القاب ہز اکسلنسی راجۂ راجایان راجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنۃ جی سی۔ آئی۔ ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی المتخلص بہ شاد تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمہ ہر ماہ ہلالی کے ہفتہ اولیٰ میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) عام رسالوں کی طرح اسکی سالانہ قیمت مختلف تعداد میں نہیں رکھی گئی ہے کہ عام امرا و رؤسا و والیان ملک سے علیٰ قدر مراتب لیجائے بلکہ مذاق علمی میں آسانی و اضافہ کرنیکے لئے ایک قیمت رکھی گئی ہے یعنی (ہے) سالانہ علمی انجمنوں اور لائبریریوں کو منجانب سرکار مہاراجہ بہادر اور مضامین نگاروں کو منجانب مہتمم مفت دیا جائیگا۔

(۳) جواب طلب امور کیلئے ۲ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے ورنہ جواب آنیکی شکایت معاف

(۴) اگر کوئی صاحب ازراہ عنایت اپنا کلام بھیجنا چاہیں تو اپنے نام و مقام کے پتے کے ساتھ ماہ ہلالی کی ۱۵ تاریخ تک خوشخط لکھکر بھیجیں۔

اخلاقی۔ تاریخی۔ تمدنی۔ مضامین بھیجیں۔ مذہبی مباحث یا پولیٹکل مضامین بھیجنے کی زحمت نفرمائیں۔ جس مضمون کا طبع کرنا مناسب نہ سمجھا جائیگا وہ نہ طبع ہوگا نہ واپس

(۵) جملہ خط و کتابت وغیرہ بذریعہ مہتمم یا ایڈیٹر رسالہ تزک عثمانیہ ہونی چاہئے۔

مہتمم رسالہ تزک عثمانیہ۔